پاکستان کی دساتیر سازی کے مراحل میں علماء کے کردار کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

حافظ خالد رشید

رول نمبر: Z-775587

رجسٹریشن نمبر: 99-PPP-0724

گورنمنٹ ایم سی ہائی اسکول عارف والا

ضلع پاکپتن شریف

نگران مقالہ

ڈاکٹر محمد ادریس لودھی

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ علومِ اسلامیہ

بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

سیشن: ۲۰۰۹۔۲۰۱۰

بسم الله الرحمن الرحيم

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ
لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (۱)
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ز (۲)
اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْهٰی عَنِ
الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ ج یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۳)

۱۔النساء: سورۃ نمبر۴، آیت نمبر۶۵ ۲۔المائدہ: سورۃ نمبر۵، آیت نمبر۸ ۳۔النحل: سورۃ نمبر۱۶، آیت نمبر۹۰

DECLARATION

Hafiz Khalid Rashid S/o Rashid Ahmad Mujahid

Roll No. Z-775587 **Registration No. 99-PPP-0724**

As a Student of M.Phil Islamic Studies at the Allama Iqbal Open University Islamabad, I do hereby solemnly declare that the thesis entitled پاکستان کی دساتیر سازی کے مراحل میں علماء کے کردار کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ is my original work. This is for partial fulfillment of M.Phil Islamic Studies degree requirements. This Thesis has not been submitted or published earlier and shall not be submitted by me at any subsequent stage for obtaining any other degree from this or another University or Institution.

SIGNATURE: ____________

Name: Hafiz Khalid Rashid

FORWARDING SHEET

The thesis entitled, پاکستان کی دساتیر سازی کے مراحل میں علماء کے کردار کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ submitted by Hafiz Khalid Rashid in partial fulfillment of the requirtement for the degree of master of Philosophy in Islamic studies, has been completed under my guidance and supervision. I am satisfied with the quality of student's research work and I recommend its submission.

SIGNATURE:______________

Dr. Muhammad Idrees Ladhi

Assistant Professor

Department of Islamic Studies

Baha-ud-din-Zakaryya University, Multan.

Title of the thesis پاکستان کی دساتیر سازی کے مراحل میں علماء کے کردار کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

Name of the Student:: **Hafiz Khalid Rashid**

Accepted by the Faculty of Arabic and Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad in partial fulfillment of the requirements for the degree of master of philosophy in Islamic Studies.

____

Dean, F/O AIS

____

Chairman

Of the Departement

____

Ecternal Examiner

____

Supervisor

ABSTRACT

زیرِ نظر تحقیقی مقالہ بعنوان ''پاکستان کی دساتیر سازی کے مراحل میں علماء کے کردار کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' مقدمہ، چار ابواب اور مختلف فہارس پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں موضوع تحقیق کا تعارف اور اہمیت، موضوع تحقیق کا بنیادی سوال، مفروضۂ تحقیق، مقاصدِ تحقیق سابقہ فکری و تحقیقی کام کا جائزہ اور موضوع زیرِ تحقیق کی افادیت، منہج تحقیق اور خاکۂ تحقیق کو پیش کیا گیا ہے۔

باب اول میں قیام پاکستان کا پس منظر، تحریکِ پاکستان میں علماء کا کردار اور قیام پاکستان کے بعد علماء کی اسلامی دستور سازی کے لیے کوششوں کا تعارفی جائزہ لیا گیا ہے۔

باب دوم میں پاکستان میں دستور سازی کا پس منظر وارتقاء، قرارداد مقاصد کی تدوین اور تنقید میں علماء کے کردار کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، علماء کے بائیس دستوری نکات کا تجزیہ، ۱۹۵۶ء کی دستوری مہم میں علماء کی کاوشوں اور اس کے سیاسی وسماجی اور مذہبی اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔

باب سوم میں دستور ۱۹۶۲ء کا تاریخی پس منظر، پاکستان کے معروضی سیاسی حالات، ۱۹۶۲ء کی دستور سازی میں علماء کے دستوری کردار کا تجزیہ اور ۱۹۶۲ء کی دستوری سازی مین علماء کے کردار کے سیاسی، سماجی اور مذہبی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب چہارم میں دستور ۱۹۷۳ء کا تاریخی پس منظر، مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام کی اسلامی دستوری جدوجہد اور ۱۹۷۳ء کے آئین کی اسلامی دفعات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالہ کے آخر میں خلاصہ تحقیق وتجاویز اور مصادر ومراجع کے ساتھ ساتھ مقالہ میں آنے والی آیات، احادیث وآثار اور اعلام واماکن کے فہارس کو بھی افادیت کے پیش نظر ترتیب دیا گیا ہے۔

اظہارِ تشکر

اللہ تعالیٰ جلّ شانہ، کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے تاریخ تحریک پاکستان، قیام پاکستان کے بعد اسلامی دستوری جدوجہد سے متعلقہ کتب عطا فرمائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت پر درود وسلام پیش کرتا ہوں۔

اولاً نگرانِ مقالہ: محترم جناب ڈاکٹر محمد ادریس لودھی اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علومِ اسلامیہ بہاءُالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان کا شکرگزار ہوں جنہوں نے ابتداءً ''خاکہ تحقیق''، میں اور بعدۂ مقالہ نگاری سے متعلق ہر طرح کی مکمل رہنمائی فرما کر اس مقالہ کی تکمیل کی منزل دکھائی۔

مقالہ ہذا کے عنوان ''پاکستان کی دساتیر سازی کے مراحل میں علماء کے کردار کا تحقیق وتنقیدی جائزہ'' کے انتخاب کے سلسلہ میں ''کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ'' (AIOU) اسلام آباد کے ڈاکٹر حافظ محمد سجاد صاحب، ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی صاحب اور پروفیسر محیی الدین ہاشمی صاحب کا مشکور ہوں جن کی خاکہ تحقیق سے متعلق مجھے مشفقانہ معاونت حاصل رہی۔

اس عمل میں تلاش وجستجو کے سلسلے میں، مفتی محمد عثمان صاحب، مہتمم: جامعہ فاطمۃ الزھرا گئوشالہ (چیچہ وطنی)، محمد ... سعیدی استاذ گورنمنٹ ایم سی ہائی سکول عارفوالا، میاں مسعود احمد صاحب جھنڈیر، میاں محمود احمد صاحب جھنڈیر، میاں غلام احمد صاحب جھنڈیر (نگران ومنتظمین) مسعود جھنڈیر ریسرچ لائبریری (سردار پور جھنڈیر) میلسی، ضلع وہاڑی، کا شکر گزار ہوں جن کی توجہات سے تکمیلِ مقالہ میں میری راہنمائی کی۔

مشتاق احمد عاکف اور ارسلان رمضان صاحبان کو خراجِ تحسین پیش کرنا ضروری ہے، جنہوں نے مقالہ کی کمپوزنگ میں تعاون کیا۔ اللہ پاک ہم سب کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔

حافظ خالد رشید

انتساب

اپنے والدین کے نام اور اپنے استاذ گرامی مولانا قاری محمد حسین کے نام
جن کی دعاؤں اور علمی و روحانی عنایات نے مجھے اس قابل کیا

رموز واشارات

تحقیقی مقالہ میں غیر ضروری تقرار وطوالت سے بچنے کیلئے درج ذیل رموز واشارات کا استعمال کیا گیا ہے۔

- ☆ : : Colon (رابطہ) مصادر و مراجع کے بعد صفحہ کی وضاحت کے لیے۔
- ☆ م : متوفی
- ☆ ھ : سن ہجری
- ☆ ء : سن عیسوی (اردو رسم الخط میں)
- ☆ م : سن عیسوی (عربی رسم الخط میں)
- ☆ ( ) : عبارات یا تراجم میں وضاحتی یا اضافی مواد کے لیے
- ☆ " " : واوین: آیات کے علاوہ احادیث اور جملہ عربی اور اردو اقتباسات کیلئے
- ☆ / : جلد اور صفحہ یا سن ہجری اور سن عیسوی کے مابین فرق کرنے والا نشان

عنوانات — صفحات

موضوعِ تحقیق کا تعارف

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین والمرسلین، امابعد:

پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کے نقشہ پر معرض وجود میں آیا۔ اس نوزائیدہ مملکت خداداد پاکستان کی اسلامی دستور کی جدوجہد میں علماء نے بھرپور کردار ادا کیا۔ دستور سازی کے مراحل میں قرارداد مقاصد کی منظوری اور علماء کے ۲۲ دستوری نکات سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آئندہ دساتیر سازی میں ۲۲ نکات سے رہنمائی لی گئی۔ موضوع تحقیق ''پاکستان کی دساتیر سازی کے مراحل میں علماء کے کردار کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ" ہے۔

موضوعِ تحقیق کی اہمیت وضرورت

مسلمانان برصغیر نے پاکستان کے حصول کے لیے مسلم لیگ کی زیر قیادت تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ نعرہ زبانِ زد عام تھا کہ ''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ'' چنانچہ قیام پاکستان کا یہ بھرپور مطالبہ تھا کہ پاکستان میں قرآن وسنت کا قانون رائج کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر علماء کرام کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اس کے ساتھ ساتھ بعض علماء کرام متحدہ ہندوستان کے حق میں تھے ان کا استدلال یہ تھا کہ مسلمان متحد ہو کر ہی اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔ اسلامی دستور سازی میں علماء کے کردار سے موضوع تحقیق کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

قرآن وحدیث میں علماء کا مقام ومرتبہ

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآؤُا............'' (۱)

ترجمہ: ''خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں''۔

''قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ........'' (۲)

ترجمہ: ''اے پیغمبر ﷺ کہہ دیجئے کیا علم والے اور جہل والے برابر ہو سکتے ہیں''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

''عن كثير بن قيس قال كنت جالساً مع ابى الدردا فى مسجد دمشق فجاءه رجل......

و انما ورثو العلم فمن اخذهُ بحظ وافر (۳)

حضرت ابودرداؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا عالم کے لیے زمین وآسمان والے استغفار کرتے ہیں مچھلیاں پانی کے اندر استغفار کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں

۱۔ فاطر: سورۃ نمبر ۳۵، آیت نمبر ۲۸ ۲۔ الزمر: سورۃ نمبر ۳۹، آیت نمبر ۹

۳۔ تبریزی، شیخ ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب، مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، باب العلم، قدیم کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی، ص ۳۳

وعن ابی امامة الباهلی قال ذکر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رجلان أحدهما عابد .... لیصلون علی معلم الناس الخیر (۱)

حضرت ابوامامہؓ باہلی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تمہارے ادنیٰ پر ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اور زمین و آسمان والے یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں عالم کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں۔

تحریک پاکستان کے جید علمائے کرام کے نام

مولانا اشرف علی تھانویؒ	(م۱۹۴۳ء)
مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	(م۱۹۴۹ء)
مولانا ظفر احمد عثمانیؒ	(م۱۹۷۴ء)
مفتی محمد شفیعؒ	(م۱۹۷۶ء)
اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلویؒ	(م۱۹۲۱ء)
مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی	(ولادت ۱۸۸۳ء)
سید احمد سعید کاظمیؒ	(م۱۹۸۶ء)
مولانا عبدالحامد بدایونیؒ	(م۱۹۷۰ء)
علامہ شاہ احمد نورانیؒ	(م۲۰۰۳ء)
مولانا محمد داؤد غزنویؒ	(م۱۹۶۳ء)

قرارداد مقاصد کی تیاری اور منظوری میں شامل علمائے کرام کے اسمائے گرامی

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
مولانا سید سلیمان ندویؒ	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ	

مختلف دساتیر کی اسلامی دفعات کی تیاری میں علمائے کرام کے اسمائے گرامی

علامہ سید سلیمان ندویؒ	مفتی محمد شفیعؒ	مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
مولانا ظفر احمد انصاریؒ	مولانا احتشام الحق تھانویؒ	مولانا محمد حسن امرتسریؒ
مولانا محمد متینؒ	مولانا تمیز الدینؒ (۲)	مولانا عبدالغفور ہزارویؒ

۱۔ تبریزی، شیخ ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب، مشکوٰۃ المصابیح، باب العلم الیضاً۔ ص ۳۴

(۲) مولانا تمیز الدینؒ پاکستان کی قومی اسمبلی کے اسپیکر تھے۔

مولانا عبدالحقؒ آف اکوڑہ خٹک	مولانا شاہ محمد نورانیؒ	مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ
مولانا راغب احسنؒ	مولانا عبدالسلامؒ (۱)	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
مولانا محمد داؤد غزنویؒ	علامہ علاء الدین صدیقیؒ	مولانا اطہر علیؒ

موضوعِ تحقیق کا بنیادی سوال

پاکستان کی دستور سازی کے مراحل میں علماء نے کیا مثبت کردار ادا کیا یا منفی۔

فرضیہ تحقیق

فرضیہ تحقیق کے عنوان کے تحت جن مفروضوں کو پیش کیا گیا ہے انھیں دلائل کی روشنی میں مختلف ابواب و فصوں میں واضح کیا گیا ہے۔

☆ پاکستان کے علماءِ کرام نے پاکستان کی دساتیر سازی کے مراحل میں بھرپور کردار ادا کیا۔

☆ پاکستان کے علماءِ کرام کے پاکستان کی دساتیر سازی کے مراحل میں اس کردار کے سیاسی، سماجی اور مذہبی اثرات مرتب ہوئے۔

☆ آئین سازی کے مراحل میں علماءِ کرام کی آراء کو خاص اہمیت دی گئی۔

مقاصدِ تحقیق

اس تحقیقی و تنقیدی مطالعہ کے دوران درج ذیل مقاصد کا حصول پیش نظر ہے۔

☆ آئین سازی میں علماء کے کردار کو تحقیقی معیار تاریخی ترتیب اور علماء کے مذہبی فرائض کی روشنی میں واضح کرنا۔

☆ اسلامی قانون سازی کے ضمن میں علماءِ کرام کے علمی مقام و مرتبہ کی اہمیت کو واضح کرنا

☆ آئین سازی کے مراحل میں اسلامی قانون سازی کی تدوین سے ملکی ترقی اور سرکاری اداروں پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

دستور سازی کے اسلامی نقطہ نظر کے حوالہ سے محترم محقق جناب شہزاد اقبال شام نے ۲۰۰۶ء میں پیش کردہ اپنے تحقیقی مقالہ میں اسلامی دفعات کا تقابلی جائزہ لیا ہے لیکن اس مقالہ میں انھوں نے اسلامی دستور سازی کے حوالہ سے علماء کے کردار کا خاص طور پر ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اپنی ساری توجہ اسلامی دفعات کے تقابلی اور تجزیاتی انداز پر مرکوز کی جس پر ان کو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے Ph.D کی ڈگری عطا کی۔ اس کے علاوہ عائشہ احمد نے شعبہ سیاسیات بہاءُ الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں ایم۔ فل کا مقالہ پیش کیا جس کا عنوان

Pakistan Power Structure :Ulama and Pakistan politics since 1947 to 2006

(2005 -2007ء) اس مقالہ میں مقالہ نگار نے پاکستان کی سیاست میں علماء کے کردار کا اسلامی نقطہ نظر سے عمومی جائزہ لیا ہے مگر علماء کی اسلامی آئین سازی کے لئے جدوجہد کو خاص طور پر موضوع بحث نہیں بنایا گیا۔ مزید برآں فاضل مقالہ نگار میاں محمد صفدر نے شعبہ سیاسیات بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں ایم فل کا مقالہ پیش کیا جس کا عنوان:

---

(۱) اور (۲) یہ علماء مشرقی پاکستان اسمبلی کے ارکان تھے۔

اس مقالہ میں ۱۹۷۹ء تا ۲۰۰۶ء تک کی اسلامی آئین سازی میں علماء کے کردار کا مختصر ذکر ہے جبکہ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۷۹ء تک کی آئین سازی کا احاطہ نہیں کیا گیا۔

اس موضوع کے ذریعے علماء کرام کے علمی مقام و مرتبہ اور سیاسی بصیرت کے ساتھ ساتھ پاکستان کی دستوری تاریخ میں علماء کی دستوری کاوشوں کو اجاگر کرنا مقصود ہے۔ اس موضوع پر چیدہ چیدہ ریسرچ آرٹیکل اور منتشر مضامین کی شکل میں مواد موجود ہے لیکن اس موضوع پر مستقل طور پر باقاعدہ تحقیقی انداز سے کام مرتب نہیں ہے اس لیے اس عنوان کو تحقیقی موضوع کے طور پر منتخب کیا گیا ہے۔

منہج تحقیق

اس موضوع پر تحقیقی کام کو درج ذیل تحقیقی اسلوب سے آگے بڑھایا گیا ہے۔

- ☆ تاریخی منہج اختیار کیا گیا ہے۔
- ☆ بیانیہ منہج اپنایا گیا ہے۔
- ☆ لائبریری تحقیق کے اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے۔
- ☆ اصل مصادر و مراجع سمیت انٹرویوز اور خطوط و ملاقات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مولانا مفتی محمد عثمان صدر جمعیت علماء اسلام چیچہ وطنی سے اُن کی رہائش گاہ پر ملاقات کی جس میں انہوں نے عنوان کی مناسبت سے کافی مفید معلومات مہیا کیں۔
- ☆ کسی ماخذ کا پہلی مرتبہ حوالہ دیتے وقت، مصنف کا معروف نام، اصلی نام۔ کتاب کا نام، جلد اور صفحہ درج کیا گیا ہے۔ دیگر معلومات (اشاعت اور مقام اشاعت وغیرہ) مصادر و مراجع میں درج کی گئی ہیں۔
- ☆ دوسری مرتبہ حوالہ دیتے وقت مصنف کا عرفی نام اور جلد/صفحہ درج کیا گیا ہے۔
- ☆ فہارس کی ترتیب میں ال/ام/اب/ابو کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔

ابواب کی تقسیم

راقم نے اپنے مقالہ کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں تین فصول شامل ہیں۔ باب دوم اور سوم چار فصول پر مشتمل ہیں جبکہ باب چہارم میں تین فصول شامل ہیں۔ مقالہ کے آخر میں خلاصہ و تجاویز اور مصادر و مراجع کی تفصیل ہے۔

باب اول کی پہلی فصل میں قیام پاکستان کا پسِ منظر شامل ہے۔ اس میں تحریک پاکستان کے مختلف ادوار کو اختصار سے بیان کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں تحریک پاکستان میں علماء کے کردار کو اجاگر کیا گیا ہے اس میں تحریک پاکستان میں سرگرم کردار ادا کرنے والے علماء اور تحریک پاکستان کے مخالف نیشنلسٹ علماء کا کردار تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ تیسری فصل میں قیام پاکستان کے بعد علماء کی اسلامی دستور سازی کے لیے کوششوں کا تعارفی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

باب دوم کی پہلی فصل پاکستان میں دستور سازی کا پس منظر اور ارتقاء پر مشتمل ہے۔ اس میں ۱۹۵۶ء کے پہلے دستور کی

مقاصد کی تدوین اور تنفیذ میں علماء کے کردار کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔اس میں علماء کرام کی قراردادِ مقاصد کو دستور سازی کی بنیاد بنانے کی جدوجہد کی تفصیلات درج ہیں۔تیسری فصل میں علماء کے ۲۲ دستوری نکات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔چوتھی فصل میں ۱۹۵۶ء کی دستور سازی میں علماء کے کردار اور اس کے سیاسی، سماجی اور مذہبی اثرات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔اس میں بورڈ تعلیمات اسلامیہ ۱۹۵۳ء سے علماء کنونشن بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی حتمی رپورٹ اہم موضوعات ہیں۔

باب سوم میں فصل اول میں ۱۹۶۲ء کا تاریخی پس منظر بیان کیا گیا ہے۔اس فصل میں ۱۹۵۶ء کے آئین کی منسوخی اور مارشل لاء کے نفاذ کی تفصیلات موجود ہیں۔فصل دوم میں پاکستان کے معروضی سیاسی حالات کا ذکر کیا گیا ہے۔اس میں سیاسی و آئینی ڈھانچہ اور آئینی کمیشن کی سفارشات اہم موضوعات ہیں۔فصل سوم میں ۱۹۶۲ء کی دستور سازی میں علماء کے کردار کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔اس میں صدر ایوب خان کے نافذ کردہ عائلی قوانین کے قرآن وسنت سے متصادم ہونے کی اسمبلی کے اندر اور باہر مذمت کی گئی ہے۔اور ۱۹۶۲ء کی دستور سازی میں اسلامی دفعات کی شمولیت کے لیے علماء کے سرگرم کردار کو واضح کیا گیا ہے۔فصل چہارم میں ۱۹۶۲ء کی دستور سازی میں علماء کے سیاسی، سماجی اور مذہبی اثرت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب چہارم کی فصل اول میں دستور ۱۹۷۳ء کا تاریخی پس منظر اور پاکستان کے معروضی سیاسی حالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس میں ۱۹۶۹ء کے یحییٰ خان کے مارشل لاء، ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے نتائج، اکثریتی پارٹی کو اقتدار کی منتقلی میں تاخیر کے ساتھ ساتھ مشرقی پاکستان کے نازک حالات اور سقوط ڈھاکہ کا ذکر کیا گیا ہے۔اس کے بعد اس وقت کے صدر ذوالفقار علی بھٹو کی سرکردگی میں ۱۹۷۳ء کے آئین کی پیش رفت کو بیان کیا گیا ہے۔فصل دوم میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام کی دستوری مہم کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس میں علماء کرام کی اسلامی دستور سازی کے لیے انتھک کاوشوں کا ذکر ہے۔فصل سوم میں ۱۹۷۳ء کے آئین میں شامل اسلامی دفعات کا جائزہ لیا گیا ہے۔جس کے لیے علماء کرام نے نامساعد حالات کا پوری استقامت سے مقابلہ کیا اور سیکولرازم کا پرچار کرنے والے مقتدر حلقوں کو سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ان اسلامی دفعات میں مشہور زمانہ دوسری آئینی ترمیم بھی شامل ہے۔جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے۔

مقالہ کے آخر میں خلاصہ تحقیق، نتائج تحقیق اور تجاویز کو احتیاط اور احسن انداز سے پیش کیا گیا ہے۔نیز اس کے بعد فہرست آیات، فہرست احادیث وآثار، فہرست اعلام، فہرست اماکن اور مصادر ومراجع کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

بندہ خاکسار نے ''ابواب کی تقسیم'' میں دیئے گئے اسلوب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے تحقیقی کام کو تکمیلی مراحل تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔تحقیق کے مروجہ اعلیٰ معیار کو برقرار رکھنے کی سعی جمیل کی گئی ہے۔اللہ پاک اس سعی کو قبول فرمائے۔(آمین)

مقالہ نگار

حافظ خالد رشید (ای ایس ٹی) گورنمنٹ ایم سی ہائی اسکول عارف والا ضلع پاکپتن

پاکستان میں اسلامی دستوری جدوجہد کے ادوار کا تعارف

فصل اول: قیام پاکستان کا پس منظر

"تاریخ انسانی سے واضح ہے کہ جب بھی کوئی نبی معبوث ہوا اس نے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے پاکباز اور راست گفتار افراد کی ایک جماعت قائم کی۔ یہی جماعت، جماعت مومنین کہلائی اور اپنے ہادی و پیشوا کی معین و مدد گار ثابت ہوئی۔ اس کے مقابلے میں دوسری جماعت اس پہلی جماعت کے درپے آزار ہو گئی اور حق کو مٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ یہ دوسری جماعت منکرین کی جماعت کہلائی۔ ہر نبی کے زمانے میں یہ دونوں جماعتیں موجود رہیں حتی کہ ہمارے آقا و مولا احمد مجتبی محمد ﷺ کی بعثت ہوئی۔ آپ کے پاکیزہ مشن کی تکمیل کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو مومنوں اور فدائیوں کی ایک جماعت عطا فرمائی۔ اس جماعت کے مقابلے میں بھی منکروں کا ایک طاقت ور گروہ صف آراء ہو گیا گویا دو جماعتوں، دو ملتوں یا دو قوموں کی آویزش کا یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے اور شاید ابد تک جاری رہے گا"۔ (۱)

برصغیر میں مسلمان قوم کی ابتداء تقریباً اس سال ہوگئی تھی جس سال مکہ میں انسانیت کے سب سے بڑے مصلح اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے کوہ صفا پر جا کر اہل مکہ کو خدا کا پیغام سنایا تھا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ص وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔ (۲)

''ابتداء میں نوع انسانی ایک ہی امت تھی پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو خوشخبری سنانے اور ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ آسمانی کتابیں بھی حق کے ساتھ نازل کیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اختلافی امور کے بارے میں فیصلہ فرمادے جن میں وہ اختلاف کرتے تھے''۔

قرآن مجید کے اس پیغام سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں بنی نوع انسان ایک ہی جماعت تھے لیکن بعد میں اُن میں اختلافات پیدا ہو گئے اور وہ مختلف جماعتوں میں بٹ گئے چنانچہ اُن کے درمیان اختلافات کو ختم کرنے اور پھر سے متحد کرنے کے لیے انبیاء کرام کا سلسلہ شروع ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ ضابطے اور قوانین بھی نازل کیئے گئے۔

مشہور مقولہ ہے اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَہ' کفر ملت واحدہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی جب بھی مسلمانوں کا کفار سے مقابلہ ہوتا ہے تو وہ سب اسلام کے مقابلے میں متحد ہو جاتے ہیں خواہ اُن میں باہم کتنے ہی نظریاتی اور طبقاتی اختلافات کیوں نہ ہوں۔ روئے زمین پر بسنے والوں کو دو حصوں اور دو ملتوں میں تقسیم ہیں۔ ایک ملت اسلام اور دوسری ملت کفر۔ اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کے ذریعے دین اسلام کی دنیا میں آمد کے ساتھ ہی دو قومی نظریہ وجود میں آگیا جو شخص اس نظریے کو کسی دنیاوی شخصیت سے منسوب کرتا

ا۔شاہ جہان پوری، پیام۔ تاریخ نظریہ پاکستان۔ مکتبہ اسلامیہ ریلوے روڈ جھنگ، س۔ن، ص ۲۵۷

۲۔البقرہ: سورۃ نمبر۲، آیت نمبر۲۱۳

حضرت مجدد الف ثانی اور دوقومی نظریہ

دوقومی نظریہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا حق و باطل کی آویزش اور انبیاء کرام کے جہاد، مصائب اور ہجرتیں بھی اسی نظریے کے تحت ہوتی رہیں اور ایسی ہمارے آقا علیہم السلام کی ہجرت اور بالآخر کافروں کا جزیرہ عرب سے اخراج بھی اسی نظریے کا مظہر ہے۔ علماء نے اپنے اپنے دور میں اس نظریے کی روشنی میں تبلیغ کی اور ہندوستان میں جب دین الٰہی کے پرچار نے اسلامی اقتدار کو پامال کر کے رکھ دیا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے دینی اقدار کی بحالی کے لئے بڑی شدومد سے دوقومی نظریہ کو عروج دے کر دینی اقدار کا تحفظ کیا۔ آپ ہی کی مساعی کے نتیجہ میں ہندوستان میں ایک لادینی حکومت کی جگہ اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ اکبر کے بعد جہانگیر پھر اورنگ زیب منظرِ عام پر آئے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

"جہانگیر کے دورِ حکومت میں شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی ؒ آگے آئے، آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریک احیاءِ دین کا آغاز ہوا۔ چنانچہ اس انقلاب و تبدیلی کے نتیجہ میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں وہ اکبر، جہانگیر، شاہ جہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے درباروں کی بدلتی ہوئی فضاؤں میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں۔" (۱)

"متحدہ ہندوستان میں ہندو مسلمان قضیہ مدت سے چلا آرہا تھا کئی بار اس کا حل تلاش کیا گیا، مگر نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلا۔ تہذیبی، روایتی، تاریخی، لسانی اور مذہبی اختلافات نے دونوں قوموں کو کبھی شیر و شکر ہو کر رہنے کا موقع نہ دیا۔ کانگرس اگرچہ تمام فرقوں کی جماعت تھی اور مسلمانوں کے بڑے بڑے رہنماء اس کے ممبر تھے، مگر بعض ممبروں کا مذہبی تعصب یہاں بھی کام کرتا رہا جس کے نتیجے میں بعض مسلمان اسے خالص ہندو جماعت سمجھنے لگے، پھر اس کے بعد کی سرگرمیاں مسلمانوں کے نزدیک اس بات کا ثبوت تھیں کہ کانگریس کے فیصلے عملاً ہندو ذہنیت کے مطابق ہوتے تھے۔ ان اختلافات کا وہی نتیجہ نکلا جس کی طرف ۱۹۲۵ء میں لالہ لاجپت رائے نے اشارہ کیا تھا یعنی تقسیم ہند۔" (۲)

قیام پاکستان متحدہ ہندوستان کے رہنے والے مسلمانوں کا ایک بنیادی اور دستوری حق تھا، کیونکہ پیدا ہونے سے اب تک ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین کوئی دینی، اخلاقی اور سماجی قدریں مشترک نہ تھیں۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد انگریز اور ہندوؤں نے مل کر زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں پر جس قدر مظالم ڈھائے اس کی بنا پر قیام پاکستان کے تمام اخلاقی، مذہبی اور سیاسی جواز پیدا ہو چکے تھے۔

دوقومی نظریہ اور سرسید

انگریز ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی تمام تر ذمہ داری مسلمانوں پر عائد کر رہا تھا۔ ان حالات میں کسی ایسی شخصیت کی مسلمانوں کو شدت سے کمی محسوس ہو رہی تھی جو ان کی راہنمائی کر سکے۔ ان حالات میں مسلمانوں کو سرسید احمد خان جیسی شخصیت ملی جنہوں نے اپنی علمی بصیرت سے نہ صرف انگریزوں کے دلوں سے مسلمانوں کیلئے نفرت کے جذبات کو کم کر دیا بلکہ ان کو اس قابل بھی بنا دیا کہ ہندوؤں کے

۱۔ قریشی، اشتیاق حسین، ڈاکٹر۔ مقدمہ ہسٹری آف دی فریڈم مومنٹ، جلد اول مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۷ء، ص ۲

۲۔ ادارہ تالیف و تصنیف، انقلاباتِ عالم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز، کشمیری بازار لاہور، ۱۹۶۰ء، ص ۲۴۴

بغاوت کی ناکامی اور ملک پر انگریزوں کا پوری طرح تسلط ہو جانے کے بعد جب ان لوگوں کو انعامات اور جاگیریں دی جانے لگیں جنہوں نے انگریزوں کی حمایت اور امداد کی تھی تو سرسید کو بھی ایک جاگیر پیش کی گئی۔ انہوں نے اپنے ایک لیکچر میں جو ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسے میں ۲۸۔ دسمبر ۱۸۸۹ء کو دیا تھا اس واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ

''اس وفاداری کے عوض مسٹر شیکسپیئر (کلکٹر و مجسٹریٹ ضلع بجنور) نے تعلقہ جہاں آباد جو سادات کے ایک نامی خاندان کی ملکیت اور ایک لاکھ روپے سے زیادہ کی مالیت کا تھا مجھ کو دینا چاہا تو میرے دل کو نہایت صدمہ پہنچا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے زیادہ کوئی نالائق دنیا میں نہ ہوگا کہ قوم پر تو یہ بربادی ہو اور میں ان کی جائیداد لے کر تعلقہ دار بنوں۔ میں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا''۔ (۱)

ہندوؤں کی طرف سے سرکاری دفتروں اور مدارس سے اردو کے خارج کرنے کی تحریک ہوئی تو سرسید کو یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مخالفت اور عناد کم ہونے کی بجائے بڑھتا نظر آتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہونے سے منع کیا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ ہندوؤں کی نیت ٹھیک نہیں ہے اور وہ مسلمانوں کو ہندو سوسائٹی میں مدغم کرنے کیلئے مختلف طریقے اختیار کر رہے ہیں۔ گویا سرسید نے پہلے یہ ثابت کیا کہ برصغیر پاک و ہند میں ایک نہیں دو قومیں آباد ہیں یہ تقسیمِ ہند کی تجویز کی طرف ایک واضح اشارہ تھا۔

انڈین نیشنل کانگریس کا قیام

۲۸۔ دسمبر ۱۸۸۵ء کو سنسکرت کالج بمبئی کے ہال میں ایک بنگالی عیسائی مسٹر سریندر ناتھ بینرجی کی صدارت میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں انڈین نیشنل کانگریس کی تشکیل کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا انڈین نیشنل کانگریس کا قیام بظاہر ایک ایسی جماعت کا وجود پذیر ہونا تھا جو ملک کے تمام مکاتب فکر و مذاہب کے افراد کی مشترکہ نوعیت کی ایک مؤثر سیاسی جماعت ہو جس کو انگریزوں کی واضح حمایت حاصل ہے اس طرح یہ جماعت ایک ایسے فریق کے کنٹرول میں تھی جو پہلے ہی مسلمانوں کا عظیم دشمن تھا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی تشکیل

یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو شملہ وفد جب اپنے تحریری مطالبات بالمشافہ طور پر لارڈ منٹو کو دینے آیا تو اس کے بعد مسلمانوں نے سیاسی میدان میں قدم کچھ اور آگے بڑھانا شروع کر دیئے۔ دسمبر ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ کے مقام پر محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس طلب کی گئی جس میں ایک نئی سیاسی جماعت کی تشکیل پر تفصیلی انداز میں غور کیا گیا۔

۳۰۔ دسمبر ۱۹۰۶ء کو اس کانفرنس کا ایک اجلاس نواب وقار الملک کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی ایک علیحدہ سیاسی جماعت ہوگی جس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ ہوگا۔ اس اجلاس میں صدارتی خطبہ پڑھتے ہوئے نواب وقار الملک نے فرمایا کہ جس مقصد کیلئے یہ اجلاس طلب کیا گیا ہے اس کی ضرورت دراصل ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ہی محسوس نہیں کی گئی بلکہ اس

۱۔ حالی، الطاف حسین، مولانا -- حیاتِ جاوید، پولیمر پبلیکیشنز راحت مارکیٹ، اردو بازار لاہور۔ ص ۵۶

سے بچا رہا تو وہ سرسید احمد خاں کی ہدایات کی تعمیل کے پیش نظر تھا۔ اگر اُن جیسا بردبار اور سنجیدہ رہنما مسلمانوں کو اس دور میں نہ ملتا تو شاید مسلمانوں کو ہندوستان رہنے کے لئے کوئی بھی مقام نہ ملتا۔ اب حالات کی نوعیت کے مطابق مسلمانوں کو نہ صرف اپنے مطالبات منوانے کیلئے اجتماعی کوششیں کر لینی چاہیے بلکہ اپنے سیاسی حقوق کے تحفظ کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہیے۔

نواب وقار الملک کی تقریر کے بعد نواب سلیم اللہ خاں آف ڈھاکہ نے باقاعدہ ایک قرارداد پیش کی جس کے مندرجات حسب ذیل ہیں جس کی تائید حکیم اجمل خان، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خان نے کی۔ قرار پایا کہ یہ جلسہ جو ہندوستان کے مختلف حصوں کے ان نمائندوں پر مشتمل ہے جو ڈھاکہ میں جمع ہوئے ہیں یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ایک سیاسی جماعت قائم کی جائے جس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ رکھا جائے اور جس کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہوں۔

۱۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں حکومت برطانیہ کی طرف سے وفاداری کے جذبات کو ترقی دینا اور کسی قسم کی آئندہ تدبیر نسبت حکومت کے اداروں سے متعلق اگر کوئی بدگمانی ہو اس کو رفع کرنا۔

۲۔ مسلمانانِ ہند کے سیاسی حقوق اور مفادات کی حفاظت کرنا اور ان کی ضروریات اور تمناؤں کی حکومت کے سامنے ترجمانی کرنا۔

۳۔ دوسری جماعتوں کے خلاف مسلمانوں کے جذبات اور عداوت کی نشو و نما کا اس طریقے پر انسداد کرنا کہ مسلم لیگ کے مذکورہ بالا مقاصد کو نقصان نہ پہنچے۔

کچھ عرصہ بعد حالات کے تحت مسلم لیگ کے نصب العین میں بھی ترمیم کر دی گئی۔ ۱۹۱۳ء کے نئے نصب العین کے تحت طے پایا کہ

۱۔ مسلم لیگ ہندوستان کیلئے ذمہ دار حکومت کے حصول اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے اُس وقت تک مسلسل کوشاں رہے گی جب تک کہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہو جاتی۔

۲۔ مسلم لیگ ہندوستان بھر میں مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی اور معاشرتی مفادات کے تحفظ کے لیے بھی کوشاں رہے گی۔

۳۔ ہندوستان میں مسلمانوں میں اور دوسری قوموں میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے مسلم لیگ اپنی تمام پُرخلوص کوششوں اور اپنے وسائل کو بروئے کار لائے گی اور باہمی تعاون و اتحاد کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرے گی۔

۴۔ ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک کے مسلمانوں کے درمیان جذبہ اخوت و محبت کو استوار کرنے کے لیے مسلم لیگ پورے انہماک کے ساتھ کوشش کرے گی۔

معاہدہ لکھنؤ:

پس منظر

مسلم لیگ اور کانگریس نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ دونوں جماعتوں کا کسی مقام پر ایک مشترکہ اجلاس ہو اور اس میں ضروری امور پر اتفاق رائے کو معاہدہ کی صورت دی جائے چنانچہ دونوں جماعتوں کی کمیٹیوں کا مشترکہ اجلاس نومبر ۱۹۱۴ء کو بمقام لکھنؤ ہوا

کے بعد دونوں جماعتوں نے بہت سے اہم نکات پر اتفاق رائے کیا۔ اس کو فریقین نے آئینی طور پر تسلیم کر کے ایک معاہدے کا نام دیا جس کا نام میثاق لکھنؤ رکھا گیا۔

میثاق لکھنؤ

اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کو صوبائی کونسلوں میں جداگانہ انتخاب کے ذریعے مختلف صوبوں میں اس تناسب سے نمائندگی حاصل ہوگی۔

۲۔ پنجاب میں ۵۰ فیصد بنگال میں ۴۰ فیصد، یوپی میں ۳۰ فیصد، بہار میں ۲۵ فیصد، مدراس میں ۱۵ فیصد، سی پی میں ۱۵ فیصد اور بمبئی میں ۳/۱ فیصد نمائندگی ہوگی۔

۳۔ مسلمانوں کو اپنے مخصوص حلقوں کے علاوہ کسی اور حلقے سے انتخاب لڑنے کا حق نہ ہوگا۔

۴۔ مرکزی کونسل میں مسلمانوں کو ۳/۱ نمائندگی ہوگی۔

۵۔ کسی ایسے پرائیویٹ بل پر غور نہیں کیا جائے گا جسے مسلمان قوم کے ۴/۳ اراکین کی اکثریت مسترد کر دے۔

نہرو رپورٹ

سائمن کمیشن کی سفارشات سے قبل برطانوی وزیر امور ہند ''مسٹر برکن ہیڈ'' نے برطانوی پارلیمنٹ میں ہندوستانی عوام کے بارے میں توہین آمیز بیان دیتے ہوئے کہا ہندوستان کے لوگ اس حد تک ایک دوسرے سے بے زار ہیں اور اُن میں اس قدر اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ ایک ایسا دستور بھی تیار نہیں کر سکتے جس پر وہ متفقہ طور پر راضی ہو جائیں۔ انڈین نیشنل کانگریس نے اس بیان کو ایک چیلنج قرار دیا اور اس پر لائحہ عمل طے کرنے کے لئے ۱۲۔ فروری ۱۹۲۸ء کو ایک آل پارٹیز کانفرنس بمقام دہلی بلائی لیکن کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ بعد ازاں ۱۹۔ مئی ۱۹۲۸ء کو بمبئی میں ایک اور اجلاس منعقد کیا اس میں متفقہ دستور سازی کے لئے پنڈت موتی لال نہرو کی سربراہی میں ایک دستور ساز کمیٹی قائم کی جس میں درج ذیل ارکان شامل کئے گئے۔

۱۔	پنڈت موتی لال نہرو	صدر
۲۔	محمد شعیب قریشی	رکن
۳۔	مسٹر ایس۔ ایم۔ آر جیکار	//
۴۔	سبھاش چندر بوس	//
۵۔	سردار منگل سنگھ	//
۶۔	مسٹر ایس۔ ایم۔ اینے	//
۷۔	سر علی امام	//

۹۔ این۔ایم جوشی //

۱۰۔ جی۔آر پردھان //

۲۸۔اگست ۱۹۲۸ء کو پنڈت موتی لال نہرو نے دستوری سفارشات پر مبنی ایک رپورٹ پیش کی جسے نہرو رپورٹ کہتے ہیں۔ نہرو رپورٹ کی سفارشات مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ ہندوستان میں وحدانی طرز کی خودمختار سٹیٹ قائم کی جائے اور اختیارات کا ارتکاز مرکزی حکومت کے پاس ہو۔

2۔ جداگانہ طریق انتخاب ختم کر دیا جائے کمیٹی کی رائے میں انتخاب کا یہ طریقہ قومی ارتقاء کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔

3۔ مسٹر جناح کی دہلی تجاویز کے مطابق نشستوں کے تحفظ کا اصول رد کر دیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ کل آبادی کا ۱۰ فیصد سے کم آبادی والے صوبوں میں ان کی آبادی کے تناسب سے نشستوں کا تحفظ کیا جائے۔

4۔ مرکزی اسمبلی ہی میں مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ ایک چوتھائی نشستیں دی جاسکتی ہیں۔

5۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور سندھ کو مکمل صوبوں کی حیثیت دی جائے۔

6۔ جنوبی ہندوستان میں ایک نئے ہندو صوبے کا قیام عمل میں لایا جائے۔

7۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کو تسلیم نہیں کیا جانا چاہیے۔

8۔ ہندوستان کی سرکاری زبان ہندی قرار دی جائے۔

9۔ بلوچستان کو مکمل صوبہ تسلیم کیا جائے۔

10۔ مرکزی حکومت وزیراعظم کے علاوہ چھ وزیروں پر مشتمل ہو جن کا تقرر گورنر جنرل خود کرے

ان دس سفارشات میں آٹھ سفارشیں صریحاً مسلمانوں کے خلاف تھیں۔نہرو رپورٹ کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان سیاسی وسماجی تعلقات کی خلیج اور زیادہ وسیع اور گہری ہوگئی۔

قائداعظم کے چودہ نکات

نہرو رپورٹ سے صاف ظاہر تھا کہ ہندو پورے ہندوستان میں ہندو اکثریتی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔مسلمانوں نے نہرو رپورٹ کو ایک ہندو رپورٹ قرار دیا۔چنانچہ قائداعظم نے مسلمانوں کے مطالبات ۱۴ نکات کی صورت میں حکومت ہند کے سامنے پیش کیئے۔یہ ۱۴ نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ہندوستان کا آئندہ دستور وفاقی طرز کا ہوگا۔

۲۔ تمام صوبائی حکومتوں کو یکساں بنیاد پر داخلی خودمختاری دی جائے گی۔

۳۔ ملک کی آئین ساز اسمبلیاں اور انتخابی اداروں کی تشکیل اس واضح اصول پر ہوگی کہ تمام صوبوں میں اقلیتوں کو موثر نمائندگی

۴۔ مرکزی مجلس آئین ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی کم از کم ایک تہائی ہوگی۔

۵۔ ہر فرقہ کو جداگانہ انتخابات کا حق حاصل ہوگا البتہ اگر کوئی فرقہ چاہے تو یہ حق چھوڑ سکتا ہے۔

۶۔ صوبوں میں آئندہ کوئی ایسی سکیم عمل میں نہیں لائی جائے گی جس کے نتیجے میں صوبہ سرحد، صوبہ پنجاب اور صوبہ بنگال کی اکثریت متاثر ہو۔

۷۔ ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ہر عقیدے، عبادت، تعلیم وغیرہ کا اُس کو یقین دلایا جائے گا۔

۸۔ کوئی مسودہ قانون یا اُس کا کوئی حصہ آئین ساز اسمبلی میں پاس نہیں ہوگا جسے کسی قوم یا فرقہ کے نمائندوں کی تین چوتھائی تعداد اپنے قومی مفادات کے حق میں مضر قرار دے۔

۹۔ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک نئے صوبے کی حیثیت دی جائے۔

۱۰۔ صوبہ بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں بھی ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح تمام اصلاحات نافذ کی جائیں۔

۱۱۔ آئین میں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ مسلمانوں کو بھی دوسرے ہندوستانیوں کی طرح سرکاری ملازمتوں اور خود مختار اداروں کی ملازمتوں میں اُن کی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق حصہ دیا جائے۔

۱۲۔ اسلامی آئین میں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، زبان، تعلیم، مذہب اور اوقاف و شخصی قانون کو مکمل تحفظ حاصل ہو۔

۱۳۔ ملک میں کوئی صوبائی یا مرکزی وزارت نہ قائم کی جائے جس میں ۱/۳ تعداد مسلمان وزیروں کی نہ ہو۔

۱۴۔ ملک کے سارے صوبوں اور ریاستوں کی منظوری کے بغیر آئین میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد

۱۹۳۰ء وہ تاریخی سال ہے جب ملک کی تقسیم اور مسلمانوں کے لئے ایک آزاد وطن کے مطالبے نے قومی حیثیت اختیار کی۔ یہ سعادت برصغیر کے عظیم مسلمان مفکر اور قومی شاعر علامہ اقبال کے حصے میں آئی۔ علامہ مرحوم مسلمانانِ ہند کی نشاۃ ثانیہ کے نقیب تھے۔ آپ کو علوم اسلامی اور علوم جدید دونوں پر غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ آپ اسلامی قانون کے ماہر تھے۔ آپ نے تاریخ عالم اور تاریخ اسلام دونوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ مسلمانوں کے عروج و زوال اور امتِ رسولِ ہاشمی کی ترکیبِ مزاج سے بخوبی واقف تھے۔

وہ کونسا تخیل تھا جس کی بنیاد پر علامہ اقبال نے ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں کو ملا کر ایک اسٹیٹ بنانے کا مطالبہ کیا؟ راقم کے مطابق اس کا جواب اقبال کے خطبہ الہ آباد ہی سے مل جاتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

"میں صرف ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس سے ہندوستان کے اندر توازن قوت کی بدولت امن و امان قائم ہو جائے گا اور اسلام کو اس امر کا موقع

ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے"۔ (۱)

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی) مسئلہ تقسیم ہند پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"Muhammad Iqbal generally credited with initiating the idea of separation. As has been mentioned, there were people before him who advocated partition, but Iqbal was a first important public figure to propose the idea from the platform of the muslim league's annual session at Allahabad in1930." (۲)

عام طور پر علامہ محمد اقبال کو علیحدگی کے نظریہ کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ ان سے پہلے بھی لوگ تھے جو علیحدگی کے حامی تھے لیکن اقبال پہلے عوامی آدمی تھے جنہوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد ۱۹۳۰ء میں یہ نظریہ پیش کیا۔

کانگریسی وزارتوں کی سیاہ کاریاں

۱۹۳۷ء کے انتخابات میں کانگرس نے چھ صوبوں (بہار، اڑیسہ، سی۔ پی، بمبئی، مدراس اور صوبہ سرحد) وزارتیں قائم کیں۔ کانگریسی وزارتوں کی سیاہ کاریوں کے مظالم اتنے ہولناک تھے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر اور برصغیر کے دس کروڑ مسلمانوں کے عظیم قائد مسٹر محمد علی جناح کو ان کی تحقیق و تفتیش کیلئے ایک کمیشن مقرر کرنا پڑا۔

پیر پور رپورٹ

"۲۰ مارچ ۱۹۳۸ء کو راجہ سید مہدی آف پیر پور کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کیا گیا جس نے تقریباً آٹھ ماہ تک کانگرسی وزارتوں کے صوبوں کے تمام بڑے بڑے شہروں کا دورہ کر کے حالات کا جائزہ لیا اور لوگوں کے بیانات قلم بند کیے۔ پولیس کے روزنامچے دیکھے اور پھر ایک جامع رپورٹ ۱۵۔ نومبر ۱۹۳۸ء کو قائداعظم کی خدمت میں پیش کی۔ پیر پور رپورٹ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کانگرسی وزارتوں میں مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا گیا اور مسلم طلباء کو ہندو تعلیمات کے سانچے میں ڈالنے کی منظم اور مکروہ سازش کی گئی تھی۔ ہر اسکول میں بندے ماترم کا ترانہ لازمی قرار دیا گیا۔ مسلمان طلباء کو کانگریس جھنڈے کی سلامی پر مجبور کیا جاتا"۔ (۳)

وردھا اسکیم اور ودیا مندر تعلیمی اسکیم

کانگریسی وزارتوں میں مسلمانوں کے دین و مذہب کے ساتھ جو خطرناک مذاق کیا گیا وردھا اسکیم اس کا ایک اہم حصہ تھی یہ

۱۔ شاہ جہان پوری، پیام، تاریخ نظریہ پاکستان، مکتبہ اسلامیہ ریلوے روڈ جھنگ، س ن، ص ۲۸۹۔

2. Qureshi, Ishtiaque Hussain:- The struggle for Pakistan, Karachi 1974, P 117

۳۔ پیر پور رپورٹ شائع کردہ نواب زادہ لیاقت علی خان آنریری سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ، ص ۳۲، ۵۳

اسکیم کا مقصد مسلمانوں کی قومی مذہبی روایات کو مسخ کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔

پیر پور رپورٹ میں ودیا مندر تعلیمی اسکیم کو بھی ہدف تنقید بنایا گیا اس اسکیم کا مقصد ناخواندگی ختم کرنے کی آڑ میں مسلمان طلبہ کو بت پرست بنانے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

یو پی ہندو مسلم فسادات

''فروری ۱۹۳۹ء میں کانپور شدید ہندو مسلم فسادات کی لپیٹ میں آ گیا ۳۵۔ افراد ہلاک اور کئی سو زخمی ہوگئے۔ یہ فسادات کئی دن جاری رہے۔ ۹۔ جون ۱۹۳۹ء کو پھر کانپور ہندو مسلم فساد ہوئے۔ ہندوؤں نے رتھ یاترا کا جلوس نکالا جس میں مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز نعرے لگائے۔ مسلمانوں نے جوش میں آ کر اس پر خشت باری کی ۔دونوں گروہوں میں سخت فساد ہوا۔ پولیس نے گولی چلا دی۔ ستمبر ۱۹۳۹ میں الہ آباد میں ہندوؤں کا ایک جلوس باجوں کے ساتھ مسجد کے قریب سے گزرا ،نماز ہو رہی تھی اور جلوس میں شریک افراد باجے بجا رہے تھے۔ کچھ مسلمانوں نے انہیں روکا۔ اس پر ہندوؤں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ تین مسلمان شہید اور پندرہ زخمی ہوئے۔ بمبئی میں بھی ہندو مسلم فسادات کی آگ بھڑک اُٹھی۔ ہندوستان بھر میں کانگرس کے دو سالہ وزارتی دور کی زیادتیوں نے ثابت کر دیا کہ ہندو ایک متعصب قوم ہے''۔ (۱)

قرارداد لاہور ۱۹۴۰ء

پس منظر

۲۳۔ مارچ ۱۹۴۰ء کا دن تحریک پاکستان میں سب سے عظیم اور سنہرا دن تھا اس روز مسلم لیگ کے ایک نہایت مقتدر لیڈر مولوی ابوالقاسم فضل الحق نے ملک کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے مندوبین اور زندہ دلانِ لاہور کے سامنے وہ تاریخی قرارداد پیش کی جو بعد میں قرارداد لاہور یا پاکستان کے نام سے مشہور ہوئی۔

قرارداد لاہور ۱۹۴۰ء

قرارداد پاکستان کا متن حسب ذیل تھا۔

۱۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس پر زور اعادہ کرتا ہے کہ وہ وفاقی منصوبہ جس کا اظہار گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں کیا گیا ہے قطعاً غیر موزوں اور اس ملک کے خاص حالات کے پیش نظر ناقابل عمل اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے قطعاً ناقابل قبول ہے۔

۲۔ اس اجلاس کی حتمی رائے ہے۔ کہ ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو جو اعلان وائسرائے ہند نے حکومت کی جانب سے کیا تھا، وہ اس حد تک تو اطمینان بخش ہے کہ جو مسلک اور منصوبہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء پر مبنی ہے اس پر ہندوستان کی مختلف جماعتوں اور فرقوں کے

۱۔ ہفت روزہ حمایت اسلام لاہور ۱۶ فروری ۱۹۹۳ء، ۲۳ جون ۱۹۹۳ء، ۷ ستمبر ۱۹۹۳ء، ص ۳۳

آئینی منصوبے پر از سرِ نو غور نہ کیا جائے اور اُن کی رضامندی اور منظوری سے مرتب نہ کیا جائے۔

۳۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی یہ مسلمہ رائے ہے کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مثلاً ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی حصے اُن کی تشکیل ایسی آزاد ریاستوں کی صورت میں کی جائے جن کی مشمولہ وحدتیں خود مختار اور مقتدر ہوں اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اُن کے دیگر اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، معاشی، سیاسی اور دیگر حقوق و مفادات کا موثر تحفظ ان کے مشورے سے آئین میں صراحت کے ساتھ کیا جائے۔

مزید براں یہ اجلاس مجلس عاملہ کو اختیار دیتا ہے کہ وہ ان بنیادی اصولوں کے مطابق ایک ایسا آئینی کا منصوبہ مرتب کرے جس کی رو سے مذکورہ علاقوں کو کلی اختیارات حاصل ہوں۔ مثلاً دفاع، امور خارجہ، مواصلات اور محصولات وغیرہ۔

قرارداد پاکستان کی مزید تشریح مرکزی و صوبائی مجلس قانون ساز کے منتخب ارکان نے مسلم لیگ کنونشن کی ایک قرارداد میں متفقہ طور پر کی جو قائداعظم کی صدارت میں ۱۹۔ اپریل ۱۹۴۶ء کو دہلی میں منعقد ہوئی۔ اس قرارداد میں واضح کیا گیا کہ ہندوستان کے شمال مشرق میں بنگال اور آسام اور شمال مغرب میں پنجاب، صوبہ سرحد۔ سندھ اور بلوچستان یعنی پاکستان کے علاقے جہاں مسلمان غالب اکثریت کے حامل ہیں وہاں واحد آزاد مملکت تشکیل دی جائے نیز اس قرارداد میں حکومت ہند سے مطالبہ کیا گیا کہ پاکستان کا قیام بلا تاخیر عمل میں لایا جائے۔ قرارداد لاہور کو اگرچہ قرارداد پاکستان کا نام دیا جاتا ہے لیکن درحقیقت اس قرارداد میں لفظ پاکستان کا ذکر کہیں بھی نہیں آیا لفظ پاکستان دراصل ۱۹۔ اپریل ۱۹۴۶ء ہی کو دہلی قرارداد میں استعمال کیا گیا۔

مرکزی اسمبلی کے ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی

۱۹ ستمبر ۱۹۴۵ء کو ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ویول نے شہنشاہ برطانیہ کی منظوری سے اعلان کیا کہ آئندہ موسم سرما میں انتخابات کروائے جائیں گے۔ اس کے بعد ۴ دسمبر کو وزیر ہند مسٹر پیتھک لارنس نے بھی اعلان کیا کہ ہندوستان میں عام انتخابات کروائے جائیں گے اور پھر مجلس دستور ساز قائم کی جائے گی۔ وائسرائے ہند اور وزیر ہند کے اعلانات میں ہندوستان کو آزادی دینے کی خوشخبری تو سنائی گئی تھی مگر اس میں برصغیر کے دس کروڑ مسلمانوں کو متفقہ مطالبے یعنی پاکستان کو کوئی ذکر نہ تھا۔ قائداعظم نے فوراً ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے کہا کہ

> "Until the demand of Pakistan is accepted, no reconciliation is possibie. This is the biggest peoblem and the solution of the Indian constitutional complexities is hidden in it. That is why I, with all seriouness, demanded the British Empror that he declared the emergance of Pakistan in India.The Muslims would never eccepet any constitution which surrender them to the centre"(1)

1. Sonnet, Rimmy. The Speaches & Writings of Mr. Jinnah. Section-II. The Pakistan Experience Zed Books Ltd. London, 1985. Page# 355

ہندوستان کی دستوری پیچیدگیوں کا حل مضمر ہے۔اس لیے شہنشاہ برطانیہ کی حکومت سے پوری سنجیدگی سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ اعلان کرے کہ ہندوستان میں پاکستان کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔مسلمان ہرگز کوئی ایسا دستور قبول نہیں کریں گے جو انہیں ایک مرکز کے تابع کر دے۔

دسمبر ۱۹۴۵ء میں مرکزی اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔یہ انتخابات مسلم لیگ نے نظریہ پاکستان کی بنیاد پر لڑے۔چنانچہ جب مرکزی اسمبلی کے انتخابات ہوئے اور مسلم لیگ نے اپنے نمائندے کھڑے کیے تو انہیں ان انتخابات میں سو فیصد کامیابی ہوئی اور بعض مخالف امیدواروں کی ضمانتیں بھی ضبط ہوگئیں۔مسلم لیگ نے ۳۰ امیدواروں کو ٹکٹ دیئے اور ۳۰ کے ۳۰ کامیاب ہوگئے۔مرکزی اسمبلی میں پارٹی پوزیشن یہ تھی کہ مسلم لیگ ۳۰، کانگرس ۵۷، آزاد امیدوار ۵، اکالی ۲ اور یورپین ۸۔ان انتخابات نے ثابت کر دیا کہ برصغیر میں دو ہی جماعتیں سب سے بڑی اور نمائندہ جماعتیں ہیں۔ایک کانگرس جو ہندوؤں کی نمائندگی کرتی ہے اور دوسری مسلم لیگ جو مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔یہ کامیابی معمولی نہ تھی اس لئے قائداعظم نے اعلان کیا کہ اس عظیم الشان کامیابی پر سارے برصغیر کے مسلمان یوم فتح منائیں اور مساجد میں جمع ہو کر نمازِ شکرانہ ادا کریں چنانچہ ۱۱۔جنوری ۱۹۴۶ء کو ہندوستان کے مسلمانوں نے یومِ فتح منایا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے لئے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے بڑے بڑے ہندو مسلم سیاست دانوں کے شیش محل کو آنِ واحد میں توڑ کر رکھ دیا۔اس سے ان کی باکمال سیاسی بصیرت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ابتداء میں قائداعظم ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے بھرپور کوشش کرتے رہے۔جب انہوں نے ہنود کے ہندی مزاج اور مسلمانانِ ہند کے سیدھے مزاج کو سمجھا تو اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کی۔اسلامی فکر کا وہ دھارا جو علامہ اقبال اور دو قومی نظریہ کے حامی علمائے کرام کی مومنانہ فراست سے پھوٹا تھا قائداعظم کے فکر و شعور میں سرایت کر گیا وہ اسلام اور مسلمان قوم کے علمبردار بن کر ابھرے۔

برصغیر کی سیاست میں علماء کے حصہ لینے کی روایت کافی قدیم ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے لے کر اُن علماء تک جنہوں نے کثیر تعداد میں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ ایک مستقل اور راسخ فکر کارفرما رہی ہے۔ اس دور میں علماء کی سیاسی جدوجہد اس مقصد کیلئے مخصوص رہی کہ ہر قسم کے شرک اور غیر اللہ کی غلامی سے مسلمانوں کو نجات دلائی جائے اور مسلمانوں کو مکمل طور پر فکر وعمل کی آزادی ہو۔ اگرچہ کچھ علماء نے مسلمانوں کے مطالبات وخواہشات کے برعکس مسلم قومیت کے متضاد کام کیا لیکن ایسے علماء کی بھی کافی تعداد تحریک پاکستان میں نظر آتی ہے جنہوں نے قائداعظم کے ساتھ مل کر مسلم قومیت کو جلا بخشی اور اُن کے جداگانہ قومی تشخص کو پروان چڑھانے میں قائداعظم کی بھرپور مدد کی۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع اور مولانا ظفر احمد عثمانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)

علماء کا وہ گروہ جو تحریک پاکستان میں شامل ہو کر نظریہ پاکستان کی حمایت اور مسلم لیگ کے ساتھ اشتراکِ عمل کر رہا تھا اس کی رہنمائی اور سرکردگی مولانا اشرف علی تھانوی کر رہے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی علمائے دیوبند میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ سیاسی نقطہ نظر سے وہ ہمیشہ دوقومی نظریہ کی ترویج کرتے رہے۔ وہ کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت کو اُن کی دینی موت کے مترادف سمجھتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ہندو اور مسلم کبھی بھی متحد نہیں ہو سکتے اس لیے انہوں نے تحریک خلافت میں اور تحریک عدم تعاون میں مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کی شرکت کی مخالفت کی تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان ہندو قائدین کے پیچھے چلیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ہندو کبھی بھی مسلمانوں سے مخلص نہیں ہو سکتے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اپنی چشم فراست سے صاف دیکھ رہے ہیں کہ خاک وخون کا یہ ڈرامہ اتفاقی حادثات کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک سوچی سمجھی سکیم کا نتیجہ ہے جس کا مقصد ہندوستان سے مسلمانوں کو نیست ونابود کرنا ہے اور اسے خالص ہندو ریاست بنانا ہے۔ جس کی تائید کلام پاک کی آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۱

''کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر قابو پائیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں''

اس لئے انہوں نے مذکورہ بالا حالات کا جائزہ لینے کے بعد اسلامیانِ ہند کا مفاد اسی میں دیکھا کہ وہ ازلی دشمنوں سے ہمیشہ کیلئے الگ ہو جائیں اور ایک خطہ میں اسلامی حکومت قائم کر کے اطمینان کی زندگی بسر کریں۔

چنانچہ جون ۱۹۲۸ء کو جب کانگریسی لیڈر مولانا حسین احمد مدنی اور تحریک خلافت کے لیڈر مولانا عبد الماجد دریا آبادی حضرت تھانوی کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہوئے تو حضرت تھانوی نے انہیں کھلے لفظوں میں فرمایا کہ:۔

''دل تو چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر اسلامی حکومت ہو، سارے قوانین وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے مطابق ہو۔

۱۔ البقرہ: سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر ۲۱۷

کرنے سے یہ نتائج کہاں حاصل ہو سکتے ہیں اس مقصد کیلئے تو صرف مسلمانوں کی جماعت ہونی چاہیے اور اسی کو یہ کوشش کرنی چاہیے۔'' (۱)

مولانا اشرف علی تھانوی نے نہ صرف قیام پاکستان کی بھرپور تائید کی بلکہ وہ اسے مسلمانوں کی حیات ملی کیلئے ضروری سمجھتے ہیں۔انہوں نے ۱۹۳۸ء میں ہی قیام پاکستان کی پیشگوئی کردی تھی۔ان کی اس بشارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ قیام پاکستان ان کے احساسات سے کس قدر قریب تھا۔اگرچہ قیام پاکستان کے وقت وہ خود موجود نہ رہے۔لیکن اُن کے زیر تربیت علماء نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہر طریقے سے مسلم لیگ اور قائداعظم کی مدد کی۔

''مولانا اشرف علی تھانوی تو شروع ہی سے مسلم لیگ اور قائداعظم کے حامی تھے۔قائداعظم بھی ان سے بے حد متاثر تھے۔دسمبر ۱۹۳۸ء میں انہوں نے مولانا شبیر احمد عثمانی،مولانا ظفر احمد عثمانی،مولانا عبدالجبار،مولانا عبدالغنی اور مولانا معظم حسین پر مشتمل ایک وفد قائداعظم کی خدمت میں ارسال کیا تھا جس کے ساتھ گفت وشنید کے بعد قائداعظم کے خیالات میں مناسب تبدیلیاں آئی تھیں۔مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز مولانا ظفر احمد عثمانی نے پاکستان کے تصور کی مذہبی نقطہ نظر سے وضاحت بھی کی۔ان کا بیان ۲۶۔اکتوبر ۱۹۴۵ء کے اخبارات میں شائع ہوا۔انہوں نے فرمایا کہ مطالبہ پاکستان کے سلسلہ میں تمام ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنالینا بحالات موجودہ کسی طرح ممکن نہیں تو کم از کم اِن صوبوں کو جہاں مسلم اکثریت ہے اسلامی سلطنت بنالینا کہ وہاں اسلامی سلطنت اسلامی اصولوں پر قائم کی جاسکے لازم اور ضروری ہے''۔ (۲)

مولانا تھانوی کا تاریخی بیان

مولانا تھانوی کا یہ تاریخی بیان پٹنہ اجلاس میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے پڑھ کر سنایا۔

''احقر باوجود اپنی ہر نوع کی نااہلیت کے محض محبت وخیر خواہی سے سب مسلمانوں کی خدمت میں عموماً اور حضرات اہل لیگ کی خدمت میں خصوصاً عرض کرتا ہے کہ اس وقت بوجہ خاص انقلاب کے جس چیز کی مسلمانوں کو سخت ضرورت ہے وہ اجتماع اور تنظیم ہے۔اللہ تعالیٰ سے حضرات اہل لیگ کے لئے دُعا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کا احساس کر کے اس کا انتظام دل وجان سے شروع کیا اور میں نے اس سے قبل بھی اس کے استحسان واہمیت ظاہر کرنے کے لیے تنظیم المسلمین کے نام ایک مضمون شائع کیا ہے اور اس پر جہاں تک معلوم ہوا بفضلہ تعالیٰ ثمرہ مطلوبہ بھی کافی درجہ میں مرتب ہوا لیکن جس پیمانہ پر جی چاہتا ہے ابھی اس کا انتظار ہے۔مسلمانانِ ہند اس وقت جس دور سے گزر رہے ہیں اور جن مشکلات کا ان کو سامنا ہے باخبر طبقہ اس سے بخوبی واقف ہے اور خدا کا شکر ہے کہ عام مسلمانوں کے احساسات اس وقت بیدا ہو چکے ہیں ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنی فہم وفراست سے

۱۔منشی عبدالرحمٰن خان،تعمیر پاکستان اور علماء ربانی،ادارہ اسلامیات،۱۹۰۔انارکلی لاہور،جولائی ۱۹۹۲ء۔ص ۳۵،۳۶

۲۔درانی عطش،پاکستان ایک نظریہ،ایک تحریک،مکتبہ عالیہ ۱۷۔اردو بازار لاہور،۱۹۸۷ء۔ص ۶۶

ہے ہیں جو اس کی دلیل ہے کہ ان کا پہلا قدم صحیح راستہ پر پڑا ہے غلط راستہ پر نہیں چلا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کا پہلا قدم اتفاقاً صحیح راستے پر پڑ گیا یا آپ نے قرآن کریم اور سنت نبویہ کی روشنی میں اس کو اختیار کیا بہر حال جو صورت بھی ہو اس کے لیے آپ مستحق صد مبارک باد ہیں"۔ (۱)

"۱۹۳۷ء کے صوبائی انتخابات کے بعد جب کانگریس نے چھ صوبوں (بہار، اڑیسہ، سی۔ پی، بمبئی، مدراس اور صوبہ سرحد) میں وزارتیں قائم کیں تو مسلم لیگ اور کانگریس میں بڑے پیمانہ پر سیاسی جنگ شروع ہوئی جمعیت علماء ہند کے کچھ زعماء کانگریس کی پالیسیوں کے حامی تھے کچھ حضرات کانگریس کی پالیسیوں سے متفق نہ تھے مگر ان کی آواز دبی ہوئی تھی ایسے نازک موقع پر مسلم لیگ کو عوام میں اپنی آواز اور اثر قائم کرنے کیلئے مقتدر اور معروف علماء کی تائید وحمایت کی ضرورت تھی اور اس مہم کو سر انجام دینے کے لیے انہیں مولانا اشرف علی تھانوی جیسے مصلح کی تائید وحمایت حاصل تھی۔ موصوف نے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کو مسلم عوام میں مقبول کرنے میں تاریخی کردار ادا کیا اور عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔" (۲)

مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۴۹ھ/۱۹۴۹ء)

تحریک خلافت کی ابتداء میں جب علماء کی ایک جماعت جمعیت علماء ہند قائم ہوئی تو مولانا شبیر احمد عثمانی بھی اس کے رکن منتخب ہوئے اور اس کے کاموں میں شرکت کی لیکن صرف اس وقت تک جب تک یہ جمعیت کانگریس اور اس کے نظریات کی شدید مخالف تھی۔ انہیں یہ بات پسند نہ تھی کہ جمعیت کانگریس کے نظریات کی تائید کرے اسی بنا پر انہوں نے جمعیت سے علیحدگی اختیار کر لی۔

مولانا شبیر احمد عثمانی اُن علماء میں سے تھے جنہوں نے برصغیر کے مخصوص حالات کے پیش نظر عملی سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور ایسے علماء کو متحد کرنے کی کوشش کی جو دو قومی نظریے کے حامی تھے۔ چنانچہ حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے ملک کے مقتدر علماء کرام علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا طاہر قاسمی، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا ابو برکات عبدالرؤف دانا پوری اور مولانا غلام مرشد خطیب جامع مسجد عالمگیری وغیرہ نے نومبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں ایک عظیم الشان علماء کانفرنس منعقد کی اور ایک جمعیت "جمعیت علمائے اسلام" کے نام سے تشکیل کی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کو اس کا صدر منتخب کیا گیا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے جمعیت علمائے اسلام کی مدد سے تحریک پاکستان کی حمایت شروع کی اور پاکستان کے مخالفوں کے اعتراضات کے مدلل جواب دیئے۔ مولانا عثمانی نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے نظریہ پاکستان کی مفصل وضاحت کی اور اس کے حصول اور آنے والے انتخابات کی اہمیت بتائی کہ وہ مسلمانوں کے مستقبل کیلئے کس قدر فیصلہ کن اور اہم ہیں، قائداعظم مولانا شبیر احمد عثمانی سے بہت متاثر تھے اور وہ اُن کے اثرات کو بھی جانتے تھے اس لیئے صوبہ سرحد میں رائے شماری میں پاکستان کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کیلئے قائداعظم نے انہیں صوبہ سرحد کا دورہ کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ اس وقت سے لے کر قرارداد مقاصد کی منظوری تک مولانا

۱۔ احمد سعید، پروفیسر۔ مولانا اشرف علی تھانوی اور تحریک آزادی، مجلس صیانۃ المسلمین، لاہور، ۱۹۸۴ء۔ ص ۲۶

۲۔ ایچ بی خان، ڈاکٹر، تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی اور علمی کردار، الحمد اکادمی ناظم آباد کراچی، ۱۹۹۵ء۔ ص ۳۲-۳۳

مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبند کے دیگر علماء کے برعکس وہ بزرگ ہیں جنہوں نے مسلم لیگ کے نصب العین قیام پاکستان کو دل وجان سے مانا اور قائداعظم کو ہندوستان کا سیاسی رہنما تسلیم کیا جب انہوں نے اس امر کا اعلان کیا تو بعض کانگریس نواز علماء نے نکتہ چینی کی۔ مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی نے ایک خط میں اپنے دل کی کیفیت یوں بیان کی۔

''گویا کہ ہندوستان کے قرآن کے مفسر نے انگریزی دان طبقے کے سامنے اقرار کرلیا کہ مولوی سیاست نہیں جانتا اور یہ بھی اقرار کرلیا کہ وقت سیاست کو قرآن کا سب سے بڑا مفسر نہ چلاسکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے یہ علماء کے قتل کا فتویٰ نہیں تو اور کیا ہے؟'' مولانا نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا ''ہم نے ابتداء سے اُن کو قائد نہیں کہا وہ اپنی ذہنی قابلیت یا دوسرے تکوینی اسباب کی بنا پر مسلم اکثریت کے قائد بن گئے۔ اب اُن کا مقابلہ کر کے جماعت مسلمین میں تفرقہ ڈالنا کیسے درست ہوسکتا ہے''۔ (۱)

۳۰ جون ۱۹۴۷ء کو پشاور مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس کی صدارت کے فرائض خان فدا محمد خان صدر سرحد مسلم لیگ نے سرانجام دیئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی صدر جمعیت العلماء اسلام نے عوام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

''مسلمان قوم اُس وقت تک زندہ و پائندہ قائم رہے گی جب تک یہ نظام دنیا برقرار رہے گا۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مسلمانوں کو بہار اور گڑھ مکتیسر کے واقعات سے ختم کیا جاسکتا ہے تو وہ بے وقوف اور احمق ہے مسلم قوم اس سے بھی زیادہ طوفان انگیز انقلابوں سے گزر چکی ہے اور اس قسم کی بیسوں خون آشام جنگوں سے کامران و سرخرو ہو کر نکل چکی ہے۔ اس قوم کو جس قدر کچلا گیا اتنی ہی طاقت ور یہ قوم ہوتی گئی۔ آپ نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ وہ وقت آئے گا جب اسلام چاردانگِ عالم میں پھیل جائے گا اور تمام ذی روح حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے آپ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی صفوں کو مضبوط بنائیں اور خود کو اتفاق واتحاد کی لڑی میں منسلک کریں خان عبدالغفار خان اور ان کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ اگر خان عبدالغفار خان اپنے عقیدے کے مطابق مخلص ہیں اور صوبہ سرحد میں اسلامی شریعت کے مطابق جمہوری حکومت کے قیام کے متمنی ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہوجائیں کیونکہ اس طرح وہ پاکستان کو زیادہ مضبوط اور طاقتور بنا سکتے ہیں''۔ (۲)

علامہ عثمانی اور سرحد کا ریفرنڈم

''کانگریس نے مطالبہ کیا کہ صوبہ سرحد میں چونکہ کانگریس کی وزارت ہے اور وہاں کے لوگ کانگریس میں شرکت کو پسند کرتے ہیں لہٰذا ان سے اس معاملہ میں استصواب کرلیا جائے کہ آیا وہ ہندوستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا

۱۔ درانی عطش، پاکستان ایک نظریہ ایک تحریک ایضاً، مکتبہ عالیہ ۱۷۔ اردو بازار لاہور۔ ص ۶۵۔

۲۔ حبیب احمد چوہدری، تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ناشر محمد حنیف رامے، البیان چوک انارکلی لاہور۔ فروری ۱۹۶۶ء۔ ص ۳۲۔۳۳

آپ نے سخت گرمی میں صوبہ سرحد کا دورہ کیا اور وہاں کے بڑے بڑے شہروں میں تقریریں کر کے عوام کو وقت کی نزاکت کا احساس دلایا چنانچہ ریفرنڈم ہوا اور صوبہ سرحد کی اکثریت نے پاکستان میں اپنی شمولیت کا ووٹ دیا اور سرحد کی فتح کا یہ سہرا علامہ عثمانی کے سر باندھا''۔ (۱)

مولانا ظفر احمد عثمانی (م ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء)

مولانا ظفر احمد عثمانی مولانا اشرف علی تھانوی کے حلقہ فیض سے وابستہ تھے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی مسلم لیگ اور قائد اعظم کی خواہش پر دوسرے علماء کے ساتھ مل کر رائے شماری میں مسلم لیگ کے موقف کی کامیابی کیلئے سرگرم عمل رہے۔ اس سلسلہ میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے تقریباً چار ماہ تک مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور پاکستان کیلئے رائے عامہ کو مزید ہموار کرنے کی کوشش کی اس مقصد کیلئے ایک موقع پر انہوں نے مسلم لیگ کی حمایت اور کانگریس اور اس کے معاونین کے خلاف ایک فتویٰ بھی جاری کیا۔ رائے شماری میں پاکستان کے موقف کی کامیابی کیلئے انہوں نے سلہٹ کے علاقے کو اپنی تبلیغی جدوجہد کیلئے منتخب کیا۔ جہاں پر کانگریس نواز علماء کا بڑا اثر تھا یہ ایک دشوار گزار مرحلہ تھا لیکن مولانا ظفر احمد عثمانی کی مستقل جانفشانی اور تبلیغی کوششوں کے طفیل پاکستان کے موقف کو کامیابی حاصل ہوئی اور یہ اسی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ سلہٹ کا علاقہ پاکستان میں شامل کر لیا گیا۔

''پشاور میں ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانی نے فرمایا کہ شریعت کی رو سے مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی قومی جماعت مسلم لیگ کا ساتھ دے تا کہ اپنے قومی نصب العین پاکستان کے حصول کرنے میں آسانی ہو، ہندوستان کی پیچیدہ صورت حال کا حل صرف اور صرف پاکستان ہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے فرمایا کہ مسلم لیگ اگر بحیثیت جماعت پیچھے بھی رہ جائے تو اب ہندوستان کے ہزاروں علماء جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع ہو چکے ہیں پاکستان کے حصول میں اگر ہماری جانیں بھی کام آ جائیں تو ہم اس سے دریغ نہیں کریں گے''۔ (۲)

تحریک پاکستان اور مفتی اعظم محمد شفیع

جب مسلمانان برصغیر کیلئے ایک آزاد اور خودمختار وطن پاکستان کا مطالبہ کیا گیا تو اس موقع پر اکابر علماء دیوبند دو مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے ایک گروہ کانگریس کا ہم آواز ہو کر متحدہ قومیت کا حامی اور تقسیم ہند کے خلاف تھا جبکہ دوسرا گروہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع پر مشتمل تھا۔

دار العلوم دیوبند سے استعفیٰ

مفتی محمد شفیعؒ کے لئے دار العلوم دیوبند میں رہتے ہوئے اختلاف کا مسلسل اظہار مناسب نہ تھا، اس لئے حضرت حکیم الامت تھانوی کے مشورہ سے علیحدگی کا فیصلہ فرما لیا آپ نے ایک مستقل رسالہ ''کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ'' تحریر فرمایا اس

۱۔ ارشد، عبدالرشید، ڈاکٹر، بیس بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ ۳۲۔اے۔ شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔ س ن۔ ص ۵۵۴۔

۲۔ بخاری، محمد اکبر شاہ، سید، ۴۰ بڑے مسلمان، جلد اول، ناشر ادارۃ القرآن، کراچی، ۲۰۰۱ء ص ۶۹۰

شواہد پیش کئے اور عقل واصابت کے ہر پہلو سے ثابت کیا کہ موجودہ حالات میں کانگریس کی حمایت سے درحقیقت کفر کی حمایت ہو گی یہ رسالہ اس وقت بڑی تعداد میں شائع ہوا۔

بروقت فتویٰ

۲۷۔نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات تحریک پاکستان کیلئے بڑی اہمیت رکھتے تھے۔سہارنپور اور مظفر نگر کے حلقے سے قائد ملت لیاقت علی خان (مرحوم) کھڑے تھے جو بعد میں پاکستان کے وزیراعظم بنے۔یہاں مسلم لیگ کو کامیابی بڑی مشکل نظر آرہی تھی مگر حضرت مفتی صاحب کے ایک فتویٰ نے فضا یکسر بدل دی۔یہ فتویٰ پوسٹروں کی شکل میں شائع ہوا اور حلقہ انتخابات میں چسپاں کیا گیا جس کا عنوان یہ تھا کہ کانگرس کی حمایت کفر کی حمایت ہے۔

سلہٹ اور صوبہ سرحد کا ریفرنڈم

> حضرت مفتی صاحب نے سلہٹ اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں مسلمانوں کی کامیابی کیلئے طوفانی دورے کئے۔
> ”کانگریس نے مختصر نشان کے پردے میں سرحد کے غیور مسلمانوں کو غلام بنانے اور پاکستان کو لولا لنگڑا کرنے کیلئے خطرناک چال چلی لیکن حضرت مفتی صاحب کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے کانگریس کی تمام چالیں ناکام ہوگئیں اور جب ریفرنڈم ہوا تو سرحد کے غیور مسلمانوں نے اپنا فیصلہ پاکستان کے حق میں دے دیا۔سیاسی مبصرین کی قطعی رائے ہے کہ اگر اس نازک وقت میں علامہ عثمانی اور مفتی محمد شفیع سرحد کا دورہ نہ کرتے تو ریفرنڈم میں پاکستان کی کامیابی ممکن نہ تھی“۔(۱)

مولانا مودودی،سلہٹ اور سرحد کا ریفرنڈم:

جب صوبہ سرحد اور سلہٹ میں ریفرنڈم ہو رہے تھے تو اس موقع پر مولانا مودودی نے وہاں کے عوام کو پاکستان کے حق میں ووٹ دینے کا مشورہ دیا تھا۔مسلم لیگ نے مولانا مودودی کی تحریروں سے کافی فائدہ اٹھایا اور اُن کی کئی تحریروں کو اپنے [illegible] کانگریس اور انگریزی اقتدار کے خلاف استعمال کیا۔خصوصاً اسلامی تصور قومیت پر اُس کے مضامین مسلم لیگ کے حلقوں میں بڑے بڑے پیمانے پر استعمال ہوتے رہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب یو پی مسلم لیگ نے اسلامی نظام مملکت کا خاکہ تیار کرنے کیلئے علماء کی ایک مجلس بنائی تو مولانا نے اس کی رکنیت قبول کی اور کام میں بڑی دلچسپی لی۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی (۱۸۵۶ءتا۱۹۲۱ء)

حضرت احمد رضا خاں بریلی میں پیدا ہوئے۔آپ کا خاندان علم وتقویٰ میں ممتاز تھا حضرت احمد رضا خاں بریلوی نے مسلمانوں کو صحیح عقائد پر پختہ کیا۔اپنوں اور غیروں کی طرف سے مسلمانوں کے عقائد کو خراب کرنے کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔

تقسیم ہند سے پہلے برصغیر میں مولانا احمد رضا خاں نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ مسلمانوں کے لئے جداگانہ قومیت کا تصور پیش کیا و

ا۔بخاری محمد اکبر شاہ،تحریک پاکستان،علماء دیو بند،ایچ ایم سعید کمپنی،ادب منزل پاکستان چوک،کراچی،ص ۳۱۲،۳۲۳

''گاندھی کی آندھی نے جو خاک اڑائی تھی اس میں بڑے بڑوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بینائی زائل ہوگئی۔ مگر علامہ اقبال اور قائداعظم کے علاوہ تیسری بڑی شخصیت جو اس شوروغوغا اور ہلڑ بازی سے متاثر نہ ہوں وہ حضرت احمد رضا خاں بریلوی تھے آپ نے اس بات پر زور دیا کہ ہمیں اپنی دونوں آنکھیں کھلی رکھنی چاہیے۔ کانگریسی مسلمانوں نے صرف اپنی ایک آنکھ کھلی رکھی، انگریز اور ہندو دونوں ہمارے دشمن ہیں''۔ (۱)

ہندو مسلم اتحاد کے مؤید اور ہمارے محترم بزرگ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی جب فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تحریک میں شمولیت کی دعوت دی۔ فاضل بریلوی نے صاف صاف فرمادیا، مولانا میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف ہوں۔ اس جواب سے علی برادران کچھ ناراض سے ہوگئے تو فاضل بریلوی نے تالیف قلب کے لئے مکرر فرمایا: مولانا میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں۔

آپ کے فتاویٰ کی اشاعت کے بعد مولانا عبدالباری فرنگی محل، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور دوسرے اکابرین نے اپنے سیاسی طرز عمل کا جائزہ لیا اور ان تحریکوں سے علیحدگی اختیار کرلی۔ رفتہ رفتہ یہ جذباتی تحریکیں بھی ختم ہوگئیں اور مسلمانوں میں جداگانہ قومیت کا احساس ابھرنے لگا۔

"مولانا احمد رضا خاں صاحب اور ان کے زیر اثر علماء کی کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ برصغیر کی تقسیم اور مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کا تصور سامنے آیا جو بعد میں ایک ہمہ گیر تحریک کی صورت اختیار کرگیا۔ اس تحریک میں آل انڈیا سنی کانفرنس (مئوسسہ ۱۹۲۵ء) کے جھنڈے تلے اہل سنت وجماعت کے علماء وصوفیاء مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے آگے بڑھے اور پھر حصول پاکستان کی تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا" (۲)

مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۸ء)

مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کی ولادت یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو مرادآباد (یوپی بھارت) میں ہوئی۔ آپ مولانا احمد رضا بریلوی کے رازدار اور رمز شناس تھے۔ آپ نے ان کے مشن کو بڑی کامیابی کے ساتھ آگے بڑھایا اور مسلمانان ہند کی سیاسی اور مذہبی امور میں رہنمائی فرمائی۔

۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس لندن میں جب علامہ اقبال نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تو آپ نے اس کی پرزور تائید کی اور اس تجویز کے مخالف ہندو اخبارات ورسائل کا خوب تعاقب فرمایا اور موقف کی حمایت میں نہایت دل نشین دلائل پیش کیے۔ ۱۹۴۰ء میں جب لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو اس موقع پر آپ کے شاگرد رشید مولانا ابوالحسنات محمد احمد موجود تھے جو جلسہ کے سرگرم کارکن تھے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ ہی کی کوششوں سے بنارس (بھارت) میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے چار روزہ تاریخی اجلاس ہوئے۔ (۲۷۔ اپریل تا ۳۰ اپریل) اس کانفرنس میں پاک وہند کے دو ہزار علماء ومشائخ اور ۶۰ ہزار حاضرین شریک تھے۔ قرارداد پاکستان کے

۱۔ عبدالرشید، میاں، پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور۔ ص ۱۱۹، ۲۲۰

۲۔ انور علی، سید، ایڈووکیٹ۔ تقدیم تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، مطبوعہ، ضیاء القران پبلی کیشنز لاہور، ص ۳۴

"آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن حکیم اور حدیث نبوی کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو"۔ (۱)

پاکستان معرض وجود میں آنے کے بعد مولانا نعیم الدین مراد آبادی لاہور اور پھر کراچی تشریف لائے۔ دستوری خاکہ بنانے کے لئے آپ سے عرض کیا گیا لیکن اچانک طبیعت ناساز ہوگئی اور واپس ہندوستان تشریف لے گئے۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو مراد آباد میں وصال پا گئے۔

سید احمد سعید کاظمی (م ۱۹۸۶ء)

آپ ۱۹۱۳ء میں مراد آباد کے مضافاتی شہر امروہہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی سید مختار کاظمی تھا۔ حضرت نے ابتدا سے انتہا تک تمام تعلیم اپنے برادر معظم سے حاصل کی۔ سولہ سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کی۔

''حضرت علامہ کاظمی شاہ صاحب نے برصغیر کی تقسیم اور مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کے قیام کے لیے بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ مسلم لیگ کے سٹیج سے قیام پاکستان کے لیے جلسے کرتے رہے۔ ۱۹۴۶ء میں قرارداد پاکستان کی توثیق کے لیے سُنّی کانفرنس بنارس میں شرکت کی۔ جس زمانہ میں کانگریسی اور مجلس احرار اسلام سے وابستہ علماء سر دھڑ کی بازی لگا کر پاکستان کی مخالفت کررہے تھے اس وقت حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی، حضرت علامہ کاظمی صاحب مدظلہ، پیر جماعت علی شاہ، مولانا ابوالحسنات، مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا عبدالغفور ہزاروی رحمہم اللہ کی رفاقت میں الگ قومیت میں آزاد پاکستان کے لیے سعی مسلسل اور جہد پیہم کررہے تھے'' ۔ (۲)

مولانا عبدالحامد بدایونی (م ۱۹۷۰ء)

تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما مولانا عبدالحامد بدایونی بن مولانا حکیم عبدالقیوم شاہ ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ عیسوی میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے آبائی مدرسہ قادریہ میں حاصل کی۔ آخری دو سال فن قرأت کی تحصیل کیلئے مدرسہ الٰہیہ کانپور میں رہے تحصیل علم کے بعد مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں نائب مہتمم مقرر ہوئے اور تین سال تک مدرسہ کی انتظام و انصرام اور ترقی کے لئے کوشاں رہے۔ تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما عالم باعمل مولانا عبدالحامد بدایونی ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ کو جناح ہسپتال کراچی میں وفات پا گئے ۔

ضیاء الحسن موسوی کہتے ہیں:

''میں نے عبدالحامد بدایونی کو پہلی مرتبہ ۱۹۳۸ء میں قریب سے دیکھا میں ایک نوعمر طالب علم تھا اور سہارن پور میں خواجہ مختار احمد انصاری مرحوم نائب صدر مسلم لیگ کے ہاں مقیم تھا اس وقت سہارن پور قوم پرست علمائے دیوبند کے

۱۔ مصباح الحسن، خطبہ صدارت جمہوریت اسلامی، مطبوعہ مراد آباد ۱۹۴۶ء، ص ۲۹

۲۔ سعیدی، غلام رسول، مولانا، مقالات سعیدی، ناشر فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور۔ ص ۵۸۱۔

دعوت پر راجہ صاحب محمود آباد اور مولانا بدایونی وہاں پہنچے تھے اور مسلم لیگ کے کارکنوں نے دونوں قائدین کا پرجوش استقبال کر کے ان کو ایک جلوس کی شکل میں اسٹیشن سے جلسہ گاہ تک پہنچایا اور پہلی مرتبہ اپنی مقبولیت کا مظاہرہ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ کانگرس کے حامی مسلمانوں کے گڑھ میں یہ جرأت مندانہ اقدام ایک عظیم کامیابی سمجھی گئی اور پہلی مرتبہ سہارن پور میں مسلمانوں کے قدم جمتے نظر آئے۔ مولانا بدایونی اور راجہ صاحب محمود آباد کی تقریروں کا چرچا ہفتوں رہا اس کے بعد لکھنو، دہلی اور حیدر آباد وغیرہ میں مولانا بدایونی کو مسلسل کام کرتے دیکھا گیا۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم، نظام حیدر آباد، سر سالار جنگ، کمال یار جنگ ایسے ہی دوسرے عمائدین کے ساتھ سیاسی جلسوں میں ان کی تقریریں سنیں"۔ (۱)

علامہ شاہ احمد نورانی (م ۲۰۰۳ء)

آپ کا اسم گرامی شاہ احمد تھا آپ اپریل ۱۹۲۶ء میں یوپی کے ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی اعلیٰ حضرت رضا خاں کے خلیفہ اور چودھویں صدی ہجری کے مبلغ اسلام تھے۔ علامہ شاہ احمد نورانی نے میرٹھ عریبک کالج سے گریجوایشن کی۔ الہٰ آباد یونیورسٹی سے فاضل عربی کیا۔ دار العلوم اسلامیہ عربیہ میرٹھ سے درس نظامی (فاضل) کی تکمیل حاصل کی۔

"۱۹۴۶ء میں قیام پاکستان کے وقت آپ نے مسلم نوجوانوں کی نیشنل گارڈ کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی اور نوجوانوں کی تحریک پاکستان کے لیے منظم کیا۔ قیام پاکستان کے بعد وقت کے طالع آزماؤں اور اقتدار کے دیوانوں نے تحریک کو مسخ کرنے اور کلمہ طیبہ کے نام پر حاصل کی گئی اس مملکت خداداد سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پاک کو نکالنے کی ناپاک کوشش کی" (۲)

مولانا مفتی محمد اعجاز ولی خاں (۱۹۱۴ء تا ۱۹۷۳ء)

مولانا مفتی محمد اعجاز ولی خاں ابن مولانا سردار ولی خاں ۱۹۱۴ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے قرآن پاک شروع کیا اور حافظ عبدالکریم قادری سے مکمل پڑھا، درسی کتب برادرِ معظم مولانا تقدس علی خاں سے پڑھیں اور مولانا حامد رضا بریلوی سے سند حدیث حاصل کی۔

"مفتی اعجاز ولی خاں ۱۹۳۷ء ہی سے تحریک مسلم لیگ کی حمایت و اعانت کرتے رہے۔ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو آپ نے اس کی حمایت میں دارالافتاء رضویہ بریلوی سے فتویٰ جاری کیا۔ ۱۹۴۵ء اور ۱۹۴۶ء میں مشرقی پنجاب کا دورہ کر کے قیام پاکستان کے لئے فضا ہموار کی"۔ (۳)

۱۔ افق ہفت روزہ، کراچی، جلد نمبر ۱۴، شمارہ نمبر ۳۰۔ ۲۳ جولائی تا ۲۹ جولائی ۱۹۷۹ء۔ ص ۳۱

۲۔ سعیدی، غلام رسول، مولانا، مقالات سعیدی، ناشر فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور۔ س ن۔ ص ۶۲۸۔

۳۔ شرف، عبدالحکیم، مولانا، تذکرہ اکابر اہلسنت، فرید بکسٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور۔ س ن، ص ۶۳، ۶۴۔

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری ۱۸۹۶ء میں محلّہ نواب پورہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد مولانا سید دیدار علی شاہ محدث الوری خاں لاہور کے خطیب تھے۔ اا سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ اُردو انشاء پردازی اور فارسی میں بھی مہارت حاصل کر لی پھر تمام علوم وفنون کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔

''نظریہ پاکستان کی تائید وحمایت میں لاہور کے وہ پہلے عالم دین ہیں جو بنارس سنی کانفرنس میں شریک ہوئے اور ایک تاریخی قرارداد پاس کروا کے قائداعظم کو یقین دلایا کہ برصغیر کی عظیم سنی اکثریت مطالبہ پاکستان میں آپ کے ساتھ ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران حضرت محدث کچھوچھوی دارالعلوم نعمانیہ لاہور کے سٹیج پر علماء اہسنت کو آزادی وطن کے لئے متحد کرتے رہے۔ حضرت کی تحریک پر دارالعلوم کے سارے اساتذہ سنی کانفرس کے لئے بنارس پہنچے''۔ (۱)

پیر جماعت علی شاہ علی پوریؒ (م ۱۹۵۱ء)

امیر ملت نے سلسلہ نقشبندیہ کے نامور شیخ طریقت حضرت باوا جی فقیر محمد فاروقی کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت حاصل کی تقریباً چھ لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے روحانی استفادہ کیا آپ جلوت پسند تھے آپ کی زندگی حرکی تھی سکون نہ تھی۔ ۱۹۳۶ء میں جب قائداعظم نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کا بیڑا اٹھایا اور ہندو مسلم دو جداگانہ قوموں کی آواز بلند کی تو برصغیر میں سب سے پہلے امیر ملت نے ہی قائداعظم کو اپنے بھرپور اور مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ آپ نے قائداعظم کے نام ایک پرخلوص خط تحریر فرمایا کہ

''قوم نے مجھے امیر ملت مقرر کیا ہے، پاکستان کے لیے جو کوششیں آپ کر رہے ہیں وہ میرا کام تھا لیکن میں سوسال کا ضعیف وناتواں ہوں، میں آپ کی مدد کرنا فرض تصور کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت امیر ملت نے اپنے تبلیغی اور روحانی دوروں کے دوران پشاور سے راس کماری تک مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا اور ہر بوڑھے، بچے کی زبان پر مسلم لیگ زندہ باد کے نعرے گونجنے لگے، امیر ملت نے اپنے صاحبزادگان، خلفاء اور مریدوں کو حکم دیا کہ وہ دل وجان سے مسلم لیگ کی حمایت کریں۔ رکنیت اختیار کریں اور قائداعظم کے سپاہی بن کر مسلم لیگ کو ہر دل کی دھڑکن بنا دیں'' (۲)

اا جنوری ۱۹۴۶ء کو جمعیت علماء اسلام کانفرنس پنجاب کی صدارت کرتے ہوئے پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری نے فرمایا کہ ''حکومت اور کانگریس دونوں کان کھول کر سن لیں اب مسلمان بیدار ہو چکے ہیں انہوں نے اپنی منزل مقصود متعین کر لی ہے اب دنیا کی کوئی طاقت اُن کے مطالبہ پاکستان کو ٹال نہیں سکتی۔ خاکساروں نے مجھے قتل کی دھمکیاں دی ہیں میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں سید ہوں اور سید موت سے کبھی نہیں ڈرتا'' (۳)

۱۔ ڈیروی، جلال الدین، علامہ، تحریک پاکستان میں علماء کا کردار، مکتبہ نبویہ گنج بخش لاہور۔ فروری ۲۰۱۰ء ص ۱۶۲۔
۲۔ قصوری، محمد صادق، تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، ریاض برادرز ۴۰۔ اردو بازار لاہور۔ س ن ص ۳۵، ۳۶، ۳۷
۳۔ درانی عطش، پاکستان ایک نظریہ ایک تحریک، مکتبہ عالیہ ۱۷۔ اردو بازار لاہور ۱۹۸۷ء ص ۶۸

''پیر صاحب نے ۱۴۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مانکی شریف میں علماء و مشائخ کانفرنس طلب کی جس میں سینکڑوں علماء کرام اور مشائخ عظام نے شرکت کی۔ آپ نے اعلان کیا کہ انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدواروں کی حمایت کی جائے گی ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ علیحدہ مملکت اسلامی پاکستان کے قیام کی بھرپور حمایت کرے اور اس کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ مسلم لیگ ایسی جماعت ہے جو صرف اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے کوشاں ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں قائداعظم نے صوبہ سرحد کا دوسرا دورہ کیا پہلے دورے میں بہت کم لوگ قائداعظم کے ساتھ تھے اس مرتبہ ۱۹ نومبر ۱۹۴۵ء کو قائداعظم جب پشاور پہنچے تو ایک شاندار اور تاریخی جلوس نکالا گیا جس سے کانگریسیوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ بعد میں قائداعظم کی صدارت میں ایک اہم میٹنگ میں پیر صاحب نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کر دیا''۔ (۱)

''شیخ المشائخ حضرت دیوان آل رسول سجادہ نشین درگاہ اجمیری کلکتہ میں منعقدہ علماء کانفرنس میں غازی محی الدین اجمیری کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور خواجہ غریب نواز کے جملہ سجادگان سے اپیل کی کہ وہ اس نازک وقت میں اسلام کی خدمت کمربستہ ہو جائیں۔ خواجہ حسن نظامی شروع ہی سے مسلم لیگ کے حامی تھے''۔ (۲)

پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف کے سجادہ نشین پیر غلام محی الدین نے اپنے تمام مریدوں جس میں نواب خضر حیات خان بھی شامل تھے کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کا حکم دیا اسی طرح شرق پور کے میاں شیر محمد اور پیر محل کے سید قطب شاہ بھی مسلم لیگ کی حمایت کرنے کا حکم دے چکے تھے۔ ۱۱۔ جنوری ۱۹۴۶ء کو مولانا فضل شاہ سجادہ نشین جلال پور نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔

۱۲۔ جولائی ۱۹۴۶ء کو پنجاب صوبائی کانگریس کمیٹی کے صدر مولانا داؤد غزنوی نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ پنڈت نہرو نے ناقابل برداشت صورتحال پیدا کر دی ہے کانگریس کو کوئی حق نہیں کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کہلائے۔

اسی طرح مولانا سید اسماعیل غزنوی اور ایسے بہت سے اکابر اہلحدیث علماء بھی تھے جنہوں نے تحریک پاکستان کی بھرپور حمایت کی بلکہ اس کے لیے مختلف علاقوں کے دورے بھی کیے۔ اور مسلمانوں کو تحریک کا پرچم بلند رکھنے کی تلقین کی۔ ان کے علاوہ دیدار علی حسن رضوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری۔ مولانا جمال میاں فرنگی محل۔ مولانا ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا عبدالحامد بدایونی جیسے علماء کی تحریک پاکستان میں کاوشوں کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء)

تحریک آزادی ہند کے سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں جمیعت علماء ہند نے آپ کو امام الہند کا خطاب دیا اگرچہ آپ کا تصور آزادی مسلم لیگ کے تصور آزادی سے مختلف تھا۔

۱۔ عبدالرشید، میاں، پاکستان کا پس منظر پیش منظر، ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ لاہور۔ س ن، ص ۱۰۸، ۱۰۹

۲۔ درانی عطش، پاکستان ایک نظریہ ایک تحریک، مکتبہ عالیہ ۱۷۔ اردو بازار لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۹۸، ۹۹

دارصل وزارتی مشن کا منصوبہ قبول کر کے رد کرنے کر دینے کے بعد وہ حقیقت سے اتنی دور چلے گئے تھے کہ اب غلطی کی تلافی کا کوئی موقع باقی نہیں رہا تھا۔ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے پنڈت نہرو، سردار پٹیل اور گاندھی جی کو حقیقت شناسی کے مقام سے کیسے نیچے اتارا اور اس وقت جبکہ وہ مقاصد کے سفر کی منزل آزادی کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے انہیں کس طرح فریب دیا گیا اور مولانا ابوالکلام آزاد پر ماؤنٹ بیٹن کا جادو کیوں نہیں چل سکا تھا؟ تقسیمِ ملک کے اس اہم مرحلہ پر فیصلہ کن کردار پنڈت جواہر لعل نہرو کا تھا"۔ (۱)

مولانا حسین احمد مدنی (۱۸۷۹ء تا ۱۹۵۷)

۱۹۲۳ء سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی نہایت خلوص اور نیک نیتی سے تحریک آزادی میں گرم جوشی کے ساتھ حصہ لیتے رہے یہاں تک کہ تقسیم کا مرحلہ پیش آ گیا۔ مولانا قیام پاکستان کے حق میں نہیں تھے لیکن انہوں نے قیام پاکستان کے بعد جمعیت علماء ہند کے اجلاس بمبئی میں جو خطبہ صدارت دیا اُس کے ایک ایک لفظ سے نیک نیتی اور خلوص کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا

''ہماری خواہش ہے کہ انڈین یونین اور پاکستان کے تعلقات خوشگوار اور زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوں'' (۲)

الختصر قائداعظم، دیگر سیاسی قائدین اور علمائے کرام کی مشترکہ جدو جہد سے پاکستان وجود میں آیا۔ اگر علماء تحریک سے ہوتے تو قیام پاکستان مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جاتا۔ قائداعظم کی استقامت مسلمانان ہند کی پر جوش حمایت کی مرہون منت ہے اور مسلمانوں کی یہ حمایت و تائید ان علماء کرام کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے جنہوں نے اس نازک دور میں ہندو مسلم اتحاد کے داعی علماء اور قوم پرستوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر مسلمانان ہند میں جذبہ اسلامی کو بیدار کیا جو تعمیر پاکستان کی تمہید ثابت ہوا۔

۱۔ آزاد، ابوالکلام، مولانا، انڈیا ونز فریڈم، مکی دارالکتب ۳۷۔ مزنگ روڈ، بک سٹریٹ لاہور۔ س ن، ص ۵۰۳، ۵۰۴

۲۔ مجاہد الحسینی، محمد یوسف، علماء دیوبند، سیرت مرکز ۶۵ بی، پیپلز کالونی فیصل آباد، ۲۰۰۴ء۔ ص ۷۶، ۷۷

کوششوں کا تعارفی جائزہ

’’مسلمانوں کے لیے ابتدا میں کوئی باضابطہ قوانین موجود نہ تھے۔ قرآن بتدریج نازل ہو رہا تھا۔ اس کا حکم یہ تھا کہ ہر وہ چیز جائز ہے جسے قرآن اور اللہ کے رسول ﷺ نے منع نہیں کیا‘‘۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں قرآن اور حدیث میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا‘‘۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۲)

’’جو رسول ﷺ تمہیں دیں اُسے لے لو اور جس سے روکیں اُس سے باز آ جاؤ‘‘

تحریک پاکستان کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد علماء نے مسلم سیاست میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے رہنما علماء کرام ہی تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں صف اول میں علماء کرام ہی تھے۔ تحریک مجاہدین، فرائضی تحریک، تحریک خلافت، ریشمی رومال تحریک اور کئی دوسری تحریکوں میں علماء نے مسلمانوں کی قیادت کی اور بے شمار قربانیاں دیں۔

قرارداد مقاصد اور علماء

پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے اپنے کام کا آغاز کیا تو مسلم لیگ کے ہم خیال اور قائداعظم کے قریبی ساتھی مولانا شبیر احمد عثمانی نے ایوان میں دستور کو اسلامی رنگ دینے کے حق میں تقریریں کیں۔ مولانا عثمانی اور مولانا ظفر احمد انصاری کی کوششوں سے نوابزادہ لیاقت علی خان نے مستقبل کے دستوری مقاصد کو اسلام سے ہم آہنگ کر دیا اور کہا کہ پاکستان ایک اسلامی جمہوریت ہے جہاں قرآن وسنت نبوی ﷺ کے اصولوں کے مطابق تمام نظام ترتیب پائیں گے اور اقتدار اعلیٰ خدائے بزرگ و برتر کو حاصل ہوگا۔ اسلامی قدوروں کو تحفظ ہوگا۔ قرارداد مقاصد کو بڑے جوش وخروش کے ساتھ ارکان اسمبلی نے منظور کیا۔ یہ علمائے کرام کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ قرارداد مقاصد ایسی دستاویز ہے جسے ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء یعنی تینوں دساتیر میں افتتاحیہ کا درجہ حاصل تھا۔ ۱۹۷۳ء کے دستور میں آٹھویں ترمیم کے ذریعے یہ قرارداد دستور کا مکمل حصہ قرار پائی۔

قرارداد مقاصد کی منظوری، بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی پہلی اور دوسری رپورٹ نیز محمد علی بوگرہ فارمولا کی تیاری میں علماء نے اپنی ماہرانہ آراء دے کر کام کو آسان بنا دیا۔ اسلامی تعلیمات کے بورڈ نے اپنی رپورٹ تیار کی لیکن اسے شائع نہیں کیا گیا۔ مفتی محمد شفیع اس بورڈ کے رکن تھے اور بعد میں چیئرمین بنا دیئے گئے، ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں ریاست کے دستور کے بنیادی اصول بیان کیے گئے۔ یہ پمفلٹ ۱۹۵۳ء میں کراچی سے دستور القرآن کے نام سے شائع ہوا۔ پمفلٹ میں علماء کی طرف سے تجویز کردہ نظام مملکت کے خدوخال بیان کئے گئے۔ خصوصاً سربراہ مملکت کے لئے بنیادی شرائط لکھی گئیں۔

۱۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی و جانشینی، بیکن بکس، قذافی مارکیٹ، اُردو بازار لاہور۔ ۲۰۰۶ء ص ۸

۲۔ سورۃ نمبر ۵۹، آیت نمبر ۷

''مولانا مودودی نے براہ راست تحریک پاکستان میں شرکت سے گریز کیا تھا۔انہوں نے دوقومی نظریہ کی حمایت اور متحدہ قومیت کی مخالفت کر کے بالواسطہ طور پر مسلم لیگ کے ہاتھ مضبوط کیئے تھے۔لیکن وہ تقسیم برصغیر کے حامی نہیں تھے۔ممتاز علی عاصی ''مولانا مودودی اور جماعت اسلامی 'ایک جائزہ'' میں لکھتے ہیں کہ مولانا کا ارادہ ہندوستان میں رہ کر پورے برصغیر کو اسلامی رنگ دینے کا تھا لیکن جب پاکستان بن گیا تو وہ لاہور آگئے اور حکمران جماعت کو اسلامی نظام کے قیام پر مجبور کرنا شروع کردیا''۔ (۱)

تعلیمات اسلامی بورڈ

علماء کی اہمیت کے پیش نظر حکومت نے اسلامی قوانین کے متعلق ماہرانہ مشورہ حاصل کرنے کے لئے تعلیمات اسلامیہ کا بورڈ قائم کیا جو دستور ساز اسمبلی کی مدد کرتا رہا۔اس بورڈ نے پاکستان کے دستور کے تحت ملکی سربراہ اور قانون ساز اسمبلی کے مقاصد و خصوصیات کی وضاحت کی اور بنیادی اصولوں کی کمیٹی کو مشورے دیئے۔علماء مطالبہ کرر ہے تھے کہ سپریم کورٹ کے ساتھ ساتھ علماء کا ایک بورڈ بھی ہونا چاہیئے جو کسی قانون کے اسلامی ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرے۔اگر ایسا ہو جاتا تو ایک بااختیار مذہبی رہنماؤں کا آئینی پوزیشن بن جاتی لیکن اسے دستور سازوں نے جھٹلا دیا اور قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ سپریم کورٹ پر چھوڑ دیا۔

بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ:

کمیٹی کے چیئرمین مولوی تمیز الدین خان نے یہ رپورٹ ۷ ستمبر ۱۹۵۰ء کو دستور ساز اسمبلی میں پیش کی کمیٹی کی اہم سفارشات درج ذیل ہیں:

۱۔ مرکزی مقنّنہ میں دو ایوان ہونگے اور ان کی مدت پانچ برس ہوگی۔

۲۔ نظام مملکت پارلیمانی ہوگا اور کابینہ پارلیمنٹ کو مشترکہ طور پر جوابدہ ہوگی۔

۳۔ ایوان بالا میں تمام صوبوں کی نمائندگی برابر ہو گی جبکہ ایوان زیریں میں آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دی جائے گی دونوں ایوانوں کے اختیارات برابر ہونگے۔

۴۔ ریاست کا سربراہ مسلمان ہوگا جسے دونوں ایوان پانچ سال کیلئے منتخب کریں گے۔

۵۔ کسی صدر کو دوبار سے زیادہ منتخب نہیں کیا جاسکتا اور مرکزی مقنّنہ اسے دوتہائی اکثریت سے برطرف کر سکتی ہے۔

۶۔ صوبوں میں انتظامی اختیارات گورنروں کو حاصل ہوں گے جن کا تقرر صدر مملکت کرے گا اور وہ صدر کو جوابدہ ہوں گے۔

۷۔ اردو قومی اور سرکاری زبان ہوگی۔

۸۔ ہر صوبے میں پانچ اراکین کا ایک بورڈ بنایا جائے گا جو اسلامی قوانین پر عبور رکھتے ہوں گے یہ ارکان قانون کے غیر اسلامی ہونے کی صورت میں سات دن کے اندر اندر مطلع کریں گے۔

۱۔ملک فاروق، پاکستان نظریہ حکومت اور سیاست۔خرم بکس ۴۰۔اردو بازار لاہور۔س ن،ص ۵۵۵

علماء کنونشن ۱۹۵۱ء

پس منظر

۲۱، ۲۲، ۲۳ اور ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ کو کراچی میں ۳۱ علماء نے ایک کنونشن میں خالص اسلامی ریاست کے قیام کی خصوصیات منظور کی۔ ان علماء کا تعلق مسلمانوں کے مختلف فرقوں سے تھا۔ انہوں نے متفقہ طور پر چند اصول وضع کیے جن پر عمل کر کے پاکستان کی اسلامی ریاست کو تشکیل دینا ممکن تھا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ علماء کنونشن کے مرتب کردہ اصولوں کو پاکستان کے دستور میں جگہ دی جائے بلکہ دستور کا خاکہ ان اصولوں کو بنیاد مانتے ہوئے تیار کیا جائے۔ علماء نے مسلم ممالک میں باہمی بھائی چارہ پیدا کرنے اور تعاون کو بڑھانے کی سفارش کی۔ علماء کنونشن میں تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک ملت تسلیم کیا گیا اور جغرافیائی حدود کی بنیاد پر قائم ہونے والے مسلم ممالک کو ایک ہی ملک کے مختلف حصے بتایا۔ علماء نے اپنے اس اجلاس میں ۲۲ نکات پر مبنی ایک دستاویز تیار کی۔ ان نکات پر مختلف مکاتب فکر کے علماء متفق ہو گئے تھے۔ اگر ۲۲ نکات کو مانتے ہوئے دستور بنالیا جاتا تو مسئلہ حل ہو جاتا۔ ۳۱ علمائے کرام کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔	علامہ سید سلیمان ندوی	سابق مدیر رسالہ "معارف"، اعظم گڑھ
۲۔	مولانا مفتی محمد حسن امرتسری	مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
۳۔	مولانا محمد شفیع دیوبندی	رکن بورڈ تعلیمات اسلام
۴۔	مولانا خیر محمد جالندھری	مہتمم خیر المدارس ملتان
۵۔	مولانا اطہر علی	صدر عامل جمعیت علماء اسلام مشرقی پاکستان
۶۔	مولانا احتشام الحق تھانوی	مہتمم دار العلوم الاسلامیہ اشرف آباد سندھ
۷۔	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور
۸۔	مولانا شمس الحق فرید پوری	مہتمم مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ
۹۔	مولانا محمد یوسف بنوری	شیخ التفسیر دار العلوم اسلامیہ اشرف آباد
۱۰۔	مولانا محمد بدر عالم	استاذ الحدیث دار العلوم اسلامیہ اشرف آباد
۱۱۔	مولانا شمس الحق افغانی	وزیر معارف ریاست قلات
۱۲۔	قاضی عبد الصمد سربازی	قاضی قلات، بلوچستان
۱۳۔	مولانا ابو جعفر محمد صالح	امیر حزب اللہ مشرقی پاکستان
۱۴۔	مولانا حبیب اللہ	جامعہ دینیہ دار الہدیٰ ٹیڑھی خیر پور
۱۵۔	مولانا محمد صادق	مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ، کراچی
۱۶۔	مولانا راغب احسن	نائب صدر جمعیت المدرسین سرسینہ شریف مشرقی پاکستان

۱۸۔	مولانا احمد علی لاہوری	امیر انجمن خدام الدین لاہور
۱۹۔	مولانا محمد علی جالندھری	صدر مجلس احرار اسلام پاکستان
۲۰۔	مولانا محمد عبدالحامد بدایوانی	صدر جمعیت علماء پاکستان
۲۱۔	مولانا مفتی صاحب داد	مدرسہ الاسلام سندھ کراچی
۲۲۔	پیر محمد ہاشم مجددی	ٹنڈو سائیں دادو سندھ
۲۳۔	مولانا داؤد غزنوی	صدر جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان
۲۴۔	مولانا محمد اسماعیل	ناظم جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان
۲۵۔	مفتی جعفر حسین مجتہد	رکن بورڈ تعلیمات اسلام
۲۶۔	مفتی کفایت حسین مجتہد	ادارہ عالیہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان
۲۷۔	پیر محمد امین الحسنات	مانکی شریف
۲۸۔	حاجی خادم الاسلام محمد امین	خلیفہ حاجی ترنگ زئی
۲۹۔	مولانا ظفر احمد انصاری	سیکرٹری بورڈ تعلیمات اسلامی
۳۰۔	پروفیسر عبدالخالق	رکن بورڈ تعلیمات اسلامی
۳۱۔	سید ابوالاعلیٰ مودودی	امیر جماعت اسلامی پاکستان

علماء کنونشن ۱۹۵۳ء

۱۱ جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں ایک اور کنونشن بلایا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ سپریم کورٹ میں پانچ علماء کو نامزد کیا جائے جو کہ قانون کے بارے میں فیصلہ دے سکیں کہ وہ قرآن وسنت نبوی ﷺ سے ہم آہنگ ہے یا نہیں ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان میں تمام مسلم طلباء کے لئے اسلامیات کا مطالعہ لازمی قرار دیا جائے۔ غیر مسلموں کے متعلق کنونشن کی تجویز تھی کہ ان کے ساتھ شریعت کے تحت سلوک کیا جائے انہیں قانون سازی اور پالیسیوں کی تشکیل میں حصہ لینے کی اجازت نہ ہو۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء

پس منظر

”جنوری ۱۹۴۹ء میں ملتان کی ختم نبوت کانفرنس میں مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے نام سے مستقل جماعت کی بنیاد ڈالی۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو اس کا پہلا امیر منتخب کیا گیا۔ آپ کے رفقاء میں ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا عنائیت اللہ اور مولانا محمد حیات فاتح قادیان تھے“۔ (۱)

۱۔ اللہ وسایا، مولانا تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء۔ جلد اول۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان، جولائی ۱۹۹۳ء، ص ۲۵، ۲۶

''۱۹۵۳ء میں علماء کرام نے اپنے مضبوط وجود کا حکومت کو احساس دلایا۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے اور انہیں کلیدی آسامیوں سے سبکدوش کرنے کے حق میں علماء نے ایک ملک گیر تحریک چلائی۔ اس تحریک کے دوران لاہور میں مارشل لاء بھی لگایا گیا۔ بے شمار مسلمانوں نے علماء کے کہنے پر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ کثیر تعداد میں لوگ احتجاج کے دوران گولیوں کا نشانہ بنے۔ تحریک اگرچہ ۱۹۵۳ء میں کامیاب نہ ہو سکی لیکن اس نے اپنا اثر ضرور چھوڑا۔ یہ ۱۹۷۴ء میں ممکن ہوا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لئے دستور میں ترمیم کی گئی''۔ (۱)

علماء کا دستور سازی میں کردار کا مطالبہ

''علماء چاہتے تھے کہ انہیں دستور کی تشریح کا کام سونپا جائے اور ان کا ایک مستقل دستوری ادارہ قائم ہو۔ مولانا ابوالحسنات، صدر جمعیت علمائے پاکستان نے ۱۹۵۳ء کی انکوائری کورٹ کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہمارا قانون مکمل ہے اور ایسے افراد کے ذریعے اس کی وضاحت ضروری ہے جو قرآنی قانون کے ماہرین ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا۔ مولانا مودودی نے کہا کہ قرآن پاک کی شکل میں ہمارے پاس قوانین کا ایک اہم ضابطہ موجود ہے۔ ملک میں صرف ایسے امور کے بارے میں قانون سازی کی جا سکتی ہے جہاں قرآن پاک اور سنت نبوی ﷺ سے رہنمائی نہ مل رہی ہو''۔ (۲)

''دستوری مہم چلانے کے لیے پانچ علماء کی ایک کمیٹی قائم کی گئی جو مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا ظفر احمد انصاری، مولانا محمد متین، مولانا محمد داؤد غزنوی اور علامہ علاؤ الدین صدیقی پر مشتمل تھی۔ جس وقت جولائی ۱۹۵۵ء میں دستور ساز اسمبلی کا اجلاس مری میں منعقد ہوا تو مولانا ظفر احمد صاحب انصاری کو وہاں بھیجا گیا تاکہ وہ ممبران دستور یہ سے مل کر اپنے مطالبات کی اہمیت سمجھا سکیں۔ اسی اثناء میں مشرقی پاکستان کے بعض ممبران دستور یہ نے اپنی علالت اور ناموافقت آب و ہوا کے عذر و بہانہ کے تحت اجلاس ملتوی کروا دیا۔ ابتداء میں علماء کرام نے جو بارہ نکات وزراء کے سامنے رکھے ان کے متعلق وزراء نے کہا کہ ان میں سے ایک بات بھی قابل عمل نہیں۔ تین روز کی بحث و تمحیص کے بعد وزراء بعض امور تسلیم کرنے پر تیار ہو گئے''۔ (۳)

دستور ۱۹۵۶ء، دستور ۱۹۶۲ء اور دستور ۱۹۷۳ء

۱۹۵۶ء کے آئین کا مسودہ ۹ جنوری ۱۹۵۶ء کو منظر عام پر آ گیا۔ اس روز پاکستان کے وزیر قانون مسٹر آئی آئی چندریگر نے اسلامی دستور کا مسودہ دستوریہ میں پیش کر کے اہل پاکستان کی دیرینہ آرزو پوری کر دی۔ جس کا ملک کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے پر جوش خیر مقدم کیا۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں اسلامی آئین پیش ہونے پر اسلامی ممالک سے مبارک باد کے پیغامات آئے۔

۱، ۲۔ ملک فاروق، پاکستان، نظریہ، حکومت اور سیاست، ایضاً، ص ۵۱۷

۳۔ عبدالرحمٰن خاں، منشی۔ تعمیر پاکستان اور علماء ربانی، ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۲۰۵

کی طرف سے مشترکہ اہتمام سے ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں متفقہ طور پر ایک قرارداد کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ

''پاکستان کے مذہبی و سیاسی جماعتوں کے زیر اہتمام اسلامیانِ لاہور کا یہ اجتماع انتہائی صاف اور واشگاف الفاظ میں حکومت اور ارکان دستوریہ کو اس حقیقت کا احساس دلانا ضروری سمجھتا ہے کہ دستوری ترتیب و تدوین کے اس فیصلہ کن مرحلہ پر مسودہ دستور کی اسلامی دفعات جس بیدردی سے التواء کا شکار بنائی گئی ہیں اس سے یہ شدید خطرہ ہے کہ قوم اس دستور کو قبول کرنے سے انکار کر دے گی''۔ (۱)

آخر کار ساڑھے آٹھ سال گزرنے کے بعد ۲۹ فروری ۱۹۵۶ء کو رات کے ٹھیک گیارہ بج کر ۵۹ منٹ پر دستور ساز اسمبلی نے اسلامی دفعات سمیت آئینی بل اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں میں منظور کر لیا۔

اسلامی آئین کی منظوری کے بعد ۲۔ مارچ ۱۹۵۶ء کو مولانا مفتی محمد شفیع نے ریڈیو پاکستان کراچی سے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ

''پاکستان کے لوگ اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہیں، کہ اُس کے فضل و کرم سے اس ملک کو طویل انتظار کے بعد ایسا دستور میسر آیا جو بجا طور پر قیام پاکستان کے بنیادی مقاصد، عامۃ المسلمین کی آرزوؤں اور اسلام کے تقاضوں کے عین مطابق ہے''۔ (۲)

ایوب خان نے ۱۹۶۲ء کے دستور کو جس ابتدائی شکل میں نافذ کیا تھا، اس کے مطابق ملک کا نام جمہوریہ پاکستان رکھا گیا تھا مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا مفتی محمود جیسے مستند علمائے دین کی زبردست قربانیوں اور عوامی دباؤ کے تحت پہلی ترمیم کے ذریعے ایوب خان کو ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھنا پڑا۔ اسلامی نوعیت کی مندرجہ ذیل شقیں دستور کا حصہ تھیں:-

i) صدر کے لیے مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا۔

ii) اسلامی شریعت کے خلاف یا منافی کوئی قانون تشکیل نہیں پائے گا۔

iii) اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی گئی۔

۱۳۔ مارچ ۱۹۶۰ء کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سمیت مختلف مکاتب فکر کے ۱۴ علماء نے عائلی قوانین کے بارے میں ایک مشترکہ بیان جاری کیا اور اس میں وزیر قانون کے عائلی قوانین سے متعلقہ قانون سازی کو عین قرآن و سنت کے مطابق قرار دینے کی مذمت کی اور اسے قرآن و سنت کی صریحاً خلاف ورزی قرار دیا۔

۱۹۷۳ء کا دستور ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء کے دساتیر سے کئی گنا زیادہ اسلامی نوعیت کا حامل ہے۔ سیاست دانوں اور علماء نے اسے خوش آمدید کہا۔ علماء کرام کی زبردست کاوشوں سے دستور میں اسلامی نوعیت کی بہت سی شقیں موجود ہیں۔

۱۔ عبدالرحمٰن خاں، منشی۔ تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ایضاً۔ ص ۲۲۳، ۲۲۴

۲۔ عبدالرحمٰن خاں، منشی۔ تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ایضاً۔ ص ۲۳۳

اسلام میں فضیلت و برتری محض تقویٰ کی بناء پر حاصل ہوتی ہے۔ورنہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ دو قومی نظریہ کے اولین داعی تھے۔حضور اکرم ﷺ نے روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کو دو حصوں اور دو ملتوں میں تقسیم فرمایا ایک ملت اسلامیہ اور دوسری ملت کفر۔سر سید نے یہ ثابت کیا کہ برصغیر پاک و ہند میں ایک نہیں دو قومیں آباد ہیں۔یہ تقسیم ملک کی طرف واضح اشارہ ہے۔

۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء کو سنسکرت کالج بمبئی کے ہال میں بنگالی عیسائی مسٹر بینر جی کی صدارت میں منعقدہ اجلاس میں انڈین نیشنل کانگریس کے قیام کا اعلان کیا تا کہ ہندوستان کے لوگ انگریزوں سے آزادی کیلئے لائحہ عمل طے کریں۔

مسلمانوں نے اپنی سیاسی قوت کو مجتمع کرنے کیلئے ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ کے مقام پر منعقدہ اجلاس میں ایک سیاسی جماعت مسلم لیگ کے قیام کا اعلان کیا نومبر ۱۹۱۶ء لکھنؤ کے مقام پر کانگرس اور مسلم لیگ نے مشترکہ اجلاس میں بحث و تمحیص کے بعد بہت سے اہم نکات پر اتفاق رائے کیا اور اس کو ایک معاہدے کا نام دیا جس کا نام میثاق لکھنؤ رکھا گیا۔

نومبر ۱۹۲۸ء میں ہندوؤں کے رہنما پنڈت موتی لال نہرو نے مسلمانوں اور ہندوؤں میں اتحاد کیلئے ایک رپورٹ تیار کی جسے نہرو رپورٹ کہتے ہیں۔یہ رپورٹ مسلمانوں کے حقوق کے منافی تھی اس کے جواب میں قائداعظم نے مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے ۱۹۲۹ء میں چودہ نکات پیش کیے۔کانگرسی وزارتوں کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے مسلمانوں میں شدید اضطراب تھا۔کانگریس وزارتوں کے مستعفی ہونے پر مسلمانوں نے یوم نجات منایا۔

مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا جس میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی اس قرارداد میں ہندوستان کی شمال مغربی اور شمال مشرقی ریاستوں پر مشتمل ایک علیحدہ آزاد مسلم ریاست کا مطالبہ کیا گیا۔

دسمبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کی سیاسی طاقت کو عیاں کرنے کے لیے بھرپور حصہ لیا اور زبردست کامیابی حاصل کی اسی کامیابی کی بنیاد پر برصغیر میں ایک آزاد مسلم ریاست کی بنیاد پڑی۔

برصغیر میں مسلمانوں کے جداگانہ قومی تشخص کو پروان چڑھانے کے لیے علماء کرام نے انتہائی اہم کردار ادا کیا۔اس سلسلہ میں مولانا اشرف علی تھانوی،مولانا شبیر احمد عثمانی،مولانا ظفر احمد عثمانی،مفتی محمد شفیع،مولانا عبدالحامد بدایونی،مولانا ابوالحسنات قادری،پیر جماعت علی شاہ اور پیر محمد امین الحسنات آف مانکی شریف نے سرگرم کردار ادا کیا اور قائداعظم کی بھرپور مدد کی۔اس کے علاوہ مولانا داؤد غزنوی،مولانا سید اسماعیل غزنوی اور بہت سے دیگر اکابر اہلحدیث علماء نے بھی تحریک پاکستان میں سرگرم کردار ادا کیا اور مختلف علاقوں کے دورے کر کے عوام کو تحریک پاکستان کا پرچم بلند رکھنے کی تلقین کی۔

مولانا ابوالکلام آزاد،مولانا حسین احمد مدنی،سید عطاء اللہ شاہ بخاری،مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور مولانا حفظ الرحمٰن وغیرہ نے آخر وقت تک متحدہ قومیت کا پرچار کیا انہیں نیشنلسٹ علماء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ہونے والے اس نعرے سے بھی ہوتا رہا۔ کہ ''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ''

آزادی یعنی قیام پاکستان کے بعد تمام علماء کرام نے ملک کو اسلامی درجہ دینے کا مطالبہ کیا اس مطالبہ میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے تحریک پاکستان کی بھرپور مخالفت کی۔

پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے کام شروع کیا تو قائداعظم کے قریبی ساتھی ممتاز عالم دین مولانا شبیر احمد عثمانی نے ایوان میں اسلامی دستور کے حق میں تقریریں کیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد انصاری کی زیر نگرانی نواب زادہ لیاقت علی خان نے مستقبل کے دستور کے مقاصد کو اسلام سے ہم آہنگ کر دیا اور پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا۔ قرارداد مقاصد کو بڑے جوش و خروش کے ساتھ ارکان اسمبلی نے منظور کیا، یہ علماء کرام کا عظیم کارنامہ ہے۔

۱۹۵۱ء کے علماء کنونشن کے ایک اجلاس میں ۲۲ نکات پر مبنی ایک دستوری دستاویز تیار کی گئی، جس پر تمام مکتبہ فکر کے علماء متفق ہوگئے ان نکات کو دستور کا درجہ دے دیا جاتا تو مسئلہ حل ہو جاتا۔

مولانا ابوالحسنات صدر جمعیت علمائے پاکستان نے ۱۹۵۳ء کی انکوائری کورٹ کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہمارا قانون مکمل ہے اور ایسے افراد کی طرف سے وضاحت کی ضرورت ہے جو قرآنی قانون کے ماہرین ہیں، سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا۔ مولانا مودودی نے کہا کہ جن معاملات میں قرآن وسنت سے راہنمائی نہ مل رہی ہو، اُن میں فقہاء کی رہنمائی میں قانون سازی کی جاسکتی ہے۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت شروع ہوگئی۔ علماء کرام نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے اور انہیں اعلیٰ سرکاری عہدوں سے ہٹانے کا مطالبہ کیا۔ تحریک کے زور پکڑنے پر ۶۔ مارچ ۱۹۵۳ء کو لاہور میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ حکومت کے سخت اقدامات کی وجہ سے اس تحریک میں ہزاروں مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔

۱۹۵۶ء کے دستور میں اسلامی دفعات کی شمولیت ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان اور صدر کا مسلمان ہونا جیسی شرائط علماء کی کامیابی کا تسلسل ہے۔

مقتدر علماء کرام کی مساعی جمیلہ سے عوامی دباؤ میں اس قدر اضافہ ہوا کہ ایوب خان کو ۱۹۶۲ء کے دستور میں پہلی ترمیم کے ذریعے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ رکھنا پڑا، اور صدر کا مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا۔ اسلامی شریعت کے منافی کوئی قانون تشکیل نہیں پائے گا۔ اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی گئی۔ ۱۹۷۳ء کا دستور صحیح معنوں میں عوامی امنگوں کا ترجمان ہے۔ سیاست دانوں، مذہبی راہنماؤں اور دانش وروں نے اسے خوش آمدید کہا۔ اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا، قرارداد مقاصد کو دستور کا حصہ بنا دیا گیا، نظریہ پاکستان کا تحفظ پاکستان میں اسلامی روح کا تحفظ قرار دیا گیا۔ صدر اور وزیر اعظم دونوں کا مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا۔ علماء اور عوام کی زبردست کاوشوں اور قربانیوں سے مرزائیوں کو ۷۔ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پارلیمنٹ کے ذریعے قانون سازی کر کے غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ اسلامی

آرڈی نینس جاری کیا گیا جس میں قادیانیوں کو اسلامی شعائر کے استعمال سے قانوناً روک دیا گیا اور قانون سازی میں [illegible] مانا گیا۔

علماء کرام نے قیام پاکستان میں جو روشن کردار ادا کیا اب حصول پاکستان کے بعد یہاں اسلامی دستور سازی کے لیے [illegible] اور حکومت کے لئے رہنما اصول وسفارشات مرتب کیں، جس کی سب سے اعلیٰ اور روشن مثال قرارداد مقاصد ہے۔ [illegible] نمبر۲ میں پیش کیا جائیگا۔

قرار داد مقاصد کے لئے علماء کی کوششوں کا جائزہ

فصل اول: پاکستان میں دستور سازی کا پس منظر وارتقاء

پاکستان آزادی ہند ایکٹ ۱۹۴۷ء کے تحت وجود میں آیا اس ایکٹ کے تحت قائم ہونے والی دونوں ریاستوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے آئین تیار کریں۔ تقسیم سے پہلے ہندوستان میں ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت کام چلایا جارہا تھا۔ اور یہ بات طے تھی کہ دونوں ریاستیں اپنے نئے آئین کی تیاری تک اسی ایکٹ کو ضروری ترامیم کے ساتھ نافذ رکھیں گی۔ ۱۹۴۷ء کے قانون آزادی کی رو سے ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کو مناسب ترامیم کے ساتھ نافذ کر دیا گیا تا کہ عبوری طور پر مملکت کا نظام چلایا جا سکے۔ دستور ساز اسمبلی نے اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں اور دستور کی تشکیل کا کام شروع ہو گیا۔ ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کی بدولت برطانوی طرز کی پارلیمانی حکومت قائم ہوئی۔ گورنر جنرل کا عہدہ قائداعظم نے سنبھالا اور نوابزادہ لیاقت علی خاں وزیر اعظم بنا دیئے گئے۔

قائداعظم اور لیاقت علی خان کے بعد کوئی ایسا قائد نہ اُبھرا جو قوم کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتا۔ نااہل سیاست دان اپنے ذاتی مفادات کی خاطر الجھے رہے جس سے قوم کی راہنمائی نہ ہو سکی۔ دستور کی تشکیل اور اس پر عمل درآمد کے لئے کسی ایسے فرد کی ضرورت تھی جو عوام کی توقعات پر پورا اتر سکے لیکن سیاست دانوں میں سے کوئی بھی ایسی خصوصیات کا حامل نہ تھا۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد جو قیادت ابھری، عصری تقاضوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکی جو سیاست دان بھی یکے بعد دیگرے وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ پر فائز ہوئے وہ گہری سیاسی بصیرت سے محروم تھے۔ سیاست دان مخصوص سیاسی جماعتوں کی ہی پشت پناہی کرتے رہے۔ ملک غلام محمد اور اسکندر مرزا نے اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی جب کوئی وزیران کے اشارے پر عمل کرنے سے گریز کرتا تو اس کی وزارت ختم کرنے کے لئے مختلف قسم کے ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے۔

۱۹۴۷-۵۶ء تک کی سیاسی قیادت کے بارے میں حسن عسکری رضوی اپنی کتاب "دی ملٹری اینڈ پولیٹکس ان پاکستان" میں لکھتے ہیں۔

> "There were seven Prime Mnisters in pakistan during this era of parliamentary damocracy. With the exception of the first prime mnister, none of the remaining six were elected as a result of any election. They were the product of palace intrigues by the two governor general" (۱)

پارلیمانی جمہوریت کے اس دور میں پاکستان میں سات وزرائے اعظم تھے۔ سوائے پہلے وزیر اعظم کے باقی چھ میں سے کوئی بھی الیکشن کے ذریعے منتخب نہیں ہوا تھا۔ وہ دو گورنر جنرل کی درباری سازشوں کی پیداوار تھے۔

۱۔ Rizvi, Hassan Askari, the military and politics in pakistan, progressive publishers lahore, 1976, Page 19

پاکستان میں آئین سازی کا معاملہ التوا کا شکار ہوگیا۔اس کی مختلف وجوہات بیان کی گئیں دستور سازی میں تاخیر کا باعث جدت پسند حکمران اور علماء کرام کا نظریاتی اختلاف، اسلامی ریاست کی ماہیت، وفاق میں صوبائی نمائندگی اور زبان وغیرہ جیسے مسائل تھے اس کے ساتھ ساتھ ہمارے پاس آئینی ماہرین اور تجربہ کار عملہ کی بھی کمی تھی جس کی وجہ سے آئین نہ بن سکا۔

مجلس دستور ساز نے ۱۲۔ مارچ ۱۹۴۹ کو مندرجہ ذیل قراردادِ مقاصد منظور کر لی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے۔اور اس نے جمہور کی مصلحت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے لہٰذا پاکستان کی نمائندہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد وخودمختار مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

جس کی رُو سے مملکت جملہ حقوق واختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب کردہ نمائندہ کے ذریعہ استعمال کرے جس میں اصول جمہوریت وحریت ومساوات ورواداری اور عدل حکمرانی کو جس طرح اسلام نے اس کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

جس کی رُو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی، اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔

جس کی رُو سے اس امر کا واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عقیدہ رکھ سکیں اور اس پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

جس کی رُو سے وہ علاقے جو اب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہوگئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے پاکستان میں شامل ہو جائیں، ایک وفاق بنائیں۔جس کے صوبوں کو مقرر کردہ حدود واختیارات تک خودمختاری حاصل ہو۔

جس کی رُو سے بنیادی حقوق کی ضمانت کی جائے اور ان حقوق میں قانون واخلاق کے ماتحت مساوات و مواقع قانون کی نظر میں برابری، عمرانی، اقتصادی وسیاسی، دلی اظہار خیال، عقیدہ دین، عبادت اور اجتماع کے حق کی آزادی شامل ہوگی۔

جس کی رُو سے اقلیتوں اور پسماندہ وپست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا۔

جس کی رُو سے نظام عدل کی آزادی کامل طور پر محفوظ ہو۔

جس کی رُو سے وفاق کے علاقوں کی سالمیت، اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا، جن میں اس کے بروبحر

عبدالرحمٰن خاں، منشی۔تعمیر پاکستان اور علماء ربانی، ادارہ اسلامیات ۱۹۰ء۔انارکلی لاہور، جولائی ۱۹۹۲ء۔ص ۱۵۶، ۱۵۷

عالم کی صف میں اپنا جائز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی ترقی و بہبود میں کما حقہ اضافہ کر سکیں۔" (۱)

بنیادی اصولوں کی کمیٹی:

۱۲۔ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے ایک قرارداد کے ذریعے بنیادی اصولوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی کے پچیس ارکان میں سردار عبدالرب نشتر، مولانا شبیر احمد عثمانی، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مولانا محمد اکرم خاں، سر ظفر اللہ خاں، غلام محمد مولوی تمیز الدین خاں اور قرارداد کے محرک نوابزادہ لیاقت علی خان تھے۔ ضرورت پڑنے پر کمیٹی دس ایسے ارکان کو بھی رکنیت دے سکتی ہے جو دستور ساز اسمبلی کے رکن نہ ہوں۔ کمیٹی کا مقصد یہ تھا کہ ایسے رہنما اصولوں کے بارے میں سفارشات پیش کرے جن پر آئین استوار کیے جاتے۔

بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ:

کمیٹی کے چیئرمین مولوی تمیز الدین خان نے یہ رپورٹ ۷۔ ستمبر ۱۹۵۰ء کو دستور ساز اسمبلی میں پیش کی کمیٹی کی اہم سفارشات درج ذیل ہیں:

۱۔ مرکزی مقننہ میں دو ایوان ہونگے اور ان کی مدت پانچ برس ہوگی۔

۲۔ نظام مملکت پارلیمانی ہوگا اور کابینہ پارلیمنٹ کو مشترکہ طور پر جوابدہ ہوگی۔

۳۔ ایوان بالا میں تمام صوبوں کی نمائندگی برابر ہو گی جبکہ ایوان زیریں میں آبادی کی بنیاد پر نمائندگی دی جائے گی دونوں ایوانوں کے اختیارات برابر ہونگے۔

۴۔ ریاست کا سربراہ مسلمان ہوگا جسے دونوں ایوان پانچ سال کیلئے منتخب کریں گے۔

۵۔ کسی صدر کو دوبارہ سے زیادہ منتخب نہیں کیا جا سکتا اور مرکزی مقننہ اسے دو تہائی اکثریت سے برطرف کر سکتی ہے۔

۶۔ صوبوں میں انتظامی اختیارات گورنروں کو حاصل ہوں گے جن کا تقرر صدر مملکت کرے گا اور وہ صدر کو جوابدہ ہوں گے۔

۷۔ اردو قومی اور سرکاری زبان ہوگی۔

۸۔ ہر صوبے میں پانچ ارکین کا ایک بورڈ بنایا جائے گا جو اسلامی قوانین پر عبور رکھتے ہوں گے یہ ارکین کسی قانون کے غیر اسلامی ہونے کی صورت میں سات دن کے اندر اندر مطلع کریں گے۔

۹۔ عدلیہ ہر طرح سے برتر اور آزاد ہوگی۔ مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو عدلیہ کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

پہلی رپورٹ کا تجزیہ اور ردّ عمل:

علماء نے اس رپورٹ کو سخت ناپسند کیا کیونکہ آئندہ کی وفاقی حکومت کا جو ڈھانچہ پیش کیا گیا وہ ان کے خیال میں قرارداد مقاصد کے مطابق نہ تھا اور اسلامی روح سے عاری تھا اس میں علماء کو ایک باضابطہ وفاقی اسلامی ریاست کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ سفارشات میں

۱۔ عبدالرحمٰن خان، منشی، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی۔ ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور جولائی ۱۹۹۲ء ص ۱۵۶، ۱۵۷

کہ بنیادی حقوق متاثر نہ ہوں۔اس میں قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون بنانے کے متعلق بھی کوئی دفعہ شامل نہ تھی [illegible]
دی گئی تھی کہ سربراہ مملکت صرف مسلمان ہوگا۔

مشرقی پاکستان کے رہنماؤں نے اس رپوٹ پر دو بنیادوں پر خاص طور پر گہری تفتیش کا اظہار کیا۔پہلی بات [illegible]
اردو کو پاکستان کی واحد قومی زبان کا درجہ دیا گیا تھا اور بنگالی زبان کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔دوسرے یہ کہ مشرقی پاکستان [illegible]
آبادی کے مرکزی مقنّنہ کے لئے کم نشستیں مخصوص کی گئی تھیں۔اس رپورٹ کے سلسلہ میں اہم بات جو ہمیں [illegible]
قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء سے کافی مشابہت رکھتی تھیں۔وزیراعظم لیاقت علی خاں نے اعلان کیا کہ دستور ساز اسمبلی [illegible]
عبوری رپورٹ پر غور وخوض ملتوی کیا جاتا ہے۔

دوسری رپورٹ:

لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد کمیٹی نے اپنی دوسری رپورٹ دستور ساز اسمبلی میں پیش کر دی یہ رپورٹ [illegible]
وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے ۲۲۔دسمبر ۱۹۵۲ء کو اسمبلی میں پیش کی جس کی اہم سفارشات یہ ہیں۔

۱۔ وفاقی پارلیمنٹ میں دو ایوان ہوں گے۔

۲۔ ایوان بالا میں کل ۱۲۰ مشرقی اور مغربی پاکستان سے برابر یعنی ۶۰ نمائندے کیے جائیں گے۔

۳۔ ایوان زیریں میں ۴۰۰ اراکین ہوں گے اور اس میں بھی مشرقی اور مغربی پاکستان سے برابر اراکین لیے جائیں گے۔

۴۔ ایوان زیریں بااختیار ہوگا اور مرکزی کابینہ اس کے سامنے جوابدہ ہوگی۔

۵۔ صدر مسلمان ہوگا اور اسے دونوں ایوان پانچ سال کیلئے منتخب کریں گے۔

۱۹۵۳ء میں صوبائی عصبیت بہت زیادہ بڑھ چکی تھی۔پنجاب اور بنگال کے سیاستدان ایک دوسرے کے خلاف صف [illegible]
اصولوں کی کمیٹی کی دوسری رپورٹ میں اگرچہ بنگالیوں کو آبادی کے لحاظ سے نمائندگی نہ ملی تھی لیکن انھوں نے وسیع [illegible]
رپورٹ کو تسلیم کر لیا۔۱۴۔اپریل ۱۹۵۳ء کو گورنر جنرل غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو توڑ دیا یہ صریحاً غیر [illegible]
اسمبلی کی اکثریت کا اعتماد خواجہ صاحب کو حاصل تھا۔

اسمبلی کی برخاستگی:

پس منظر:

"وزیراعظم پاکستان محمد علی بوگرہ نے بغیر گورنر جنرل کو اطلاع دیئے ۲۰۔ستمبر ۱۹۵۴ء کو [illegible] Public
(and representative Officers disqualification Act عوامی نمائندگان کی نا اہلیت [illegible]
قانون ختم کر دیا اور گورنر جنرل کے اختیارات کو کم کر دیا۔اگلے روز یعنی ۲۱۔ستمبر ۱۹۵۴ء کو اسمبلی میں ایک [illegible]

گزٹ میں شائع کروا دیا۔ اس کارروائی کے بعد مجلس دستور ساز میں رسمی طور پر محمد علی فارمولا اختیار کرنے کی منظوری دے دی اور مجلس دستور ساز کا اجلاس ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء تک ملتوی کر دیا گیا۔ ۱۶۔ اکتوبر کو دستور کا مسودہ پریس میں بھیج دیا گیا تاکہ اراکین اسمبلی تک پہنچ جائے اور وہ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو مجلس دستور ساز کا اجلاس منعقد ہونے سے قبل اس کا مطالعہ کریں" (۱)

اسمبلی کی برخاستگی:

ملک کا پہلا متفقہ آئین منظور ہونے سے پہلے ہی گورنر جنرل غلام محمد نے ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو پہلی دستور ساز اسمبلی برخاست کر دی ان کا موقف تھا کہ دستور ساز اسمبلی سات سال تک اپنا بنیادی فریضہ (آئین کی تیاری) ادا نہیں کر سکی تھی چنانچہ بدلے ہوئے حالات میں وہ اپنی نمائندہ حیثیت کھو چکی ہے۔

دوسری آئین ساز اسمبلی:

گورنر جنرل غلام محمد نے ۱۰۔ مئی ۱۹۵۵ء کو ۴۰۔ افراد پر مشتمل ایک دستور ساز کنونشن طلب کیا جس کے اراکین کی تعداد بعد میں ۸۰ کر دی گئی۔ فیڈرل کورٹ نے گورنر جنرل کے اس اقدام کو آئینی قرار دیتے ہوئے اس کنونشن کا نام آئین ساز اسمبلی رکھ دیا۔ ۲۸۔ مئی ۱۹۵۵ء کو نئے انتخابات منعقد کئے جانے کا فرمان جاری کیا گیا اور تمام صوبائی اسمبلیوں کے ذریعے نئی دستور ساز اسمبلی کے انتخابات کرائے گئے۔ اس دستور ساز اسمبلی میں مشرقی اور مغربی پاکستان دونوں سے برابر نمائندے لئے گئے۔ دوسری دستور ساز اسمبلی نے ان تمام قوانین کو بحال کر دیا جو فیڈرل کورٹس کے فیصلے کی رو سے غیر قانونی ہو چکے تھے اور گورنر جنرل کا آرڈیننس انہیں نافذ کئے ہوئے تھا۔

دوسری دستور ساز اسمبلی نے ایک اور اہم کام مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کو ایک صوبہ بنانے کا کام سر انجام دیا۔ ۳۰۔ ستمبر ۱۹۵۵ء کو مرکزی اسمبلی نے ایک قانون پاس کر کے پورے مغربی پاکستان کو ایک صوبہ قرار دے دیا۔

محمد علی بوگرہ فارمولا:

”محمد علی بوگرہ امریکہ میں پاکستان کے سفیر تھے ملک غلام محمد نے انھیں حکومت بنانے کی دعوت دی۔ محمد علی بوگرہ نے ۱۴۔ اپریل ۱۹۵۳ء کو وزارت عظمیٰ کا چارج سنبھالا۔ بوگرہ پاکستان کے تیسرے وزیر اعظم تھے ان کے سامنے بہت سے چیلنجز تھے۔ سب سے بڑا چیلنج دستور سازی تھا۔ قوم کو کسی ایسے فارمولا کی تلاش تھی جو تمام صوبوں کے لیئے قابل قبول ہو۔ محمد علی بوگرہ نے چیلنج قبول کیا اور چھ ماہ کی مختصر مدت میں تعطّل کو ختم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی اور مرکزی اسمبلی میں صوبوں کی نمائندگی کا ایسا فارمولا تیار کر لیا۔ جو بنگال، پنجاب اور دیگر صوبوں کی مرضی کے مطابق تھا۔ ۶۔ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو مسلم لیگ کی پارلیمانی پارٹی نے اس فارمولہ کی توثیق کر دی۔ مسلم لیگ کی پارلیمانی پارٹی کی منظوری کے بعد

۱۔ رزاق، ایم۔اے، ڈاکٹر پاکستان کا نظام حکومت اور سیاست، ناشر مکتبہ فریدی، وفاقی اردو کالج، بابائے اردو روڈ، کراچی نمبر ۱، ۱۹۸۷ء، ص ۲۲۷

یہ فارمولہ حسب ذیل تجاویز پر مشتمل تھا۔

☆ پاکستان کی مرکزی مقننہ کے دو ایوان ہوں گے اور دونوں ایوان مساوی اختیارات کے حامل ہوں گے۔

☆ یہ ایوان کل پچاس ارکان پر مشتمل ہوگا اور وفاق کے پانچ یونٹوں کو مساوی نمائندگی حاصل ہوگی۔ جہاں تک ایوان زیریں کا تعلق ہے یہ تین سو اراکین پر مشتمل ہوگا ان میں ۱۶۵ مشرقی پاکستان سے ہوں گے۔

☆ یونٹوں کے ایوان بالا کا چناؤ یونٹوں کی اسمبلیاں کریں گی۔ جہاں اسمبلی نہیں ہوگی وہاں انتخابی طریقہ کا تعین وفاقی مقننہ ایک قانون کے ذریعے کرے گی۔

☆ مملکت کی سب سے بڑی عدلیہ سپریم کورٹ ہوگی جو بین الصوبائی تنازعہ طے کرے گی۔

☆ بوگرہ فارمولا کے تحت نشستوں کی تقسیم کیلئے مشرقی و مغربی پاکستان کیلئے مشاورت کا اصول مان لیا گیا۔

☆ اردو اور بنگالی دونوں کو سرکاری زبانوں کے طور پر تسلیم کرلیا گیا۔

فارمولا منظر عام پر آیا تو عوام نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس کو قبول کیا۔

☆ دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس صدارتی انتخاب، اعتماد اور عدم اعتماد کی قراردادوں پر فیصلہ کرے گا۔

دستور کی تشکیل:

چوہدری محمد علی کے دور کا شاندار کارنامہ ۱۹۵۶ء کے دستور کی تشکیل تھا۔ آپ نے ۱۱ اگست ۱۹۵۵ء کو وزارت عظمیٰ پر فائز ہوتے ہی اخباری نمائندوں کو بیان دیا۔

"The first thing before the constituent Assembly is the framing of constitution. After framing the constitution, other tasks will be taken up" (۲)

آئین ساز اسمبلی کا پہلا کام آئین سازی ہے۔ اس آئین سازی کے بعد دوسرے کام کیے جائیں گے۔

آپ نے دستور ساز اسمبلی کا اجلاس تقریباً چھ ماہ تک مسلسل جاری رکھا اور تمام قانون کو نسبتاً بہت کم وقت دے کر دستور کی تکمیل کا اعزاز حاصل کیا۔ آپ نے مولوی فضل الحق، حسین شہید سہروردی اور دوسرے سیاسی لیڈروں سے تعاون کی درخواست کی۔ اپوزیشن نے بھی مثبت رویہ اختیار کیا اور پاکستان میں دستور کا نفاذ عمل میں آیا۔ ۲۔ مارچ ۱۹۵۶ء گورنر جنرل اسکندر مرزا نے دستوری مسودہ کی توثیق کردی اور ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو اسے ملک میں نافذ کردیا گیا۔ یہ دستور نو سال کی طویل انتظار کے بعد وجود میں آسکا اور پاکستان ایک اسلامی جمہوریہ بنا۔

۱۹۵۶ء کے آئین کی خصوصیات

پاکستان کی دوسری دستور ساز اسمبلی نے ۲۹۔ فروری ۱۹۵۶ء کو مملکت کا پہلا دستور منظور کیا گورنر جنرل اسکندر مرزا نے دستور

۱۔ ملک فاروق، پاکستان، نظریہ، حکومت اور سیاست، خرم بکس ۴۰۔ اردو بازار لاہور، ایضاً۔ س ن۔ ص ۱۳۸

۲۔ ملک فاروق، پاکستان، نظریہ، حکومت اور سیاست ایضاً۔ ص ۱۳۸

1۔ پاکستان کا پہلا دستور ۲۳۴ دفعات اور ۶ جدول پر مشتمل تھا یہ واحد دستور تھا جو مرکزی اور صوبائی امور کا احاطہ کرتا تھا۔ دستور میں ترمیم کیلئے قومی اسمبلی کے کل ارکان کی دو تہائی اکثریت کی منظوری لازمی تھی۔

2۔ ۱۹۵۶ء کا دستور ایک اسلامی دستور تھا اس کے اسلامی خدوخال درج ذیل تھے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کیا گیا۔

(۲) ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔

(۳) قرارداد مقاصد ۱۹۴۹ء کو دستور کا افتتاحیہ کا درجہ دیا گیا۔

(۴) صدر کے لیے مسلمان ہونا لازمی تھا۔

(۵) قوانین کی تدوین قرآن پاک اور سنت نبوی کے مطابق کیے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔

(۶) غیر اسلامی سرگرمیوں کو ممنوع قرار دیا گیا۔

(۷) مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری سہولتیں مہیا کرنے کی شق دستور میں شامل کی گئی۔

وفاقی نوعیت:

دستور کے مطابق پاکستان ایک وفاقی مملکت قرار پائی۔

پارلیمانی طرز حکومت:

دستور سازوں نے سابقہ تجربات سے فائدہ اٹھانے کیلئے مناسب سمجھا کہ پارلیمانی نظام رائج کیا جائے۔ ملک کا سربراہ صدر اور انتظامیہ وحکومت کا سربراہ وزیراعظم کو بنایا گیا۔

صدر:

صدر کے لیئے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ پاکستانی مسلمان ہو۔ عمر کم از کم ۴۰ سال اور قومی اسمبلی کی رکنیت کا اہل ہو، عہدہ صدارت کی معیاد پانچ سال رکھی گئی۔ دستور کے مطابق قومی اسمبلی کے ارکان کے دستخطوں سے پیش کیئے گئے ایک نوٹس کی کل ارکان کی ۳/۴ اکثریت تصدیق کردے تو صدر کو برطرف کیا جاسکتا ہے۔

وزیراعظم:

وزیراعظم کے تقرر کا اختیار صدر مملکت کو دیا گیا تھا لیکن یہ ضروری تھا کہ صدر ایسے رکن قومی اسمبلی کو وزارت عظمیٰ کا قلمدان سپرد کرے جو ارکان کی اکثریت کی حمایت رکھتا ہو۔ وزیراعظم کو ارکان اسمبلی کی اکثریت عدم اعتماد کا اظہار کر کے عہدے سے ہٹا سکتی ہے۔

قومی اسمبلی:

۱۹۵۶ء کے دستور کے تحت مقننہ صرف ایک ایوان پر مشتمل تھی۔ جس کے ارکان کی تعداد ۳۰۰ تھی۔ اور جسے قومی اسمبلی کا نام دیا

لازم تھا کہ سال میں کم از کم دو اجلاس بلائے جائیں اور ایک اجلاس ڈھاکہ میں منعقد ہو۔ قومی اسمبلی کی معیاد پانچ سال تھی۔

سپیکر:

قومی اسمبلی کی صدارت کا فریضہ اسپیکر کے سپرد تھا۔ جسے ارکان کی اکثریت منتخب کرتی تھی۔ عام حالات میں سپیکر کو ووٹ دینے کا اختیار نہیں تھا۔ البتہ ووٹ برابر ہو جانے کی صورت میں وہ فیصلہ کن ووٹ دے سکتا تھا۔ سپیکر کی مدد کے لیے ایک ڈپٹی سپیکر کا انتخاب بھی عمل میں لایا جاتا ہے۔

عدلیہ:

۱۹۵۶ء کے دستور کے تحت عدالتوں کا ایک مضبوط اور ملک گیر نظام ترتیب دیا گیا۔ عدالتوں کو آزاد اور غیر جانبدار رکھا گیا۔ آئین کی تشریح بین الصوبائی امور اور عوام کے حقوق کا تحفظ عدلیہ کی ذمہ داری تھی۔

ہنگامی اختیارات:

صوبائی انتظامیہ کے ناکام ہونے کی صورت مرکز کو صوبے میں مداخلت کا اختیار حاصل تھا۔ صدر صوبے میں گورنر راج نافذ کر کے صوبائی حکومت کو معطل کرسکتا تھا۔ قومی اسمبلی سے صوبے میں ہنگامی حالات کے نفاذ کی اجازت لینا پڑتی تھی۔

بنیادی حقوق:

دستور میں شہریوں کے حقوق کی فہرست شامل کر دی گئی اور ان کے دفاع کی ذمہ داری عدلیہ پر ڈال دی گئی۔ عوامی حقوق کے منافی کوئی قانون تشکیل نہیں پاسکتا تھا۔

آئینی ادارے و عہدے

دستور ۱۹۵۶ء کے تحت کچھ ادارے اور عہدے تخلیق کیے گئے جو درج ذیل تھے۔

(۱) قومی معاشی کونسل

(۲) اسلامی تحقیق و تعلیم کا ادارہ

(۳) بین الصوبائی کونسل

۱۹۶۲ء کے دستور کا پس منظر:

۸۔ اکتوبر ۱۹۵۸ کو صدر اسکندر مرزا نے مارشل لاء کے نفاذ کا اعلان کرتے ہوئے ۱۹۵۶ء کے آئین کو منسوخ کر دیا اور ایوب خان کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا۔ تمام سیاسی جماعتیں غیر قانونی قرار دی گئیں۔ قومی اور صوبائی اسمبلیاں منسوخ ہو گئیں۔ ۲۷ اکتوبر کو فوج نے ایوب خان کی قیادت میں ملک کا پورا نظام اپنے ہاتھ میں لے کر سکندر مرزا کو صدارت سے علیحدہ کر دیا۔ ایوب خان صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر دونوں عہدوں پر فائز ہو گئے۔

۱۷۔فروری ۱۹۶۰ء کو جسٹس شہاب الدین کی سربراہی میں ایک دستور ساز کمیشن بنایا گیا۔ اس میں جسٹس محمد شریف، عزیز الدین، او آر نظام، این ڈی بروہی، نصیر شیخ، آفتاب الدین، اے حمید۔ طفیل علی ایڈووکیٹ، ارباب احمد علی خان اور حبیب اللہ خان کے نام شامل ہیں۔ کمیشن کے دائرہ کار میں پارلیمانی نظام حکومت کی ناکامی کا جائزہ لینا اور اس کے اسباب کی نوعیت کا تعین کرنے کے بعد ان کے حل کے لیئے رپورٹ پیش کرنا بھی تھا۔

آئینی کمیشن کی سفارشات:

کمیشن نے عوام کے رجحانات معلوم کرنے کے لیے ایک سوالنامہ جاری کیا۔ اپنی تحقیق کی روشنی میں کمیشن نے ۶ مئی ۱۹۶۱ء کو ایک رپورٹ صدر مملکت کو پیش کر دی۔ جنرل ایوب خان نے اپنی ضرورت کے مطابق کمیشن کی سفارشات میں ترامیم کر کے ایک دستوری دستاویز کو حتمی شکل میں منظور کر کے یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو پورے ملک میں نافذ کر دیا، یہ پاکستان کا دوسرا دستور تھا جسے عوامی نمائندوں کی بجائے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے خود تخلیق کیا۔

دستور ۱۹۶۲ء کی خصوصیات:

دستور کی چیدہ چیدہ خصوصیات درج ذیل تھیں۔

۱۔ تحریری اور غیر لچکدار:

۱۹۶۲ء کا دستور مکمل طور پر تحریری تھا۔ یہ ۲۵۰ دفعات اور پانچ جدولوں پر مشتمل تھا۔ اس کا مسودہ طویل اور ترمیم کا طریقہ مشکل تھا۔ ترمیم کے لیے کل ارکان کی دو تہائی اکثریت اور پھر بعد میں صدر کی منظوری لازمی تھی۔ دستور میں مرکزی اور صوبائی نوعیت کے تمام امور کا احاطہ کیا گیا تھا۔

۲۔ اسلامی دستور:

ایوب خان نے دستور کو جس ابتدائی شکل میں نافذ کیا تھا اس میں ملک کا نام جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ ایوب خان کو مذہبی اور عوامی دباؤ کے تحت پہلی ترمیم کے ذریعے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھنا پڑا۔ اسلامی نوعیت کی مندرجہ ذیل شقیں دستور کا حصہ تھیں۔

(i) صدر کے لئے مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا۔

(ii) اسلامی شریعت کے منافی کوئی قانون تشکیل نہیں پائے گا۔

(iii) اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی گئی جس نے دور جدید کے مطابق قوانین کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

۳۔ یک ایوانی مقننہ:

۱۹۵۶ء کے دستور کی طرح ۱۹۶۲ء میں بھی مقننہ صرف ایک ایوان پر مشتمل تھی جس کا نام قومی اسمبلی تھا۔ ملک کے دونوں صوبوں سے ۷۸، ۷۸ ارکان لئے جاتے تھے۔ مرکز کی طرح صوبائی اسمبلیاں بھی یک ایوانی تھیں۔

۱۹۶۲ء کے دستور میں عدالتیں آزاد اور با اختیار تھیں۔ججوں کا تقرر صدر مملکت خود کرتا تھا اور اعلیٰ عدالتی کونسل کی رپورٹ پر کسی بھی جج کو برطرف بھی کرسکتا تھا۔

۵۔ صدارتی دستور:

یہ دستور صدارتی نوعیت کا تھا۔پارلیمانی نظام حکومت کے بارے میں سمجھ لیا گیا تھا کہ وہ ملک میں ناکام ہو چکا ہے۔اس آئین کے تحت صدر ہی مختار کل تھا اور اپنی کابینہ اور وزراء کے انتخاب میں آزاد تھا۔وزراء کے لیے قومی اسمبلی کا رکن ہونا ضروری نہ تھا۔صدر کے لیئے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت لازمی نہیں تھی۔

۶۔ بنیادی جمہورتیں:

۱۹۶۲ء کے دستور میں بنیادی جمہورتیوں کا نظام متعارف کرایا گیا جس کے تحت یونین کونسل، ٹاؤن کمیٹی، میونسپل کمیٹی، میونسپل کارپوریشن اور کنٹونمنٹ بورڈ بنائے گئے اِن تمام اداروں کے ارکان کی مجموعی تعداد ۸۰۰۰۰ تھی۔اِن کے ذمے صدر اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کو منتخب کرنا بھی تھا۔صدر اور اسمبلیوں کے ارکان عوام کے براہ راست ووٹوں سے منتخب نہیں ہوتے تھے۔

۷۔ پالیسی کے اصول:

مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کی راہنمائی کے لیئے دستور میں چند پالیسی اصول شامل کئے گئے جو مندرجہ ذیل تھے۔

(i) "قانون کا قرآن وسنت پر مبنی ہونا لازمی ہوگا۔

(ii) اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔

(iii) دولت کی منصفانہ تقسیم کی جائے گی۔

(iv) تعلیم صحت اور عوامی فلاح و بہبود کا خصوصی خیال رکھا جائے گا۔

(v) عوام کے معیار زندگی کو بلند کیا جائے گا۔

(vi) دونوں صوبے مساوی درجہ رکھیں گے"۔ (۱)

۸۔ بنیادی حقوق:

جب دستور منظور ہوا تو اس میں بنیادی حقوق کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔دستور میں پہلی ترمیم کے تحت ۱۹۶۳ء میں بنیادی حقوق کی فہرست دستور کا حصہ بنی۔حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری عدلیہ پر عائد کی گئی۔عوام کو وہی بنیادی حقوق دیئے گئے جو اقوام متحدہ کے چارٹر میں بھی موجود ہیں مثلاً

- قانون کی نظر میں تمام افراد برابر ہیں۔
- رنگ، نسل، علاقے، زبان، قومیت یا کسی اور بنیاد پر کسی شخص سے امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔

اگر آپ کو اپنے مقالے یا ریسرچ پیپر کے لیے معقول معاوضے میں معاونِ تحقیق کی ضرورت ہے تو مجھ سے رابطہ فرمائیں۔

mushtaqkhan.iiui@gmail.com

- گرفتار یا زیر حراست شخص کو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنا لازمی ہے۔
- ہر شخص کو ملک کے کسی بھی حصے میں رہائش، روزگار اور دیگر امور کا حق حاصل ہوگا۔
- جلسے، جلوس اور اظہار رائے کی آزادی، بشرطیکہ ان میں توہین عدالت، خارجہ تعلقات، مملکت کا تحفظ، امن عامہ، [illegible] جرم پر ہٹ دھرمی یا بداخلاقی اور فحاشی کا عنصر موجود نہ ہو۔
- غلامی اور جبری مشقت کی ممانعت
- قوانین اور سزاؤں کا اطلاق ماضی میں کئے گئے جرائم پر نہیں ہوسکتا جبکہ ماضی میں وہ قابل سزا نہ تھے۔
- تعلیمی اداروں میں کسی کو غیر مذہب کی تعلیم یا رسومات ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔
- ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔
- بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کے سلسلے میں ہر شخص عدالت میں جانے کا حق رکھتا ہے۔

۹۔ قومی اسمبلی

۱۹۶۲ء کے آئین کے تحت ۱۵۶ ممبران پر مشتمل قومی اسمبلی وجود میں آئی۔ اس میں دونوں صوبوں سے برابر کی تعداد سے شامل تھے اور عورتوں کے لئے ۶ نشستیں تھیں۔[۱] بعد میں اسمبلی کے اراکین کی تعداد ایک ترمیم کے ذریعے بڑھا کر ۲۱۸ کردی گئی جن میں سے دوسو اراکان (دونوں صوبوں سے ایک ایک سو) منتخب کردہ جبکہ عورتوں کے لئے ۸ نشستیں اور دانشوروں کے لئے ۱۰ نشستیں مقرر کی گئیں جو حکومت کی طرف سے نامزد کردہ ہوتے۔

اسمبلی کا اجلاس ایک تہائی اراکین کی درخواست پر سپیکر طلب کرسکتا تھا۔ یہ عمل صدر کی ہدایت پر بھی ہوسکتا تھا۔

۱۰۔ اسمبلی رکنیت کی شرائط

اسمبلی کا رکن بننے کے لئے بنیادی شرائط یہ تھیں۔

- عمر ۲۵ سال سے کم نہ ہو۔
- حکومت پاکستان کا باتنخواہ ملازم نہ ہو۔
- اپنے انتخابی حلقے میں کم از کم چھ ماہ سے رہ رہا ہو۔
- دیوالیہ نہ قرار دیا گیا ہو۔
- کسی جرم میں دو سال سزا یافتہ نہ ہو۔
- سرکاری ملازم کی بیویاں بھی رکن نہیں بن سکتیں۔

کسی اعتراض یا خامی کی صورت میں چیف الیکشن کمشنر کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوگا۔

۱۔ ملک فاروق، پاکستان، نظریہ، حکومت اور سیاست، خرم بکس ۴۰۔ اردو بازار لاہور، ایضاً۔ س ن۔ ص ۲۲۴

آئین میں ترمیم کے لئے اسمبلی کے دوتہائی اراکین کی حمایت لازمی تھی جسے ویٹو کرنے کا حق صدر کے پاس موجود تھا تاہم صدر کے ویٹو کے حق کو تین چوتھائی اراکین کی اکثریت سے روکا جاسکتا تھا۔ ایسی صورت میں صدر اسے انتخابی ادارے کے سامنے پیش کرنے کا مجاز ہوتا اور اگر انتخابی ادارہ بھی ترمیم کی حمایت کر دیتا تو صدر کے ویٹو کے باوجود ترمیم منظور ہو جاتی۔

۱۲۔ اسمبلی کی زبان

قومی اسمبلی میں انگریزی کے علاوہ اردو اور بنگلہ زبانوں میں تقریر کی جاسکتی تھی۔ کسی چوتھی زبان کے استعمال کے لئے سپیکر سے اجازت لینے کی ضرورت تھی۔

۱۳۔ آئینی ادارے اور عہدے:

دستور کے تحت چند آئینی ادارے اور عہدے تخلیق کیے گئے۔

(i) مرکزی پبلک سروس کمیشن اور صوبائی پبلک سروس کمیشن

(ii) اعلیٰ عدالتی کونسل

(iii) اسلامی مشاورتی کونسل

(iv) اٹارنی جنرل

(v) الیکشن کمیٹی

(vi) آڈیٹر جنرل

۱۴۔ وفاقی دستور:

۱۹۵۶ء کے دستور کی طرح ۱۹۶۲ء کا دستور بھی وفاقی تھا اور دو ہی صوبوں پر مشتمل تھا۔ دستور کے تحت دونوں صوبوں کی مساوی حیثیت تسلیم کی گئی۔

۱۵۔ صدر کے لامحدود اختیارات

۱۹۶۲ء کے آئین میں صدر کو بہت زیادہ اختیارات دیئے گئے تھے۔ دیکھا جائے تو یہ اختیارات عدم توازن کا مظہر تھے۔ صدر کے احکامات کو نہ تو عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا تھا اور نہ ہی اسمبلی انہیں تبدیل کر سکتی تھی۔ ہنگامی حالات میں صدر کے اختیارات میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا۔ اگرچہ صدر کا مواخذہ قومی اسمبلی کے ذریعے کیا جاسکتا تھا لیکن اس مواخذے کا عمل اتنا مشکل اور پیچیدہ تھا کہ کسی صدر کا مواخذہ کرنا ناممکن سا لگتا تھا۔ اس میں یہ ''دھمکی'' بھی موجود تھی کہ اگر اسمبلی کے پچاس فیصد ممبر ووٹ نہ ڈالیں یا تین چوتھائی اکثریت سے مواخذے کی تحریک منظور نہ ہو تو نوٹس دینے والے ممبران کی رکنیت ختم ہو جائے گی۔

لامحدود اختیارات اپنی ذات میں مرتکز کرنے کے نتیجے میں اسمبلی اور کابینہ بے بس ہو گئیں اور کاروبارِ مملکت چلنا مشکل ہو گیا۔ نتیجہ بعد میں آئینی ترامیم کے ذریعے مقننہ اور وزراء کو کچھ اختیارات دے دیئے گئے۔

دسمبر ۱۹۷۱ء میں سقوط ڈھا کہ اور عوامی نفرت کے نتیجہ میں جنرل محمد یحییٰ خان، ذوالفقار علی بھٹو کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ اس وقت پاکستان میں افسردگی اور مایوسی کی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ ملک کے دو ٹکڑے ہونے کے نتیجے میں شکست خوردگی کا احساس قوم کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔ ایک لاکھ کے لگ بھگ فوجی بھارت کی قید میں تھے اور پانچ ہزار مربع میل سے زیادہ علاقہ دشمن کے قبضہ میں تھا۔ انہی حالات میں بھٹو کو حکومت سنبھالنا پڑی انہوں نے صدر پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالا اور ۲۰۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کو طالب علموں، کسانوں، مزدوروں، جوانوں، فوجی، سپاہیوں اور محبِّ وطن پاکستانیوں سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ

''میں آج ایک پاکستانی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے مخاطب ہوں اور قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ میں پاکستان میں جمہوریت بحال کروں گا میں چاہتا ہوں کہ عوام آزادی کے ساتھ جی سکیں۔ میں ایسی جمہوریت نافذ کرنا چاہتا ہوں جس میں ایک شہری مجھے پکڑ سکے اگر اسے میری پالیسی پسند نہ ہو تو بلا خطر کہہ سکے تم جہنم میں جاؤ میں تمہیں پسند نہیں کرتا۔ بہادر فوجیو، بھارت کے سامنے دو ہی راستے ہیں یا وہ حق و انصاف کی بات مان لے یا ہمیشہ کے لیے ہماری دشمنی کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ ہم پاکستان کے لئے لڑیں گے۔ دنیا کے بڑے بڑے جرنیلوں نے تسلیم کیا ہے کہ پاکستان جیسا بہادر فوجی دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ ہماری افواج بڑی بہادری سے لڑی ہیں۔ انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی وہ تو ناقص نظام کا شکار ہوئی تھیں۔ میں اہل وطن سے وعدہ کرتا ہوں کہ فوری طور پر عوامی نمائندوں کے ذریعے نیا آئین مرتب کیا جائے گا''۔ (۱)

ہمارا اسلام پر یقین ہے اسلام ہمارا عقیدہ ہے۔ انشاءاللہ ہم کامیاب و کامران ہوں گے۔ ہم فتح حاصل کر کے رہیں گے۔

آئینی کمیٹی

۱۷۔ اپریل ۱۹۷۲ء کو میاں محمود علی قصوری کی سربراہی میں ایک ۲۵ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی جسے ہدایت کی گئی کہ یکم اگست ۱۹۷۳ء تک آئین کا مسودہ قومی اسمبلی میں پیش کرے۔ اس کمیٹی کے ممبران میں درج ذیل افراد شامل تھے۔

(۱) محمود علی قصوری (۲) ممتاز علی بھٹو (۳) عبدالحفیظ پیرزادہ (۴) غلام مصطفیٰ جتوئی (۵)۔ غلام مصطفیٰ کھر (۶) عبدالقیوم خان (۷) ڈاکٹر مبشر حسن (۸) ڈاکٹر غلام حسین (۹) مولانا مفتی محمود (۱۰) میاں ممتاز دولتانہ (۱۱) غوث بخش بزنجو (۱۲) ملک معراج خالد (۱۳) مولانا کوثر نیازی (۱۴) خورشید حسن میر (۱۵) پروفیسر غفور احمد (۱۶) مولانا شاہ احمد نورانی (۱۷) سردار شوکت حیات (۱۸) سید قائم علی شاہ جیلانی (۱۹) ڈاکٹر مسز اشرف خاتون (۲۰) بیگم نسیم جہاں (۲۱) ملک محمد اختر (۲۲) شیخ محمد رشید (۲۳) امیر زادہ خان (۲۴) محمد حنیف خان (۲۵) نعمت اللہ خان شنواری۔

آئینی سمجھوتہ:

اکتوبر ۱۹۷۲ء میں مختلف لیڈروں کے درمیان ایک آئینی سمجھوتہ طے پایا جس پر ذوالفقار علی بھٹو، عبدالولی خان، سردار شوکت

شیر باز مزاری نے دستخط کئے۔ اس سمجھوتے میں مجوزہ آئین کے لئے مندرجہ ذیل رہنما اصولوں کا تعین کیا گیا ہے:۔

☆ ریاست کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا۔

☆ ملک کا نظام وفاقی پارلیمانی طرز کا ہوگا۔

☆ ریاست کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا

☆ ملک کا صدر مسلمان ہوگا۔

☆ اختیارات وزیر اعظم کے پاس ہوں گے۔

☆ قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔

☆ عدلیہ انتظامیہ کے اثر سے آزاد ہوگی۔

☆ شہریوں کو بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔

☆ اسلامی تعلیمات کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔

☆ چاروں صوبوں سے سینٹ کے چودہ چودہ اور وفاقی علاقے اور اسلام آباد سے دو دو ارکان لیے جائیں گے۔

☆ قومی اسمبلی کے اراکین کی تعداد ۲۱۰ ہوں گی جن میں دس نشستیں خواتین کے لئے ہوں گی۔

☆ آئین میں ترمیم کے لئے قومی اسمبلی کے دو تہائی اراکین کی اکثریت ضروری ہوگی۔

دستور ۱۹۷۳ء کی اہم خصوصیات

یہ دستور کل ۲۸۹ دفعات اور ۴ جدولوں پر مشتمل ہے۔ بارہ دستوری ترامیم بھی بنیادی دستور کا حصہ بن گئی ہیں۔

۱۔ قرارداد مقاصد:

۱۹۷۳ء کے دستور میں قرارداد مقاصد کو افتتاحیہ کا درجہ دیا گیا۔ بعدازاں پہلی آئینی ترمیم کے ذریعے قرارداد مقاصد کو دستور کا باقاعدہ حصہ بنا دیا گیا اور اسلامی دستور کے حوالے سے یہ بڑا اہم قدم سمجھا گیا ہے۔ قرارداد مقاصد ایک تاریخی دستاویز ہے جس کی رو سے عوام کے نمائندوں نے پاکستان میں خدا تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کیا تھا۔

۲۔ اسلامی دستور:

۱۹۷۳ء کا آئین اسلامی خطوط پر منظم کیا گیا ہے۔ دستور میں اسلامی دفعات درج ذیل ہیں۔

(i) اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔

(ii) ملک کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" قرار دیا گیا۔

(iii) صدر اور وزیر اعظم دونوں کیلئے مسلمان ہونا لازمی ہے۔

۱۔ ملک فاروق، پاکستان، نظریہ، حکومت اور سیاست۔ خرم بکس، ۲۰۰۴۔ اُردو بازار لاہور۔ س ن۔ ص ۴۰۱

(v) غلطیوں سے پاک قرآن پاک کی طباعت کی ذمہ داری حکومت کو سونپی گئی ہے۔

(vi) اسلامی ماحول کی ذمہ داری حکومت پر عائد کی گئی تا کہ شہری انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کے مطابق گزار سکیں۔

(vii) اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی ہے تا کہ اسلامی قوانین کی تشکیل میں ماہرین کی رائے حاصل کی جا سکے۔

(viii) زکوٰۃ اور مساجد کا نظام بہتر خطوط پر چلانے کے لیئے حکومت کو ذمہ دار قرار دیا گیا۔

(ix) رواداری، انصاف، آزادی اور جمہوری نظام کو تسلیم کیا گیا۔

(x) جوا، شراب اور سود وغیرہ کی ممانعت کر دی گئی۔

۳۔ پارلیمانی دستور:

۱۹۷۳ء کا دستور ایک پارلیمانی آئین کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے۔ اس میں سابقہ پارلیمانی دساتیر کی خامیوں سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب وزیراعظم کے خلاف عدم اعتماد کو زیادہ مشکل بنا دیا گیا ہے۔ تا کہ آئے دن وزارتیں ہی نہ بدلتی رہیں۔

۴۔ دوایوانی مقننہ:

آئین میں دوایوانی مقننہ کا تصور دیا گیا ہے۔ ایوان بالا سینٹ ہے جو ۸۷ ارکان پر مشتمل ہے۔ ہر صوبے کی ۱۹ مساوی سیٹیں ہیں۔ قبائلی اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کو بھی سینٹ میں نمائندگی حاصل ہے۔ ایوان زیریں قومی اسمبلی ہے۔ جس کے کل ارکان ۲۱۷ ہیں ہر صوبے کو آبادی کے تناسب سے نمائندگی ملی ہے۔ مرکز کے زیر انتظام قبائلی علاقوں سے بھی عوام قومی اسمبلی کے لئے اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں۔

۵۔ عدلیہ:

دستور کے مطابق عدلیہ کو آزاد اور با اختیار درجہ دیا گیا ہے تا کہ عوام کو انصاف مل سکے اور اُن کے حقوق محفوظ رہیں۔ عدلیہ باوقار، آزاد اور غیر جانبدار رہے۔

۶۔ بنیادی حقوق:

دستور پاکستان کے تمام شہریوں کو مساوی بنیادوں پر معاشی، معاشرتی، مذہبی، ثقافتی، سیاسی اور دیگر حقوق عطا کرتا ہے اور ان کے تحفظ کی ذمہ داری عدلیہ پر عائد کرتا ہے۔ ہنگامی حالات میں شہریوں کے حقوق معطل کر دیئے جاتے ہیں لیکن اس کیلئے قومی اسمبلی کی اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

۷۔ ریفرنڈم:

دستور کی بحالی کے حکم R.C.O کے تحت صدر خود یا وزیراعظم کے مشورے سے کسی اہم قومی مسئلہ پر ریفرنڈم منعقد کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

۸۔ تقسیم اختیارات

دستور ۱۹۷۳ء میں تقسیم اختیارات کا مسئلہ بھی متوازن انداز میں حل کیا گیا ہے۔ صوبوں کو مناسب انداز میں صوبائی خودمختاری

۹۔ تحریک عدم اعتماد:

قومی اسمبلی کے ۲۰ فیصد اراکین مل کر وزیراعظم کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کر سکتے ہیں اور اگر کل ارکان کی اکثریت اس کی حمایت کردے تو وزیراعظم کو عہدے سے سبکدوش کیا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ آئین کی حفاظت:

۱۹۷۳ء کے آئین کو غیر آئینی طریقہ سے کالعدم قرار دینے والا سنگین جرم کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔ آئین کی دفعہ ۶ کے تحت اس پر غداری کا مقدمہ چلایا جاتا ہے جس کی سزا موت ہے۔

۱۱۔ وفاقی دستور:

''پاکستان کا دستور وفاقی طرز پر بنایا گیا ہے۔ وفاق کا بنیادی اصول صوبوں اور مرکز میں تقسیم اختیار ہوتا ہے۔ پاکستان چونکہ کئی صوبوں پر مشتمل ہے اس لیے یہ ناگزیر تھا کہ اس کا دستور وفاقی اصولوں کا حامل ہوتا کہ صوبوں اور مرکز میں تصادم کا خطرہ نہ رہے۔ موجودہ دستور کے شیڈول چہارم میں دو فہرستیں مہیا کی گئی ہیں۔ ایک وفاقی قانون سازی کی فہرست اور دوسری جاریہ امور کی قانون سازی کی فہرست۔ قومی اسمبلی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ وفاقی فہرست سے متعلقہ کسی بھی امر پر قانون سازی کر سکتی ہے۔ جاری امور کی قانون سازی کی فہرست پر مرکزی اور صوبائی دونوں اسمبلیاں قانون سازی کرسکتی ہیں۔ لیکن ایسے امور کے متعلق جن کا ذکر دونوں فہرستوں میں نہیں صرف صوبائی اسمبلی قانون بنا سکتی ہے''۔ (۱)

۱۲۔ بلاواسطہ انتخابات:

گزشتہ آئین کے برعکس موجودہ آئین میں بلاواسطہ انتخابات کا طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات بلاواسطہ ہوں گے۔ جن میں ۱۹۷۷ء کے بعد پاکستان کے تمام شہری جن کی عمر ۱۸ سال سے کم نہ ہوں ووٹ دینے کے مجاز ہوں گے۔

۱۳۔ قومی زبان:

''پاکستان میں قومی زبان کا مسئلہ ہمیشہ بڑا نازک رہا ہے اور اس کے سبب صوبائی تعصّبات کی بڑی حوصلہ افزائی ہوتی رہی ہے۔ پاکستان کے اکثر حلقوں کا یہ خیال تھا کہ عوام میں اجتماعی سوچ، قومی ذہن اور یک جہتی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے قومی زبان کا ایک ہونا ضروری ہے۔ وہ اس ضمن میں قائداعظم کی ڈھاکہ والی تقریر کا بھی حوالہ دیتے تھے جس میں بابائے قوم نے کہا تھا کہ پاکستان کی قومی زبان بہرحال ایک ہوگی اور وہ اردو ہے۔ البتہ اگر صوبائی حکومتیں اپنی سہولت کے لیے چاہیں تو کسی اور زبان کو بھی اختیار کرسکتی ہیں۔ موجودہ دستور کے آرٹیکل ۲۵۱ کے مطابق اُردو کو پاکستان کی قومی زبان قرار دیا گیا اور سے آئندہ پندرہ برسوں میں سرکاری زبان بنانے کے لیے تمام انتظامات کئے جائیں گے''۔ (۲)

۱۔ محمد مظفر، مرزا، تحریک پاکستان اور آئین پاکستان، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ادبی مارکیٹ چوک انارکلی، لاہور۔ ص ۲۳۴

۲۔ محمد مظفر، مرزا، تحریک پاکستان اور آئین پاکستان، ایضاً، ص ۲۳۵

۹۔ تحریک عدم اعتماد:

قومی اسمبلی کے ۲۰ فیصد اراکین مل کر وزیراعظم کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کر سکتے ہیں اور اگر کل ارکان کی اکثریت اس کی حمایت کر دے تو وزیراعظم کو عہدے سے سبکدوش کیا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ آئین کی حفاظت:

۱۹۷۳ء کے آئین کو غیر آئینی طریقہ سے کالعدم قرار دینے والا سنگین جرم کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔ آئین کی دفعہ ۶ کے تحت اس پر غداری کا مقدمہ چلایا جاتا ہے جس کی سزا موت ہے۔

۱۱۔ وفاقی دستور:

''پاکستان کا دستور وفاقی طرز پر بنایا گیا ہے۔ وفاق کا بنیادی اصول صوبوں اور مرکز میں تقسیم اختیار ہوتا ہے۔ پاکستان چونکہ کئی صوبوں پر مشتمل ہے اس لیے یہ ناگزیر تھا کہ اس کا دستور وفاقی اصولوں کا حامل ہوتا کہ صوبوں اور مرکز میں تصادم کا خطرہ نہ رہے۔ موجودہ دستور کے شیڈول چہارم میں دو فہرستیں مہیا کی گئی ہیں۔ ایک وفاقی قانون سازی کی فہرست اور دوسری جاریہ امور کی قانون سازی کی فہرست۔ قومی اسمبلی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ وفاقی فہرست سے متعلقہ کسی بھی امر پر قانون سازی کر سکتی ہے۔ جاری امور کی قانون سازی کی فہرست پر مرکزی اور صوبائی دونوں اسمبلیاں قانون سازی کر سکتی ہیں۔ لیکن ایسے امور کے متعلق جن کا ذکر دونوں فہرستوں میں نہیں صرف صوبائی اسمبلی قانون بنا سکتی ہے''۔ (۱)

۱۲۔ بلاواسطہ انتخابات:

گزشتہ آئین کے برعکس موجودہ آئین میں بلاواسطہ انتخابات کا طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات بلاواسطہ ہوں گے۔ جن میں ۱۹۷۷ء کے بعد پاکستان کے تمام شہری جن کی عمر ۱۸ سال سے کم نہ ہوں ووٹ دینے کے مجاز ہوں گے۔

۱۳۔ قومی زبان:

''پاکستان میں قومی زبان کا مسئلہ ہمیشہ بڑا نازک رہا ہے اور اس کے سبب صوبائی تعصّبات کی بڑی حوصلہ افزائی ہوتی رہی ہے۔ پاکستان کے اکثر حلقوں کا یہ خیال تھا کہ عوام میں اجتماعی سوچ، قومی ذہن اور یک جہتی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے قومی زبان کا ایک ہونا ضروری ہے۔ وہ اس ضمن میں قائداعظم کی ڈھاکہ والی تقریر کا بھی حوالہ دیتے تھے جس میں بابائے قوم نے کہا تھا کہ پاکستان کی قومی زبان بہرحال ایک ہوگی اور وہ اردو ہے۔ البتہ اگر صوبائی حکومتیں اپنی سہولت کے لیے چاہیں تو کسی اور زبان کو بھی اختیار کر سکتی ہیں۔ موجودہ دستور کے آرٹیکل ۲۵۱ کے مطابق اُردو کو پاکستان کی قومی زبان قرار دیا گیا اور سے آئندہ پندرہ برسوں میں سرکاری زبان بنانے کے لیے ضروری انتظامات کئے جائیں گے''۔ (۲)

۱۔ محمد مظفر، مرزا، تحریک پاکستان اور آئین پاکستان، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ادبی مارکیٹ چوک انارکلی، لاہور۔ ص ۲۳۴

۲۔ محمد مظفر، مرزا، تحریک پاکستان اور آئین پاکستان، ایضاً، ص ۲۳۵

متحدہ ہندوستان کے آخری انتخابات اور صوبہ سرحد و سلہٹ کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کو جو تاریخی فتح حاصل ہوئی اس کا سبب یہ نعرہ تھا۔

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

چونکہ پاکستان کی بنیاد ہی لا الہ الا اللہ کے اصول پر رکھی جا رہی تھی اس لیے اس نعرہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے لاہور میں مجلس علماء کے نام سے علماء کی ایک جماعت قائم کر دی گئی جس کا پہلا کام یہ تھا کہ قیام پاکستان کے بعد پہلی قومی حکومت سے تعاون کرکے ایک ایسی مجلس قائم کرائے جو جدید آئین کی بنیادی شکل کے لیے قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں مجلس دستور ساز کے لیے ایک لائحہ عمل مرتب کر دے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی اور اُن کے رفقاء نے مذکورہ بالا نعرہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں۔

فروری ۱۹۴۸ء میں ایک ریڈیائی نشریے میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح بڑے واضح الفاظ میں پاکستان کے آئین کیلئے نظریاتی اساس فراہم کر دی تھی۔ اس نشریے میں انھوں نے فرمایا کہ:

''پاکستان کا آئین ابھی تشکیل دیا جانا ہے۔ یہ آئین پاکستان کی آئین ساز اسمبلی تشکیل دے گی۔ میں اس سطح پر کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اس آئین کیا صورت ہوگی لیکن یہ تو میں یقین اور وثوق کے ساتھ بتا سکتا ہوں کہ وہ جمہوری آئین ہوگا۔ اس کے بنیادی اصول وضوابط عین اسلام کے مطابق ہونگے۔ اسلامی تعلیمات جو آج سے ۱۳۰۰ سال پہلے قابل عمل تھیں آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں۔ اسلام اور اس کے تصورات اور اصول پرستی عین جمہوری ہے۔ اس نے ہمیں انسانی برابری کا سبق دیا ہے انصاف اور ہر ایک کی حق رسی بھی اس کا ایک دائمی اصول ہے۔ ہم انہی عظیم الشان روایات اور تعلیمات کے وارث ہیں اور ہمیں اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کے لیے مستقبل کا آئین بنانے کی ذمہ داریوں اور فریضہ کا پوری طرح احساس ہے''۔ (۱)

قائداعظم سے ملاقات:

مارچ ۱۹۴۸ء میں جب قائداعظم بحیثیت گورنر جنرل مشرقی پاکستان کے دورہ پر تشریف لے گئے تو مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے ان تمام جلسوں میں شرکت کی جن میں قائداعظم نے خطاب کیا چونکہ مولانا عثمانی کو عام جلسوں میں قائداعظم کے پاس ہی جگہ دی گئی، اس لئے انہیں تین مرتبہ ایسے موقعوں پر سرسری گفتگو کرنے کا موقع مل گیا مگر مفصل گفتگو دو دفعہ کی خصوصی ملاقاتوں میں ہوئی۔

''ایک دن مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب دستور سازی کے مسلہ پر قائداعظم سے گفتگو کرنے کے لئے ذاتی طور پر ان کی ڈھاکہ کی قیام گاہ پر پہنچے۔ گورنر جنرل پاکستان نے حسب سابق کھڑے ہو کر ان سے سلام و مصافحہ کیا اور مزاج پرسی کے بعد دریافت کیا کہ فرمایئے! آپ کیا فرمانا چاہتے ہیں۔ اس وقت صرف قائداعظم، مولانا عثمانی اور

ا۔ چراغ، محمد علی، پاکستان، تاریخ، جمہوریت، سیاست، آئین، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۳ء۔ ص ۹۹

برآمدہ میں ٹہل رہے تھے۔ قائداعظم کا کوئی مترجم موجود نہ تھا۔ کیونکہ قائداعظم اب اچھی طرح اردو بول سکتے تھے''۔ (۱)

مولانا ظفر احمد عثمانی اپنی روئیدادِ ملاقات کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

''میں نے کہا کہ مجھے سب سے پہلے یہ عرض کرنا ہے کہ پاکستان اس لئے نہیں لیا تھا کہ ہندوستان کے لاکھوں مسلمان قتل اور لاکھوں مسلمان بے گھر ہو جائیں۔ ہم نے اس خطرہ کو دہلی میں پہلے ہی آپ پر ظاہر کیا تھا، مگر آپ نے ہم کو یقین دلایا تھا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ جو خطرہ ہم نے ظاہر کیا تھا، وہ پیش آ کر رہا ہے۔ پھر یہ سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ آپ نے اس کا کیا انتظام فرمایا اگر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ ہو گیا ہوتا، تو ہماری اشک شوئی ہو جاتی اور ہم سمجھتے کہ قربانیوں کی تلافی نظام اسلام جاری ہونے سے ہوگئی، جو بہت بڑی نعمت ہے۔ افسوس وہ بھی اب تک نہ ہوا تو ہم قوم کو کیا منہ دکھلائیں کہ جس مقصد کے لئے پاکستان بنا تھا وہ بھی حاصل نہ ہوا اور نقصان بھی حد سے زیادہ ہو گیا''۔ (۲)

''قائداعظم نے فرمایا! جو کچھ آپ نے کہنا ہے وہ فرما چکے ہیں یا کچھ اور بھی کہنا ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے اتنا ہی عرض کرنا تھا۔ قائداعظم نے میرے دونوں سوالوں کا جواب آدھ گھنٹہ میں دیا۔ پہلے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مولانا جو خطرہ آپ کو تھا اس کا احساس مجھے بھی تھا مگر میرا یہ خیال تھا کہ پاکستان بننے پر ہندو کچھ ایسی ہی شورش کریں گے جیسی قربانی یا محرم کے موقع پر کبھی کبھی کیا کرتے ہیں سو میری قوم نے ایسے موقع پر ہندو سے شکست نہیں کھائی ہمیشہ غالب ہی رہی ہے ایسا اس دفعہ بھی ہوگا۔ اس کا مجھے وہم بھی نہ تھا کہ ہندو قوم کو باؤلا کتا کاٹ جائے گا اور یہ انسانیت سے نکل کر بربریت پر اتر آئے گی۔ عوام فسادیوں کے ساتھ فوج، پولیس اور سول حکام بھی مسلمانوں کو کچلنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور یہ نالائق لارڈ ماؤنٹ بیٹن انگریز ہو کر برطانیہ کی روایات کو ایسا پس پشت ڈال دے گا پھر خونیں ڈرامہ کا تماشا دیکھتا رہے گا اور ذرا بھی اس کے دل میں انصاف کا جذبہ پیدا نہ ہوگا۔ اس وقت میرے پاس دو صورتوں کے سوا کوئی صورت نہ تھی۔ ایک یہ کہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے بھارت پر حملہ کر دیتا مگر بدقسمتی سے ہمارے حصہ کی فوج ابھی تک پاکستان نہ پہنچی تھی وہ ہندوستان سے باہر دور دراز مقامات پر تھی اور ہمارے حصہ کا اسلحہ بھی ہندوستان کے قبضہ میں تھا''۔ (۳)

''قائداعظم نے مزید فرمایا کہ ہندو کی سکیم یہ تھی کہ پاکستان نوزائیدہ مملکت ہے۔ اس کی طرف مسلمانوں کو کثیر تعداد میں دھکیل دیا جائے تا کہ وہ اس کی آبادکاری پر اس قدر الجھ جائے کہ اپنے پاؤں پر کھڑی نہ سکے مگر اللہ کا فضل و کرم ہے کہ پاکستان ان مصائب سے گزرتا ہوا مضبوط و مستحکم ہی بنتا چلا گیا۔ اب وہ سمجھ گئے ہیں کہ پاکستان مضبوط

۱،۲۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی، ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور۔ جولائی ۱۹۹۲ء، ۱۴۲

۳۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ایضاً۔ ص ۱۴۳

طرف سے اطمینان ہو جائے اور اسمبلی کو بھی اطمینان نصیب ہو جائے تو انشاء اللہ بہت جلد دستور پاکستان اسلامی اصولوں کے مطابق مرتب ہو جائے گا''۔ (۱)

قائداعظم سے دوسری ملاقات:

قائداعظم جب مشرقی پاکستان کا دورہ کرنے کے لئے ڈھاکہ تشریف لائے تو جمعیت علماء اسلام کے وفد نے قائداعظم سے ملاقات کی جس کے مولانا ظفر احمد عثمانی امیر الوفد تھے۔ مولانا نے وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے قائداعظم سے فرمایا۔ آپ نے حصول پاکستان سے پہلے وعدہ فرمایا تھا کہ دستور پاکستان کتاب وسنت کے مطابق ہوگا۔ یہ وعدہ جلد پورا کیا جائے کیونکہ ہم نے قوم سے یہی وعدہ کیا تھا اور اب لوگ ہم سے اسلامی نظام میں حیات کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ اسلامی نظامِ حیات کہاں ہے؟ قائداعظم نے اس وقت بھی سب کو اطمینان دلایا کہ

''یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ آپ کی حکومت اسلامی حکومت ہے۔ اس کا دستور اسلام کے دستور پر ہوگا اور یہ انشاء اللہ جلد مکمل ہو کر آپ کے سامنے آجائے گا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اسمبلی کے اندر موجود ہیں ان کی رہنمائی میں کام ہو رہا ہے۔ چند ناگہانی مصائب کی وجہ سے دیر ہوگئی اب زیادہ دیر نہ ہوگی''۔(۲)

دستور پاکستان کا خاکہ:

کراچی میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے یہ فیصلہ کیا کہ پاکستان کا دستور کتاب وسنت کے اصول پر بنانے کے لئے ایک خاکہ مرتب کیا جائے جو ممبران اسمبلی کے سامنے رکھا جا سکے اور اس کی روشنی میں دستور بنوانے کی کوشش کی جا سکے۔ چار علماء اس کام کے لئے تجویز ہوئے۔

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی (۲) مولانا مفتی محمد شفیع

(۳) مولانا سید مناظر احسن گیلانی (۴) مولانا ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی

مگر اتفاق سے کوئی بھی اس وقت پاکستان میں موجود نہ تھا سب کے سب ہندوستان میں مقیم تھے، حالانکہ ان میں مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی زندگی سخت خطرہ میں تھی کیونکہ ہندو انہیں سخت دشمن تصور کرتے تھے، کہ انہوں نے علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ مل کر تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ ان حضرات کو پاکستان میں لانے کے لئے جمعیت علماء اسلام نے ایک آدمی ہندوستان میں بھیجا۔ جس نے انہیں تدوین دستور کے لئے کراچی آنے کی دعوت دی۔ مولانا سید سلیمان ندوی تو کسی عذر کے سبب اس وقت نہ آسکے باقی تینوں حضرات کام کی اہمیت کے پیش نظر فوراً پاکستان آگئے اور وسط ۱۹۴۸ء میں یہ حضرات دستوری خاکہ مرتب کرنے میں مشغول ہو گئے اور تقریباً تین ماہ میں ایک مختصر سا خاکہ علامہ شبیر احمد عثمانی کی زیر ہدایت مرتب کر لیا۔ باقی حضرات تو واپس چلے گئے مگر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو دو وجوہات کی بنا پر کراچی روک لیا گیا۔ ایک تو اس لئے کہ ان کا بھارت واپس جانا خطرہ سے خالی نہ تھا دوسرا اس لئے کہ اس کام

ا۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ایضاً۔ ص ۱۴۴

۲۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ایضاً۔ ص ۱۴۴، ۱۴۵

دستوری مطالبہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی نے وسط ۱۹۴۸ء میں اپنی تقاریر میں فرمایا:۔

"پاکستان کا حکومتی نظام اسلامی اصولوں پر قائم کرنے کے لئے جو دستوری طریقہ ہوسکتا ہے اسے ایک مطالبہ کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس مملکت کو مسلمان مملکت بنانے کے لئے پہلا قدم کیا ہونا چاہیے اور اس کے مطابق کیا جدوجہد کی جانی چاہیے۔

مذکورہ بالا دستوری مطالبہ درج ذیل ہے۔

چونکہ پاکستان کے باشندوں کی عظیم اکثریت اسلام کے اصولوں پر یقین رکھتی ہے اور چونکہ پاکستان کی آزادی کے لئے مسلمانوں کی ساری جدوجہد اور قربانیاں صرف اسی خاطر تھیں کہ وہ اُن اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں جن پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

لہذا

اب قیام پاکستان کے بعد ہر پاکستانی مسلمان دستور ساز اسمبلی سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس بات کا اعلان کرے کہ:

۱۔ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ حکومتِ پاکستان کی کوئی حیثیت اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء کے مطابق اختیارات استعمال کرے۔

۲۔ پاکستان کا بنیادی قانون اسلامی شریعت ہے۔

۳۔ وہ تمام قوانین جو اسلامی شریعت کے خلاف اب تک جاری رہے ہیں، منسوخ کئے جائیں گے اور آئندہ کوئی ایسا قانون نافذ نہ کیا جائے گا جو شریعت کے خلاف ہو۔

۴۔ حکومت پاکستان اپنے اختیارات ان حدود کے اندر استعمال کرے گی جو شریعت نے مقرر کر دی ہیں۔" (۱)

قائداعظم کی رحلت:

عوام علماء اور ارکان دستور ساز اسمبلی کے درمیان اسلامی آئین کے ضامن صرف قائداعظم ہی تھے، انہوں نے اگرچہ اپنی ایک ملاقات میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع سے فرمایا تھا کہ

''میں پاکستان کے مقدمہ میں مسلمانوں کا وکیل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مقدمہ میں کامیاب کیا، پاکستان مل گیا اب میرا کام ختم ہوا۔ اب مسلمانوں کی اکثریت و جمہوریت کو اختیار حاصل ہے کہ جس طرح چاہیں نظام قائم کریں اور چونکہ پاکستان میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے تو اس کے سوا کوئی دوسری صورت ہو

۱۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، مولانا۔ تحریک آزادی ہند اور مسلمان۔ حصہ دوم۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، اکتوبر ۱۹۸۹ء، ص ۳۸۹، ۳۹۰

علماء کرام اور عوام کی امیدیں زیادہ تر قائداعظم کی ذات سے وابستہ تھیں، نہ کہ ارکان دستور ساز اسمبلی سے۔ قائداعظم کی وفات کے آثار دیکھ کر قائداعظم کے معالج ڈاکٹروں نے گھبرا کر قائداعظم سے کہا کہ اب پاکستان کو ساحل مراد پر کون پہنچائے گا تو انہوں نے آہستہ سے یہ فرماتے ہوئے کمبل سے منہ ڈھانپ لیا کہ

''اے خدا! تو نے مسلمانوں کو آزادی عطا کی ہے۔ اب تو ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ میری قوم ابھی ابتدائی مراحل طے کر رہی ہے کمزور ہے، تو ہی مدد کرنے والا ہے اور تو ہی اس کا حامی وناصر ہے''۔ (آخری لمحات) (۲)

اور اس طرح وہ پاکستان کو خدا کے حوالے کرتے ہوئے ۱۱۔ستمبر ۱۹۴۸ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کے انتقال سے علامہ شبیر احمد عثمانی کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور دستور اسلامی کا مستقبل تاریک محسوس ہونے لگا۔

استعفےٰ پر آمادگی

علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کار:۔

''ہندو اور انگریزوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اسلام کو سربلند دیکھنے کی آرزو میں عزیز واقارب کو چھوڑا، گھر کا آرام چھوڑا، مال ومتاع، اراضی، باغات کو خیر باد کہا۔ کفن سر سے باندھ کر پاکستان کی حمایت میں صدائے حق بلند کی۔ اپنوں کی مخالفت، غیروں کی دشمنی مول لی۔ قتل کی دھمکیاں سہیں''۔ (۳)

وہ یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ جس مقصد کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا، اس مقصد کو ذاتی اغراض واقتدار کی نذر کر دیا جائے۔ اس لئے علامہ شبیر احمد عثمانی نے جو اس عزمِ صمیم کے ساتھ دستور ساز اسمبلی میں داخل ہوئے کہ وہ وہاں اپنی استطاعت کی حد تک اسلامی دستور کے لئے پوری قوت کے ساتھ آواز بلند کریں گے، خواہ کوئی ان کی پارٹی کا ساتھ دے یا نہ دے۔ خواہ نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ارباب اقتدار کے خفیہ منصوبوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے مجلس دستور ساز سے استعفےٰ دینے پر تیار ہو گئے اور استعفےٰ لکھ کر اپنے رفقاء کے حوالے کر دیا مگر بعض مخلصین نے علامہ شبیر احمد عثمانی کو استعفےٰ دینے سے روک دیا کہ آپ مجلس دستور ساز کے اندر رہ کر صدائے احتجاج بلند کریں اور اربابِ اقتدار کے عزائم کو بے نقاب کریں۔ آپ کے مستعفی ہو جانے سے تو انہیں کھلی چھٹی مل جائے گی اور یہی وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح راستہ کے یہ کانٹے ہٹا دیئے جائیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کا عزم صمیم

ارباب اقتدار کے خودغرضانہ طرزِ عمل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے ۹۔اور ۱۰۔فروری ۱۹۴۹ء کو ڈھاکہ میں جمعیت علماء اسلام کی ایک کانفرنس زیر صدارت علامہ شبیر احمد عثمانی منعقد ہوئی اور علامہ موصوف نے اپنے خطبہ صدارت میں ارباب اقتدار کے طرز عمل سے یوں پردہ اٹھایا۔

''حصول پاکستان کے بعد علماء ومشائخ کی ان مساعی عظیمہ کو اربابِ اقتدار نے قطعاً فراموش کر دیا ہے۔ مذہبی

۱،۲۔عبدالرحمٰن خان منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ایضاً۔ص ۱۵۰

۳۔ندوی، علی، ابوالحسن، حیات شیخ الاسلام (شبیر احمد عثمانی) مکتبہ دینیہ، دیوبند انڈیا، س ن۔ص ۶

اس کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا کہ مذہبی عنصر زیادہ چمکنے یا ابھرنے نہ پائے اور جہاں تک ہو سکے، اس کو کسمپرسی کی حالت ہی میں چھوڑ دیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ وقت پڑنے پر علماء کو احمق بنالیا جاتا ہے۔ جب کام نکل گیا، تو ان سے کوئی تعلق نہیں"۔ (۱)

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ

"میں بالکل صفائی سے بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ صورتِ حال ہمارے لئے کوئی غیر متوقع چیز نہیں۔ ہم یقیناً پہلے سے جانتے تھے کہ ایسا ہوگا اور پاکستان میں اقتدار اُن لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگا کہ ان سے اس کے سوا کوئی توقع کی ہی نہیں جاسکتی تھی۔ ہم ان کی نسبت بحمد اللہ کسی فریب میں مبتلا نہ تھے۔ ہم نے یہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے جداگانہ قومیت اور اصول پاکستان کی مخلصانہ حمایت مذہبی نقطہ نظر سے حق اور صحیح سمجھ کر کی اور آئندہ بھی انشاء اللہ اس کی حفاظت کے معاملہ میں رجال حکومت کی کوئی ناپسندیدہ روش ہماری جدوجہد پر اثر انداز نہیں ہوسکتی، خواہ اربابِ اقتدار ہمارے ساتھ کچھ ہی برتاؤ کریں۔ ہم خالص اللہ کی خوشنودی، اہل اسلام کی برتری اور بہتری کے لئے اپنی اس نئی مملکت کو مضبوط اور محفوظ بنانے میں امکانی کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔ ساتھ ہی ہم اس کوشش سے بھی کبھی دست بردار نہیں ہوسکتے کہ مملکت پاکستان میں اسلام کا وہ دستور آئین اور وہ نظامِ حکومت تشکیل پذیر ہو کہ مسلمان اپنی زندگی قرآن وسنت کے تحت اسلامی تعلیمات کے مطابق گزار سکیں"۔ (۲)

علامہ عثمانی کے واشگاف اعلان سے ایوان اقتدار میں ایک زلزلہ سا آ گیا۔ اس وقت نوابزادہ لیاقت علی خاں وزیر اعظم تھے۔ علامہ عثمانی کو جمہور مسلمین میں جو مرکزیت حاصل تھی، اس سے وہ بخوبی واقف تھے۔ اور الیکشن وریفرنڈم کے زمانہ میں وہ اس کا بچشم خود مشاہدہ کر چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے علمائے کرام اور عوام کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر آئین سازی کی مہم کو تیز تر کر دیا۔ ان کی درخواست پر علامہ عثمانی نے قرارداد مقاصد کا مسودہ تیار کیا۔

قراردادمقاصد

چنانچہ مجلس دستور ساز نے ۱۲۔ مارچ ۱۹۴۹ء کو مندرجہ ذیل قراردادِ مقاصد منظور کر لی:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے۔ اور اس نے جمہور کی مصاحت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے لہٰذا جمہور پاکستان کی نمائندہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد وخود مختار مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

۱۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی، ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور۔ جولائی ۱۹۹۲ء۔ ص ۱۵۴

۲۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ایضاً۔ ص ۱۵۴، ۱۵۵

میں اصول جمہوریت وحریت ومساوات ورواداری اور عدل حکمرانی کو جس طرح اسلام نے اس کی تشریح کی ہے۔ پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

جس کی رُو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی، اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔

جس کی رُو سے اس امر کا واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عقیدہ رکھ سکیں اور ان پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

جس کی رُو سے وہ علاقے جواب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے پاکستان میں شامل ہو جائیں، ایک وفاق بنائیں۔ جس کے صوبوں کو مقرر کردہ حدود اختیارات تک خود مختاری حاصل ہوگی۔

جس کی رُو سے بنیادی حقوق کی ضمانت کی جائے اور ان حقوق میں قانون واخلاق کے ماتحت مساوات ومواقع قانون کی نظر میں برابری، عمرانی اقتصادی وسیاسی، دلی اظہار خیال، عقیدہ دین، عبادت اور اجتماع کے حق کی آزادی شامل ہوگی۔

جس کی رُو سے اقلیتوں اور پسماندہ وپست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا۔

جس کی رُو سے نظام عدل کی آزادی کامل طور پر محفوظ ہو۔

جس کی رُو سے وفاق کے علاقوں کی سالمیت، اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا، جن میں اس کے بر و بحر اور فضا پر اقتدار کے حقوق شامل ہیں، تحفظ کیا جائیگا۔

تا کہ اہل پاکستان فلاح وخوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی ترقی وبہبود میں کماحقہ اضافہ کر سکیں"۔ (۱)

قرارداد مقاصد کی منظوری علامہ عثمانی کا وہ دوسرا تاریخی کارنامہ تھا جو تاریخ پاکستان میں زریں حروف سے لکھا جائے گا۔ اس کی منظوری کے موقع پر علامہ عثمانی نے ایک تقریر ارشاد فرمائی جس پر انہوں نے نہ صرف پاکستان سے بلکہ تمام عالم اسلام سے خراج تحسین وصول کیا۔ چونکہ قرارداد مقاصد قائد ملت نوابزادہ لیاقت علی خاں کی مخلصانہ مساعی سے ہی منظور ہوئی تھی اس لئے علامہ عثمانی نے ان کی ان تاریخی مساعی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی خدمت میں ہدیہ مبارکباد پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"یاد رکھیئے! دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں کے جس جال میں پھنس چکی ہے اس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھڑ پھڑائے گی اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور سخت ہوتی چلی جائے گی اگر غور کیا جائے تو یہ مبارک باد دراصل میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس پسی اور کچلی ہوئی روحِ انسانیت کی طرف سے ہے جو خالص مادہ

ا۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی۔ ایضاً۔ ص ۱۵۶۔ ۱۵۷

ہے۔اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر دردانگیز ہیں کہ بعض اوقات سنگ دل قاتل بھی انہیں سن کر گھبرا اٹھتے ہیں اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہو کر تھوڑی دیر کے لئے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں مگر علاج و دوا کی جستجو میں اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ مرض کے اصلی سبب ہی کو دوا اور اکسیر سمجھ لیا جاتا ہے۔" (۱)

قرارداد مقاصد پر بحث:

قرارداد مقاصد دستور ساز اسمبلی میں بحث کے لئے پیش کی گئی تو چند حلقوں نے اس پر کڑی تنقید کی ان میں ہندو ارکان کا گروپ، علماء کرام اور ترقی پسند حلقے شامل تھے۔وزیراعظم اور وزراء نے بحث میں بڑی دلچسپی لی اور مخالف ارکان کے اعتراضات کے جواب دلائل سے دیئے۔قرارداد مقاصد میں وزیراعظم کا ساتھ دینے والوں میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، چوہدری ظفر اللہ خان اور سردار عبدالرب نشتر نمایاں تھے۔

ا۔ ہندو ارکان

۷۹۔ارکان پر مبنی دستور ساز اسمبلی میں ۱۶ کا تعلق پاکستان نیشنل کانگرس سے تھا جو سب غیر مسلم تھے۔ہندو ارکان نے دستور کے اسلامی پہلو پر تنقید کی اور مطالبہ کیا کہ پاکستان کو مخصوص مذہب سے وابستہ لوگوں کا ملک بنانے کی بجائے تمام باشندوں کا ملک قرار دیا جائے۔انہوں نے کہا کہ قرارداد مقاصد کی بدولت احساس ہوا ہے کہ انہیں دوسرے درجہ کا شہری بنا دیا جائے گا۔ایک ہندو رکن اسمبلی مسٹر دتہ نے کہا کہ سیاست کو مذہب کے اثر سے آزاد کر کے صحیح روح کی حامل جمہوریت رائج کی جائے۔چٹو پدھایائے نے کہا قرارداد مقاصد میں یہ الفاظ غیر ضروری ہیں جیسا کہ اسلام نے سبق دیا ہے۔

۲۔ علمائے کرام

مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد ابراہیم علی چشتی اور مولانا محمد اکرم نے قرارداد مقاصد میں اقلیتوں کے حقوق کے خصوصی ذکر اور پالیسی ساز اداروں میں ان کی شمولیت کے اختیار کو چیلنج کیا۔علماء نے جمہوریت اور مغربی انداز فکر کو تنقید کا نشانہ بنایا قرارداد پر بحث کے دوران مولانا شبیر احمد عثمانی نے کہا کہ پاکستان میں اسلامی نظام رائج ہوگا تو غیر مسلموں کو اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ وہ پالیسی کی تشکیل میں حصہ لیں سکیں گے۔مولانا کی تقریب سے غیر مسلم ارکان نے خدشہ ظاہر کیا کہ اگر اسلامی دستور بن گیا تو انہیں محرومیوں کا شکار ہونا پڑے گا۔وزیراعظم نے تقریر کے دوران بھی ان خدشات کو رفع کرنے کی کوشش کی اور بعد ازاں جب قرارداد کا مسودہ اسمبلی میں پیش ہوا تو اس میں بھی اعلیٰ ملازمتوں پر غیر مسلموں کے مساوی حق کو تسلیم کیا گیا۔علماء کرام کو قرارداد کا یہ حصہ ناگوار محسوس ہوا اور انہوں نے کڑی تنقید کی۔

۳۔ میاں افتخار الدین

وزیر مہاجرین اور آبادکاری ترقی پسند ذہن رکھتے تھے۔اشتراکی نظریات کے قائل تھے اس لئے انہوں نے اپنے نقطہ نظر سے کہا

ا۔ندوی، علی، ابوالحسن، حیات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مکتبہ دینیہ، دیوبند، انڈیا ص ۵۲

انہوں نے مطالبہ کیا کہ قرارداد میں غریبوں کے تحفظ کا ذکر کیا جائے۔ دولت کی منصفانہ تقسیم کا وعدہ کیا جائے اور غریبوں و امیروں میں دولت کے فرق کو کم کیا جائے تاکہ مستقبل میں طبقاتی کشمکش پیدا نہ ہو۔

ملک غلام محمد اور ہاشم گروز جیسے مغربی طرزِ فکر کے حامل ارکان اسمبلی نے بھی معاشرتی انصاف اور حدت پسندی کی طرف ارکان اسمبلی کی توجہ دلائی۔ دونوں کسی حد تک سیکولر نظام رائج کرنے کی حمایت کرتے رہے لیکن مولانا شبیر احمد عثمانی اور دیگر علماء کے مسلسل دباؤ کے تحت دستور کی بنیاد اسلامی اصولوں کو ہی تسلیم کیا گیا۔ وزیر خارجہ ظفر اللہ خان نے قرارداد کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اقلیتوں کو اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر تحفظات فراہم کئے جائیں گے۔ اسلام رواداری پر یقین رکھتا ہے اور اسلام میں کوئی جبر نہیں۔

وزیراعظم لیاقت علی خان کے تاثرات:

قرارداد مقاصد کی منظوری پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان کے عظیم اور ہر دل عزیز وزیر اعظم لیاقت علی خان نے کہا کہ آزادی کے بعد یہ اہم ترین واقعہ ہے۔ اس قرارداد میں ان اصولوں کا اظہار کیا گیا ہے جن پر آئندہ دستور پاکستان استوار ہوگا۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان نے اقلیتوں کو ہر طرح سے یقین دلایا کہ:

> "اسلامی جمہوریت کا احاطہ زندگی کے ہر شعبہ حیات پر ہے اس نظام حیات میں اخلاق کو محوری حیثیت حاصل ہے۔ اقتصادی انصاف اسلامی نظام کا روح رواں ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتمالیت کے نظام سے بہتر ہے اس لئے کہ یہ دونوں نظام اپنے مزاج میں شدّت رکھتے ہیں۔ ان کے برخلاف اسلام ایک ایسی آئیڈیالوجی پیش کرتا ہے جو دنیا کی ہر قوم، مذہب اور نسل کے لئے یکساں کارآمد ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ ایک بین الاقوامی نظام ہے جو زندگی کہ تمام شعبہ جات میں کسی خاص قوم کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے۔"[1]

قرارداد مقاصد پر بحث کا مقصد صرف یہ تھا کہ دستور ساز اسمبلی کے ارکان کے دلوں میں جو خدشات تھے ان پر بحث کرکے دلائل سے ایک دوسرے کو قائل کیا جائے۔ وزیر اعظم نے بھی اپنی تقریر میں خاص طور پر غیر مسلم ارکان اسمبلی کے خدشات دور کرنے کی کوشش کی۔

تعلیمات اسلامی بورڈ:

قرارداد مقاصد پاس ہو جانے کے بعد اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور کتاب وسنت کے مطابق بنانا لازمی ہوگیا تھا۔ اس عظیم الشان کام کے لئے ماہرین کی ضرورت تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی تجویز پر وسط ۱۹۴۹ء میں اربابِ حل وعقد نے دستوری سفارشات کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے پانچ علماء کا ایک بورڈ بنانا منظور کیا اور باہمی مشورہ سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا ظفر احمد انصاری اور مفتی جعفر حسین مجتہد اس بورڈ کے رکن چنے گئے۔ اس بورڈ کی صدارت کے لئے اربابِ بصیرت کی نظر انتخاب مؤرخ اسلام جامع علوم جدید وقدیم خلیفہ ارشد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ پر پڑی۔ جن کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے ایک مرتبہ تحریر فرمایا تھا کہ:

ا۔ رزاق، ایم۔اے، ڈاکٹر پاکستان کا نظام حکومت اور سیاست، ناشر مکتبہ فریدی، وفاقی اردو کالج، بابائے اردو روڈ، کراچی نمبر ا، ۱۹۸۷ء، ص ۲۱۴

ہی نہیں، رئیس المصنفین ہیں۔ ان کا وجود علم و فضل کا ایک دریا ہے۔ جس سے سینکڑوں نہریں نکلتی ہیں اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں"۔ (۱)

بنیادی اصولوں کی کمیٹی:

"۱۲۔ مارچ ۱۹۴۹ء کو قراردادِ مقاصد منظور ہو جانے کے بعد ملک میں آئین سازی کے کام کو مکمل کرنے کی خاطر ۲۵ اراکین پر مشتمل ماہرین کی کمیٹی بنا دی گئی تھی۔ اس کمیٹی کے تحت ۳ ضمنی کمیٹیاں بھی بنا دی گئی تھیں۔ اور پھر ان تمام کمیٹیوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ مزید اراکین کو بھی حسب ضرورت اپنے ساتھ ملا سکتی ہیں۔ اور ماہرین کی خدمات بھی حاصل کر سکتی ہیں۔ بنیادی طور پر بنیادی اصولوں کی اس کمیٹی کا مقصد آئین کے بارے میں قراردادِ مقاصد کی روشنی میں غور و فکر کے بعد رپورٹ پیش کرنا تھا"۔ (۲)

بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ

بنیادی اصولوں کی اس کمیٹی نے اپنی پہلی عبوری رپورٹ ۲۸۔ ستمبر ۱۹۵۰ کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں پیش کی۔ اس عبوری رپورٹ کی سفارشات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

- ☆ مرکزی قانون ساز اسمبلی دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی۔ ایک ایوان بالا اور دوسرا ایوان زیریں ہوگا۔ دونوں میں اراکین کی تعداد الگ ترتیب ۱۲۰ اور ۴۰۰ ہوگی۔ اور پھر ان ممبروں کو برابر تعداد ملک کے دونوں صوبوں یعنی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان سے ہوگی۔
- ☆ ملک میں پارلیمانی نظام حکومت ہوگا۔ پارلیمنٹ کی معیاد پانچ سال ہوگی۔ لیکن وزیر اعظم کی سفارش پر اسے کسی وقت بھی برخاست کیا جا سکے گا۔
- ☆ ملک کا سربراہ مسلمان ہوگا اور اسے پارلیمنٹ کے دونوں ایوان پانچ سال کے لئے منتخب کریں گے لیکن صوبائی سربراہوں کو ملک کا سربراہ ہی مقرر کرے گا۔
- ☆ وفاقی، صوبائی اور مشترکہ امور کی تین جداگانہ فہرستیں ہوں گی۔
- ☆ عدلیہ ہر طرح سے برتر اور آزاد ہوگی۔ ہر سطح پر اس کا فیصلہ حتمی اور قطعی ہوگا۔
- ☆ سرکاری زبان صرف اردو ہوگی۔
- ☆ ہر صوبے کا سربراہ پانچ پانچ اراکین کا ایک بورڈ بنا سکے گا اور وہ بورڈ اسلامی حوالے سے رہنمائی کرے گا۔
- ☆ آئین میں ممبران کی ایک تہائی اکثریت سے ترمیم پر غور کیا جا سکے گا۔ دو تہائی اکثریت سے آئین میں تبدیلی ہو سکے گی اور نیا بل قانون بن سکے گا۔

۱۔ معارف (سلیمان نمبر)۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ، بھارت، ص ۲۸

2. Report of the Basic Principles Committee, The Manager of Publications Government of Pakistan Press, Karachi 1952.

غیر اسلامی اصولوں اور طور طریقوں کے لیے وافر جگہ موجود ہوگی۔ اِن سفارشات میں قرار داد مقاصد کو بھی اہمیت نہ دی گئی جسے اسلامی ریاست کی بنیاد قرار دیا گیا۔ اسلامی قوانین کے مقابلے میں بنیادی حقوق کو برتر قرار دیا گیا۔ حکمرانوں کو غیر اسلامی اختیارات کا مالک بنا دیا گیا۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کو مساوی حیثیت دینے سے خطرناک سیاسی بحران کا خطرہ تھا۔ سیاسی حکومت اختیارات کی تقسیم میں توازن لانے میں ناکام رہی۔ جس سے ملکی معاملات چلانے میں زبردست رکاوٹوں اور سیاسی انتشار کا خطرہ تھا''۔ (۱)

بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی حتمی رپورٹ

بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی حتمی رپورٹ کی خاص بات یہ تھی کہ اس رپورٹ میں کمیٹی نے قرار دادِ مقاصد مکمل طور پر دستور میں شامل کرنے کی سفارش کی۔ یہ رپورٹ ۲۵۵ دفعات پر مشتمل تھی جسے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے ۲۲ دسمبر ۱۹۵۲ء کو اسمبلی میں پیش کیا۔

کمیٹی کی سفارشات کے مطابق مسلمانوں کے لئے قرآن وسنت کی تعلیمات لازمی قرار دی جائیں اور اس کے لئے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ سود، شراب نوشی اور جوّا وغیرہ پر سختی سے پابندی عائد کی جائے تاکہ مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گذار سکیں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا محکمہ قائم کیا جائے اور قرآن وسنت کے خلاف کسی قسم کی قانون سازی نہ کی جائے۔

اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ قرار داد مقاصد کو اس کی صحیح رُو کے مطابق نافذ کیا جائے اور تمام غیر مسلموں کے جائز مفادات کا تحفظ کیا جائے۔ کمیٹی کی معاونت کے لئے حکومت کی طرف سے تعلیمات اسلامیہ کا بورڈ قائم کیا گیا۔ بورڈ نے اپنی رپورٹ پیش کی۔ لیکن حکومت وقت نے اس کو شائع کرنے کی زحمت کبھی گوارہ نہ کی۔ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی ناقص رپورٹ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ کمیٹی کے اراکین کو سود کے بارے میں واضح اسلامی تعلیمات کا علم نہ تھا۔ کیونکہ رپورٹ میں سود کی مخالفت کی کوئی سفارش نہ کی گئی تھی۔

پاکستان آبزرور ڈھاکہ کی یکم اکتوبر ۱۹۵۰ کی اشاعت کے حوالہ سے جی ڈبلیو چوہدری لکھتا ہے کہ:

''جب پاکستان کے آئندہ دستور پر بنیادی اصولوں والی کمیٹی کی رپورٹ مشرقی پاکستان کے عوام کے سامنے آئی تو انہوں نے شدید احتجاج کیا''۔ (۲)

''عین اسی دور میں قادیانی مسئلہ ابھر کر سامنے آچکا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے بنیادی اصولوں کی کمیٹی سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ قادیانوں کو اپنی سفارشات میں مسلمانوں سے جدا ان کے اپنے مذہب کے پیروکار قرار دے۔ کمیٹی نے اس مطالبہ کو نہ مانا اور سفارشات میں خاموشی اختیار کی''۔ (۳)

تنقیدی جائزہ:

تعلیمات اسلامیہ بورڈ کی دستور سازی پر سفارشات انتہائی اہم اور نازک کام تھا۔ تعلیمات اسلامی بورڈ میں علماء کرام اور جدید

۱۔ ماہنامہ چراغ راہ کراچی، ج ۴، شمارہ نمبر ۱، جنوری ۱۹۵۱، ص ۳

2. Choudhury, G.W, Constitutional Development in Pakistan, Lahore. P # 72

3. Ahmad Manzoor-ud-Din, Pakistan: The Emerging Islamic State, 1st Ed, Karachi, 1966, P # 96.

جن کی علمی قابلیت کے علامہ اقبال مداح تھے۔تحریک پاکستان میں اُن کا کردار روز روشن کی طرح واضح ہے۔ ان عظیم المرتبت شخصیات کی موجودگی کے باوجود بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے کسی بھی مرحلے پر تعلیمات اسلامیہ کے بورڈ سے رہنمائی نہ لی۔صرف ایک جگہ سرسری سا ذکر ہے کہ کمیٹی کی ذیلی کمیٹی برائے

"Federal & Provincial Special Committee of Constitution Negotiated with Board of islamic studies and report of special committee with recommendation Board of islamic studies considered in the meeting of Sub-committee" (1)

وفاقی اور خصوصی آئینی کمیٹی نے تعلیماتِ اسلامی بورڈ کے ارکان سے گفتگو کی اور تعلیماتِ اسلامی بورڈ کی منظوری سے خصوصی کمیٹی کی رپورٹ پر ذیلی کمیٹی کے اجلاس میں غور کیا گیا۔

"بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی جس تجویز کو بہت زیادہ ہدفِ تنقید بنایا گیا وہ علماء بورڈ کے متعلق تھی۔ان بورڈوں کو مرکزی اور صوبائی سطح پر قانون سازی کے عمل میں نظر ثانی کا اختیار دیا گیا تھا۔ان بورڈوں کے ذریعے مٹھی بھر علماء کو قرآن وسنت کی حسب منشاء تشریح کے اختیارات حاصل ہو جانے کے واضح امکانات موجود تھے۔ رپورٹ کا یہ حصہ اپنے مندرجات کے اعتبار سے مذہبی انتہا پسندی کا آئینہ دار تھا۔پارلیمنٹ کے متوازی ایک ایسے بورڈ کے قیام نے نئے خطرات کو جنم دیا جو پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کو کالعدم قرار دے سکتا تھا۔مشکل یہ تھی کہ خواجہ ناظم الدین کی نظر میں اسلامی ریاست کا تصور بعض قوانین اور روایات سے عبارت تھا اور وہ اس ضمن میں جدید عصری تقاضوں کو پیش نظر رکھنے کے قائل نہ تھے۔حکومتوں کے درمیان تقسیم اختیارات کے مسئلہ میں بھی آئین سازی کے کام میں زبردست رکاوٹ ڈالی۔یہ رپورٹ شروع ہی سے اختلافی تھی کیونکہ اس پر ۲۹ ممبران میں سے صرف ۱۶ ممبران نے دستخط کئے تھے چونکہ اس رپورٹ میں قومی زبان کا مسئلہ آئندہ آنے والی اسمبلی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔اس لئے اس رپورٹ کو ادھورا کہا گیا اس سے بہت سے شکوک وشبہات پیدا ہو گئے تھے۔رپورٹ کی خامیوں کے باوجود وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے اسے زیادہ سے زیادہ مفاہمت کی ترجمان دستاویز قرار دیا انہوں نے کہا کہ رپورٹ رات کے اندھیروں میں پھوٹنے والی صبح صادق کی پہلی کرن ہے"۔ (۲)

قراردادِ مقاصد اور جماعت اسلامی

۲۲۔اگست ۱۹۴۹ء کو علامہ سید سلیمان ندویؒ زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے اور وہ فائل بھی جس میں حکومت پاکستان کا دعوت نامہ اور متعلقہ کاغذات تھے، ہمراہ لے گئے۔دیارِ حرم میں سید صاحب کی ملاقات اپنے شاگرد رشید مولانا مسعود عالم ندوی سے ہوئی۔جو جماعت اسلامی کے سرگرم اور ذمہ دار رکن تھے۔سید صاحب نے انہیں حکومت پاکستان کی طرف سے تعلیمات اسلامی بورڈ کی

1. Safdar Mehmood, Dr, The Constitutional Foundations of Pakistan, Lahore, 1975. P # 22

۲۔صفدر محمود، ڈاکٹر، پاکستان تاریخ وسیاست (اشاعت سوم) لاہور جنگ پبلیشرز، ۱۹۹۰ء، ص ۵۰

نے استادِ محترم سے صاف کہہ دیا کہ

''اگر آپ کی صدارت میں بورڈ نے کہیں کوئی ایسی سفارش کی جو جماعت کی نگاہ میں قابل قبول نہ ہوئی تو پھر ظاہر ہے کہ جماعت مخالفت کرے گی، آپ کی شخصی نہیں بلکہ بورڈ کے فیصلہ کی''۔ (۱)

یہ تو ظاہر ہے کہ سید صاحب جیسے مستند اور جید عالم نے اپنی صدارت میں کوئی ایسی چیز تو منظور ہونے ہی نہیں دینی تھی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو مگر اس جماعت کے نزدیک کتاب و سنت کے خلاف ہونا اتنا اہم نہ تھا جتنا کہ جماعت کی نگاہ میں قابل قبول ہونا ورنہ اس شرط کے لگانے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔

مودودی صاحب اور ان کے رفقاء کے جیل سے رہا ہونے سے قبل قرارداد مقاصد منظور ہو چکی تھی۔ جماعت اسلامی مودودی صاحب کی گرفتاری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کیلئے قرارداد مقاصد کی آڑ میں حکومت کے خلاف کافی پروپیگنڈہ کر چکی تھی اور اسے یہ یقین ہو چکا تھا کہ عوام حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کے لئے اس کا ساتھ دیں گے اس لئے اس نے ایوان حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے زمین ہموار کرنی شروع کر دی تھی۔ جیل کی ہوا کھانے کے بعد مودودی صاحب کے نظریات میں پھر ایک انقلاب آیا تحریک پاکستان کی مہم کو ناکام بنانے کیلئے تو انہوں نے اس وقت الیکشن میں حصہ لینے کو حرام قرار دیا تھا لیکن پاکستان بن جانے کے بعد انہوں نے حرام کو حلال قرار دیتے ہوئے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور عین اسی دن یعنی ۱۴ جون ۱۹۵۰ کو جس دن علامہ سید سلیمان ندوی کراچی پہنچے۔ مودودی صاحب نے اپنے ساتھیوں کے مشورہ سے ۱۹۵۱ کے انتخابات لڑنے کا اعلان کیا کہ

''پنجاب کے انتخابات میں ہم پوری قوت سے شریک ہوں گے۔ اور اس بات کی کوشش کریں گے کہ زیادہ سے زیادہ صالح لوگ منتخب ہوں''۔ (۲)

مودودی صاحب کے دست راست جناب امین احسن اصلاحی نے تحقیقاتی عدالت کے روبرو بیان دیا کہ

''اصلاح انسانیت کی کوئی سکیم اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک مصلحین سیاسی کردار حاصل نہیں کر لیتے۔ اگر مسلمانوں کے اخلاقی اور مذہبی حالات میں اصلاح مقصود ہے تو مصلح کو سیاسی اقتدار حاصل کرنا چاہیئے''۔ (۳)

حالانکہ جماعت اسلامی کا یہ نظریہ قطعاً غیر اسلامی ہے جس کی خود قرآن یوں تردید کرتا ہے کہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۴)

''(ترجمہ) تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے، اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ایک نہ ایک دن ان کو ضرور ملک میں حکومت دے گا جیسے اپنے اگلے لوگوں کو ان سے پہلے حکومت دی تھی''۔

۱۔ معارف سلیمان نمبر، دارالمصنفین اعظم گڑھ بھارت، ص ۱۵۲ ۲۔ ماہنامہ ترجمان القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، جولائی ۱۹۵۰ء، ص ۸۹

۳۔ نوائے وقت مورخہ ۲ نومبر ۱۹۵۳ء ص نمبر ۱ ۴۔ النور: سورۃ نمبر ۲۴، آیت نمبر ۵۵

فصل سوم: علماء کے ۲۲ نکات کا پس منظر

"پاکستان میں ایک خاص طبقہ اسلامی آئین سازی کے خلاف تھا۔ بعض ارباب اقتدار کا یہ موقف تھا کہ

الف۔ تعلیمات اسلامی بورڈ کوئی معقول رپورٹ پیش نہیں کرسکا۔

ب۔ اسلام کا کوئی دستور مملکت نہیں ہے نہ ہی اس بارے میں اس کے کوئی اصول ہیں۔

ج۔ قرآن میں دستور مملکت کے متعلق ایک لفظ موجود نہیں ہے۔

د۔ عہد اسلام میں کبھی قرآن کی حکومت قائم ہی نہیں ہوئی"۔ (۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ صاحب کو اس بات پر اصرار تھا کہ جب تک مروجہ قوانین کو اسلامی ڈھانچہ میں نہ ڈھالا جائے تب تک دستور سے کوئی مملکت اسلامی نہیں بن سکتی۔ اگر حکومت نیک نیتی سے پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی سلطنت بنانا چاہتی ہے تو اسے فی الفور قوانین کو اسلامی قالب میں ڈھال کر اپنی نیک نیتی کا ثبوت دینا چاہیے۔ اواخر ۱۹۵۰ء میں نواب زادہ لیاقت علی خان نے مروجہ قوانین پر نظر ثانی کرنے اور ان کو اسلامی قانون کے معیار پر لانے کے لئے ایک لاء کمیشن مقرر کر دیا۔ جسٹس رشید، جسٹس یمین اور سید صاحب رکن مقرر ہوئے۔ چونکہ اس کمیشن کے قیام کے بعد قانون اسلامی کی تمام تر ذمہ داریاں تنہا سید صاحب پر عائد ہوتی تھیں۔ جبکہ دوسرے دو ممبر عالم قانون تھے عالم دین نہ تھے۔ اس لئے سید صاحب نے از راہِ احتیاط نوابزادہ صاحب کو کہہ کر حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ارشد اور علامہ شبیر احمد عثانی کے شاگرد رشید مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مفتی اعظم پاکستان کو بھی اس لاء کمیشن کا ممبر بنوا دیا۔ جو اس معاملے میں ایک ماہر کی حیثیت رکھتے تھے۔

اس وقت تک تعلیمات اسلامی بورڈ اپنی رپورٹ مکمل کر چکا تھا اس لئے سید صاحب نے اب محض تنخواہ کے لئے بورڈ میں شرکت کرنا مناسب نہ سمجھا جبکہ ان کے لئے وہاں کوئی کام ہی نہ رہا تھا۔ البتہ انہوں نے بورڈ میں شرکت کئے بغیر بورڈ کی رپورٹ بغور ملاحظہ فرمانے کے بعد اس کو داخل دفتر کر دیا اور بنیادی اصولوں کی پہلی کمیٹی کی سفارشات کو شائع کر دیا۔ جن میں برطانوی پارلیمنٹ سسٹم کو اسلامی اصول آئین کے مطابق بنانے کی سعی ناکام کی گئی تھی اس لئے ارکان بورڈ کے اندیشے صحیح ثابت ہوئے کہ درحقیقت ارباب اقتدار اسلامی آئین بنانا ہی نہیں چاہتے وہ محض عوام کی تسلی کے لئے ایسے بورڈ قائم کر کے اپنے اسلامی اداروں کی نمائش کرنا چاہتے ہیں جس سے تعلیمات اسلامی بورڈ کے ارکان سخت بددل ہوگئے اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب احتجاجاً بورڈ سے استعفیٰ دے کر واپس پیرس چلے گئے۔

ارباب اقتدار کے اس اعتراض کا کہ:

اسلام کا کوئی دستور مملکت ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کے اصول کیا ہیں۔ اس کی عملی شکل کیا ہو سکتی ہے؟ اور کیا اصول اور عملی

۱۔ عبدالرحمٰن خان منشی۔ تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی۔ ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور، ص ۱۷۳

جواب دینے کے لئے مولانا احتشام الحق تھانوی نے کراچی میں تمام اسلامی فرقوں کے چیدہ اور معتمد علماء کا ایک اجلاس طلب کیا تا کہ وہ ایک ایسا دستوری خاکہ مرتب کر دے جو تمام اسلامی فرقوں کے لئے قابل قبول ہو۔

اس غرض کے لئے ۲۱، ۲۲، ۲۳۔ اور ۲۴۔ جنوری ۱۹۵۱ کو ملک کے ہر طبقہ کے مندرجہ ذیل ۳۱ علماء کرام کا ایک اجتماع بصدارت علامہ سید سلیمان ندویؒ منعقد ہوا۔

۱۔	علامہ سید سلیمان ندوی	سابق مدیر رسالہ ''معارف'' اعظم گڑھ
۲۔	مولانا مفتی محمد حسن امرتسری	مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
۳۔	مولانا محمد شفیع دیوبندی	رکن بورڈ تعلیمات اسلام
۴۔	مولانا خیر محمد جالندھری	مہتمم خیر المدارس ملتان
۵۔	مولانا اطہر علی	صدر عامل جمیت علماء اسلام مشرقی پاکستان
۶۔	مولانا احتشام الحق تھانوی	مہتمم دار العلوم الاسلامیہ اشرف آباد سندھ
۷۔	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور
۸۔	مولانا شمس الحق فرید پوری	صدر مہتمم مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ
۹۔	مولانا محمد یوسف بنوری	شیخ التفسیر دار العلوم اسلامیہ اشرف آباد
۱۰۔	مولانا محمد بدر عالم	استاذ الحدیث دار العلوم اسلامیہ اشرف آباد
۱۱۔	مولانا شمس الحق افغانی	وزیر معارف ریاست قلات
۱۲۔	قاضی عبد الصمد سربازی	قاضی قلات، بلوچستان
۱۳۔	مولانا ابو جعفر محمد صالح	امیر حزب اللہ مشرقی پاکستان
۱۴۔	مولانا حبیب اللہ	جامعہ دینیہ دار الہدیٰ ٹیڑھی خیر پور
۱۵۔	مولانا محمد صادق	مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ، کراچی
۱۶۔	مولانا راغب احسن	نائب صدر جمعیت المدرسین سرسینہ شریف مشرقی پاکستان
۱۷۔	مولانا محمد حبیب الرحمٰن	نائب صدر جمعیت المدرسین سرسینہ شریف مشرقی پاکستان
۱۸۔	مولانا احمد علی لاہوری	امیر انجمن خدام الدین لاہور
۱۹۔	مولانا محمد علی جالندھری	صدر مجلس احرار اسلام پاکستان
۲۰۔	مولانا محمد عبد الحامد بدایوانی	صدر جمعیت علماء پاکستان

۲۲۔	پیر محمد ہاشم مجددی	ٹنڈو سائیں داد سندھ
۲۳۔	مولانا داؤد غزنوی	صدر جمعیت الحدیث مغربی پاکستان
۲۴۔	مولانا محمد اسماعیل	ناظم جمعیت الحدیث مغربی پاکستان
۲۵۔	مفتی جعفر حسین مجتہد	رکن بورڈ تعلیمات اسلامی
۲۶۔	مفتی کفایت حسین مجتہد	ادارہ عالیہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان
۲۷۔	پیر محمد امین الحسنات	مانکی شریف
۲۸۔	حاجی خادم الاسلام محمد امین	خلیفہ حاجی ترنگ زئی
۲۹۔	مولانا ظفر احمد انصاری	سیکرٹری تعلیمات اسلامی بورڈ
۳۰۔	پروفیسر عبدالخالق	رکن تعلیمات اسلامی بورڈ
۳۱۔	سید ابوالاعلیٰ مودودی	امیر جماعت اسلامی پاکستان

''مولانا احتشام الحق تھانوی کو مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کرنے کے لئے عظیم دشواریوں اور پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری اور بالآخر سب کو ایک جگہ جمع کر کے پہلو بہ پہلو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آغاز کار ہی میں یہ تجویز ہوئی کہ اس اجتماع کے فیصلہ کو مطالبہ کی صورت میں حکومت پاکستان کے سامنے رکھا جائے۔ بس جونہی ایک صاحب نے یہ تجویز پیش کی، مودودی صاحب بگڑ اٹھے اور فرمانے لگے کہ چونکہ یہ اجتماع اپنا فیصلہ مطالبہ کی شکل میں حکومت پاکستان کے سامنے رکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے میں اجتماع کی کارروائی میں حصہ نہیں لے سکتا کیونکہ میرا حکومت سے مطالبہ کرنے والے اجتماع میں شریک ہونا اس حکومت کو تسلیم کرنا ہے۔ جسے جماعت اسلامی بے دین حکومت سمجھتی ہے۔ اس پر سب ششدر رہ گئے۔ مولانا احتشام الحق صاحب اور ان کی ہم خیال علماء کی یہ امکانی کوشش تھی کہ کوئی ٹوٹنے نہ پائے اس لئے انہوں نے جناب مودودی صاحب کو شریک اجلاس رکھنے کے لئے یہ تجویز پیش کی کہ ہمیں حکومت سے اسلامی دستور کا مطالبہ پیش کرنے کے لئے کام نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس غرض کے لئے کام کرنا چاہیے کہ اگر کسی وقت دنیا کے کسی حصے میں مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہو جائے تو ایسی حکومت کے بنیادی اصول کیا ہونے چاہئیں۔ اسی لئے مولانا احتشام الحق صاحب نے اس اجتماع کی رپورٹ ''اسلامی مملکت کے بنیادی اصول'' کے نام سے شائع کی۔ جس میں پاکستان یا مطالبہ کا ذکر تک نہیں۔ اگر علماء کرام نیک نفسی، بے غرضی اور موقع شناسی سے کام نہ لیتے تو مودودی صاحب کا شمولیت سے انکار افتراق کا باعث ہوتا''۔ (۱)

۱۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ایضاً۔ ص ۱۷۶، ۱۷۷

ملک کے تمام مذہبی فرقوں کے ان مقتدر نمائندوں نے متفقہ طور پر ایک اسلامی مملکت کے لئے بنیادی اصول تجویز کر کے اتحاد و اتفاق کی ایک بے مثل یادگار قائم کر دی۔ وہ بنیادی اصول حسب ذیل تھے۔

۱۔ اصل حاکم تشریعی وتکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

۲۔ ملک کا قانون کتاب وسنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا، نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جا سکے گا جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔ (تشریحی نوٹ) اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب وسنت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیئے جائیں۔

۳۔ مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ اصول ومقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے۔

۴۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن وسنت کے بتائے ہوئے معروضات کو قائم کرنے، منکرات کو ہٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء واعلاء اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لئے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کریں۔

۵۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد واخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت وجاہلیت کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ واستحکام کا انتظام کرے۔

۶۔ مملکت بلا امتیاز مذہب ونسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی تمام انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری یا بیماری کی وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

۷۔ باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے، جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کئے ہیں یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان، مال وآبرو، آزادی مذہب ومسلک آزادی ذات، آزادی اظہار رائے، آزادی نقل وحرکت، آزادی اجتماع، آزادی اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی اداروں سے استفادہ کا حق۔

۸۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی وفیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۹۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا کرنا مناسب ہوگا کہ انہی کے قاضی یہ فیصلے کریں۔

۱۰۔ غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب وعبادت تہذیب وثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔

۱۱۔ غیر مسلم باشندگان مملکت کی حدود شرعیہ کے اندر جو معاہدات کئے گئے ہوں، ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگانِ ملک اور مسلم باشندگانِ ملک سب برابر کے شریک ہوں گے۔

۱۲۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے۔ جس کی صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

۱۳۔ رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا، البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

۱۴۔ رئیس مملکت کی حکومت عامرانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی یعنی وہ ارکانِ حکومت اور منتخب نمائندگانِ جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

۱۵۔ رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶۔ جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی، وہی کثرتِ آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

۱۷۔ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

۱۸۔ ارکان وعمالِ حکومت اور عام شہریوں کے لئے ایک ہی قانون وضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

۱۹۔ محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تا کہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

۲۰۔ ایسے افکار ونظریات کی تبلیغ واشاعت ممنوع ہوگی۔ جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول ومبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

۲۱۔ ملک کے مختلف ولایات واقطاعِ مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی علاقہ جات کی نہیں بلکہ مقامی علاقوں کی ہوگی، جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲۲۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

۲۲ دستوری نکات کا تجزیہ

خراج تحسین

"اس کانفرنس کا انعقاد ایک حیران کن واقعہ تھا یہ کانفرنس ہر مکتبہ فکر کی نمائندہ کانفرنس تھی اس میں دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور اہل تشیع کی نمائندگی موجود تھی اس کانفرنس جمعیت علماء اسلام اور جماعت اسلامی بھی موجود تھی، مدارس کے مہتمم حضرات اور خانقاہوں کے پیران طریقت بھی موجود تھے۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کی نمائندگی موجود تھی۔ اس کانفرنس کے کنوینر مولانا احتشام الحق تھانوی نے کانفرنس کی کاروائی نہایت احسن طریقے سے چلائی"۔ (۱)

جس کام کو ارباب اقتدار چار سال کے عرصہ میں نہ سکے وہ مختلف الخیال علماء نے صرف چار دن کے اندر مکمل کر کے دنیا کے سامنے رکھ دیا۔

۱۔ تھانوی، احتشام الحق، مولانا، اسلامی مملکت کے بنیادی اصول، چراغ راہ کراچی، جلد ۴، شمارہ نمبر ۳، مارچ ۱۹۵۱ء ص ۴۶

جو علماء کرام کو سیاست سے بے بہرہ سمجھتے تھے،ان کے اس بے مثال تاریخی کارنامہ پر سید صاحب کو مبارک باد پیش کرنے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح علماء کی سیاست نے اربابِ اختیار کی سیاست کو شکست فاش دے کر قریباً اسلامی بنیادی اصولوں کی اہمیت کو پورے عام پر واضح کر دیا جن کی بورڈ تعلیمات اسلامی نے بھی سفارش کی تھی اور علماء کی اسی نمائندہ مجلس کو صدر مجلس کی درخواست کے باوجود دکھلانے سے انکار کر دیا تھا۔علماء کے اس متفقہ فارمولا نے حکومت کی شائع کردہ بنیادی اصولوں کے پرخچے اڑا دیئے اور ان کا حشر وہی ہوا جو نہرو رپورٹ کا ہوا تھا۔

مسٹر اے۔کے بروہی کا کہنا تھا کہ قرآن میں دستور مملکت کے متعلق ایک لفظ بھی موجود نہیں۔اس کے جواب میں مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی نے ایک رسالہ ''دستور قرآنی'' لکھا۔اسی رسالہ میں انہوں نے حکومت کے اغراض و مقاصد،طرز حکومت،فرائض حکومت، اوصاف صدر مملکت وغیرہ کے متعلق ۱۸ دستوری دفعات کو قرآن کریم سے پیش کر کے ثابت کیا کہ جس دستور اسلامی کا مطالبہ پاکستان کے مسلمانوں کی طرف سے کیا جا رہا ہے وہ صرف ماہرین شریعت علماء وفقہاء کے اجتہادات وقیاسات پر مبنی نہیں بلکہ کتاب اللہ میں موجود ہے۔

علماء کے بائیس دستوری نکات سے اسلامی آئین سازی کا ایک راستہ متعین کیا گیا اور ملک میں بین المسالک یعنی فرقہ وارانہ اختلافات ملک کی اسلامی دستور سازی میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔اس کے لئے بائیس نکات بڑی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ اس کی تاسیس میں ملک میں موجود تمام مسالک کے علماء شامل تھے۔آج بھی جب سیکولر عناصر اسلامی آئین سازی سے فرار کا راستہ اختیار کرنے کے لئے یہ سوال کرتے ہیں کہ اس ملک میں کونسا اسلام لایا جائے۔دیوبندی،بریلوی،شیعہ یا سنی تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ قرارداد مقاصد اور اس کے بعد بائیس نکات جو کہ تمام مکاتب فکر علماء کے تیار کردہ ہے یہ اس چیز کی رہنمائی کرتے ہیں کہ اسلامی قانون سازی میں فقہی اور فرقہ وارانہ اختلافات قطعاً رکاوٹ نہیں ہیں۔

علماء کے ان بائیس دستوری نکات کی وجہ سے اسلامی اصولوں کی الجھنوں سے عوام الناس کو آگاہی حاصل ہوئی۔حکومتی زعما اور دیگر تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہنوں میں اسلامی اصولوں کے بارے میں پیدا شدہ غلط فہمیاں دور کرنے میں مدد ملی۔انہوں نے اپنے سابقہ موقف سے رجوع کر لیا کہ علماء کسی بات پر متفق نہیں ہوتے۔اسلام میں حکومت کے بارے میں کوئی خاص اصول وضع نہیں کئے گئے اور نہ ہی اسلام اسلامی اصولوں پر مبنی اسلامی حکومت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

علماء کی اِن کاوشوں کی وجہ سے دستوری کمیٹی نے کئی نکات کو دستوری سفارشات میں شامل کر لیا لیکن علماء کو ان پر کامل اطمینان نہ ہوا۔مختلف علماء کرام کی صدارت میں کمیٹی کے کل نو اجلاس ہوئے جنہوں نے بڑے مناسب الفاظ میں ۱۹۵۲ء میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی پر رائے کا اظہار کیا تاکہ علماء کرام پر شدت پسند ہونے کا الزام نہ لگے۔علماء نے اس رائے میں صرف قرآن وسنت کو مدنظر نہیں رکھا بلکہ ملک کے آئینی بحران کو حل کرنے کے لیے بڑی قابل قدر اور مؤثر تجاویز دیں۔

اعلیٰ کا اقرار کیا گیا ہے۔اس کے بعد علماء کرام نے اگلے چند نکات میں اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی ہرگز نہ ہوگی۔

علماء کرام کی طرف سے متفقہ دستوری نکات سامنے آنے سے سربراہ مملکت سمیت کوئی بھی شخص قانون سے بالاتر نہ ہوگا۔ یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ علماء کرام کے درمیان فرقہ بندی کی جتنی بھی شکلیں موجود تھیں عملی طور پر یہ تمام شکلیں بے بنیاد اور مکڑی کے جالے کی طرح کمزور اور ناپائیدار تھیں۔دین کے بنیادی اصول وضوابط اور مسائل کے حل کے بنیادی علم کے حوالے سے سب لوگ ایک تھے۔دیوبندی مکتب فکر اور بریلوی مکتب فکر کے درمیان بنیادی نوعیت کا کوئی اختلاف نہ تھا۔دین کے بنیادی عقائد اور فقہی مسائل کے لحاظ سے دونوں ایک تھے۔دونوں مکاتب فکر فقہی مسائل کے حل کے لیے فقہ حنفی کے پیروکار اور اسی فقہ کی رہنمائی میں مسائل کی جزئیات کی پیروری کے قائل ہیں۔اہل حدیث مکتب فکر کے لوگ بھی قرآن وسنت کی پیروی کے سختی سے قائل ہیں۔تمام مکاتب فکر کے لوگوں کا رہن سہن،طرز زندگی اور بودوباش مشترک ہے۔شادی بیاہ اور خوشی غمی کی تمام رسومات تقریباً ایک جیسی ہیں۔

فکری اختلاف کی بنیاد اولین دور میں بھی موجود تھی۔صحابہ کرام میں بھی فکری اختلاف موجود تھا۔لیکن اختلاف رائے کو صحابہ کرام نے کبھی بھی مخالفت برائے مخالفت نہیں بننے دیا۔رسول اللہ ﷺ نے اپنی نمازوں میں رفع یدین کیا تھا اور نہیں بھی کیا تھا۔لیکن صحابہ کرام نے کبھی رفع یدین کے مسئلہ پر گروہی شکل اختیار نہیں کی اور نہ ہی ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائے۔ان ۲۲ دستوری نکات میں علماء نے دستوری امور پر اپنی مکمل گرفت کا اظہار نہایت احسن طریقے سے کیا ہے۔مذہبی آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کے شورائی نظام کو اپنانے کو کہا ہے۔علماء کرام نے ان نکات میں ایسی کسی دستوری رکاوٹ کو انصاف کے تقاضوں کے منافی قرار دیا جس میں کسی بھی خاص عدالت یا ٹریبونل کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ کو اپیل کی سماعت کا اختیار نہ دے لہٰذا ایسی دستوری عبارت کو حذف کر دیا جائے تاکہ عوام کا سپریم کورٹ سے دادرسی حاصل کرنے کا حق برقرار رہے۔

"یہ علماء کرام کی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ دستور ساز اسمبلی میں اسلامی آئین پر بعض ممبران نے اور خصوصاً سردار عبد الرب نشتر نے ایسی مدلّل اور معلومات افزا تقاریر کیں کہ ہندو ممبران بوکھلا گئے اور کہنے لگے کہ ہم یہاں اسلامیات کے لیکچر سننے نہیں آئے۔ مسٹر اے۔ کے بروہی جو قرآن میں دستور مملکت کی موجودگی کے منکر تھے بلکہ اس کو ثابت کرنے والے کو انعام دینے کا اعلان کر چکے تھے۔ پہلی دستور ساز اسمبلی میں بطور وزیر قانون مملکت پاکستان کا آئین پیش کرتے ہیں اور اس کے تیسرے باب کی یہ دفعات پیش کر کے منظور کراتے ہیں۔

دفعہ ۴۔ کسی مجلس قانون ساز کو قرآن پاک اور سنت رسول ﷺ کے خلاف قانون سازی نہ کرنی چاہیئے۔

دفعہ ۵۔ قرآن پاک اور سنت کے الفاظ جہاں جہاں آئے ہیں ان کا کسی فرقہ پر اطلاق فی الوقت وہی لیا جائے گا جو اس فرقہ کے نزدیک صحیح اور مسلم ہو۔

دفعہ ۶۔ یہ اختیارات صرف سپریم کورٹ کو حاصل ہونے چاہئیں کہ وہ فیصلہ کرے کہ کوئی قانون قرآن پاک اور سنت کے خلاف ہے یا اس کے مطابق۔

دفعہ ۷۔ مملکت پاکستان کے ہر شہری کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی قانون کو قرآن وسنت کے خلاف ہونے کی بناء پر چیلنج کر سکے۔

دفعہ ۸۔ یہ درخواست مسودہ قانون کی منظوری کے تین ماہ کے اندر دائر ہونی چاہیے۔

دفعہ ۹۔ سپریم کورٹ کا فل بنچ جو کم سے کم پانچ ججوں پر مشتمل ہو، اس مقدمہ کی سماعت کرے گا۔ اور اس بات کا فیصلہ کہ کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف ہے یا نہیں۔ ان کی اکثریت کی رائے کے مطابق ہونا چاہیے۔

دفعہ ۱۰۔ ایک ایسے ادارہ کا قیام عمل میں لایا جائے جو عوام الناس کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے،، (۱)

قرآن کے نام پر آئین اسلام سے انکار کرنے والے کی زبان وقلم سے قرآن کے مطابق یہ دفعات پیش کر کے پاس کرانا اعجاز قرآن یا علمائے کرام کی مخلصانہ جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

اسلامی آئین کی تیاری اور نفاذ کے خلاف ارباب اقتدار نے جس قدر بھی ہوائی قلعے تیار کئے تھے، ان گوشہ نشین سیاست سے ناواقف علمائے کرام نے حقائق وشواہد کی توپوں سے سب گرا دیئے اور اب ان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ علماء اور عوام کے متفقہ فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے آئین اسلامی بنائیں۔

۱۔ عبدالرحمٰن خان، منشی، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی۔ ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور ص ۱۸۲،۱۸۳

پہلی دستوری رپورٹ چونکہ مسترد ہو چکی تھی اس لئے اب از سر نو دستوری سفارشات مرتب کرنے کا کام شروع ہوا اور سید سلیمان ندوی کی بورڈ تعلیمات اسلامی میں شرکت لازمی سمجھی گئی۔ ادھر حکومت بھی وقت کی نزاکت کے پیش نظر سید صاحب کی شرائط ماننے پر تیار ہو گئی اور انہوں نے ۱۹۵۲ میں بورڈ میں شرکت فرمالی۔

دستوری سفارشات مرتب کرنے کی از سر نو کوششیں شروع ہو گئی تھیں اور سفارشات کو مرتب کرنے والے بورڈ کی صدارت سید سلیمان ندویؒ صاحب کو سونپ دی گئی تھی جن پر تقریباً ہر فرقہ اور ہر طبقہ کو اعتماد تھا لیکن اقتدار پرست طبقہ تدوین آئین کے مسئلہ کو قومی نقطہ نظر کی بجائے اپنی ذاتی نقطہ نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اس لئے پھر وہی آواز بلند ہوئی جسے قرار داد مقاصد نے دبا دیا تھا کہ پاکستان ایک سیکولر ریاست ہوگی۔ یہ آواز اقتدار پرست طبقہ کے دلی ارادوں کا مظہر تھی۔ اس لئے پورے ملک میں اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی۔

نفاذ اسلام کانفرنس

علماء و مشائخ نے اس آواز کے خلاف پر زور احتجاج کرنے اور ارباب اقتدار کو اپنا فرض جتلانے کے لئے ۱۴، ۱۵ نومبر ۱۹۵۲ کو ڈھاکہ میں مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی جیسے جید عالم دین سمیت ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت علماءِ اسلام کی زیر صدارت نظام اسلام کانفرنس منعقد کی۔ جس میں مولانا ظفر احمد عثمانی پانچ ہزار علماء و مشائخ اور ایک لاکھ سے زائد لوگوں نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں ارباب اقتدار پر واضح کر دیا گیا کہ:

۱۔ "پاکستان کے دستور کا کوئی جز اور کوئی دفعہ اگر اسلامی نظام کے خلاف ہوئی تو وہ دستور ہرگز اسلامی نہ کہلائے گا۔

۲۔ کسی ایسے دستور کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا جو بنا تو اسلام کے نام پر ہو لیکن اس میں اسلامی روح کارفرما نہ ہو۔

۳۔ یہ مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ ہے جس کو منوانے کی خاطر وہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں"۔ (۱)

وزیر اعظم کی دعوت خاص پر ۱۹۔ نومبر ۱۹۵۲ کو مندرجہ ذیل علمائے کرام نے وزیر اعظم سے ملاقات کی غرض سے رات ۹ بجے ان کی کوٹھی پر ملاقات کی۔ خواجہ صاحب نے کوٹھی کے باہر آ کر علمائے کرام کا استقبال کیا۔ یہ علمائے کرام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا محمد حسن صاحب امرتسری رئیس الخلفاء دربار اشرفیہ

۲۔ مولانا ظفر احمد عثمانی شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار

۳۔ مولانا اطہر علی صاحب خلیفہ مجاز حضرت تھانوی مشرقی پاکستان۔

۴۔ مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری مہتمم اشرف العلوم ڈھاکہ۔

۵۔ مولانا خیر محمد صاحب جالندھری مہتمم خیر المدارس ملتان۔

۶۔ مولانا محمد ادریس صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور۔

۷۔ مولانا عبد الحق صاحب اکوڑہ خٹک ضلع پشاور۔

۱۔ عبد الرحمٰن خان، منشی، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، ایضاً، ص ۱۸۶، ۱۸۷

۹۔ مولانا دین محمد صاحب ناظم جمعیت علماء اسلام۔

۱۰۔ مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کراچی۔

''مولانا احتشام الحق تھانوی نے وزیر اعظم سے ملاقات کے لئے آنے والے علمائے کرام کا تعارف کروایا۔ اتنے میں مولانا تمیز الدین صاحب صدر دستوریہ، سردار عبد الرب نشتر دیگر وزراء اور سیکرٹریوں کے ساتھ پہنچ گئے۔ دوسرے کمرہ میں اجلاس شروع ہوا۔ ایک لائن میں علماء کرام اور دوسری لائن میں پانچ وزراء اور ایک سیکرٹری بیٹھ گئے۔ وزیر اعظم صاحب نے کتاب وسنت کے موافق دستور مرتب کرنے کے سلسلہ میں کچھ عملی اشکالات پیش کر کے ان کا حل طلب کیا جن کی وضاحت سردار عبد الرب نشتر اور مولانا تمیز الدین حسب ضرورت فرماتے رہے اور علماء کرام ان کا تحقیقی جواب پیش کرتے رہے اور انہوں نے ہر معاملہ میں وزراء کی پوری تسلی کرادی اور ان کے ملی سیاسی فوائد بھی بتلا دیئے۔ جس سے وزراء بہت متاثر ہوئے۔ اشکالات کا جواب دینے کے بعد علماء کرام نے کھلے لفظوں میں وزراء کو بتلا دیا کہ اگر انہوں نے اسلامی دستور سے ایک انچ بھی انحراف کیا تو پاکستان میں ایک ایسا طوفان آئے گا جس میں آپ کے اقتدار کی کرسیوں کا خاتمہ یقینی ہے۔ خواجہ صاحب نے یقین دلایا کہ آپ حضرات بے فکر رہیں۔ انشاء اللہ عوام کی خواہش کے مطابق ہی دستور بنایا جائے گا اور علماء کرام کے پیش کردہ بائیس نکات کو پیش نظر رکھا جائے گا۔'' (۱)

اس کانفرنس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس دستوری رپورٹ کو ۲۲ نومبر ۱۹۵۲ کے اجلاس دستور ساز اسمبلی میں پیش کرنے کا اعلان کیا جا چکا تھا۔ اسے ۲۲ دسمبر ۱۹۵۲ پر ملتوی کر دیا گیا۔ تاکہ اسے عوام وعلماء کے مطالبات کے زیادہ قریب لایا جا سکے۔

علماء کنونشن ۱۹۵۳

۱۱ جنوری ۱۹۵۳ کو کراچی میں پھر ان علماء کرام کا اجتماع ہوا جنہوں نے ۲۲ نکاتی دستور ساز اسمبلی کا خاکہ مرتب کیا تھا۔ اب کے ۳۱ کی بجائے ۳۳ علماء جمع ہوئے۔ یعنی مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی، مولانا دین محمد نائب صدر جمعیت علماء اسلام کا اضافہ ہوا اور مولانا بدر العالم صاحب مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ ۱۱ جنوری ۱۹۵۳ تک نو اجلاس مختلف اوقات میں ان حضرات کی زیر صدارت منعقد ہوئے۔

۱۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ صاحب

۲۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری صاحب

۳۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب

۴۔ حضرت مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری صاحب

۱۔ عبد الرحمن خان منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی، ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور۔ جولائی ۱۹۹۲ء، ۱۴۲، ص ۱۸۷، ۱۸۸

اس اجتماع میں علماء کرام نے چند اہم ترامیم کے ساتھ نئے دستوری رپورٹ کی تائید کر دی۔ واضح رہے کہ اس موقع پر بھی ان حضرات نے تعلیمات اسلامی بورڈ کی تجاویز استفادہ کے لئے حکومت سے طلب کیں لیکن صدر دستور ساز اسمبلی نے اس اجتماع کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دینا پسند نہ کیا۔

تحریک ختم نبوت

پس منظر

"اسلام اللہ کا آخری دین ہے۔ قرآن پاک اللہ کی آخری کتاب ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں لیکن مملکت پاکستان میں بوجوہ اس عقیدہ کے خلاف کام ہوتا رہا۔ ضرورت محسوس ہوئی کہ تحفظ ختم نبوت کے بارے میں ایک موثر تحریک چلائی جائے اور حکومت تک اپنے مطالبات پہنچائے جائیں۔ چنانچہ مولانا محمد علی جالندھری نے تمام مکاتب فکر کے تقریباً پانچ صد نمائندہ علماء کرام کو دعوت دی اور برکت علی اسلامیہ ہال لاہور میں ایک عظیم تاریخی اجتماع ہوا اور طے ہوا کہ اس سلسلہ میں آئینی اور قانونی طور پر اپنے مطالبات حکومت تک پہنچائے جائیں۔ ایک مجلس عمل ترتیب دی گئی جس کے صدر مولانا ابوالحسنات قادری خطیب جامع مسجد وزیر خان مقرر ہوئے انہیں اس صدارت کے لئے تیار کرنے والے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے اور تحریک کی زمام کار حضرت شاہ صاحب کے ہاتھ میں تھی۔ تحریک پرامن طریق سے چل رہی تھی کہ مجلس عمل کے تمام ارکان کو کراچی میں گرفتار کر لیا گیا۔ تحریک اتنی ہمہ گیر اور وسیع ہو چکی تھی کہ مغربی پاکستان کے ۹۰ فیصد عوام وخواص اس کے ساتھ تھے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب محمد ممتاز دولتانہ نے بھی ہمنوائی کی۔ امید تھی کہ اس عوامی اور اسلامی تحریک کے دوررس نتائج برآمد ہوں گے لیکن مجلس عمل کی گرفتاری سے ملک میں آگ لگ گئی اور تحریک جذبات کی نذر ہو گئی۔ اس کے بعد ملک میں حالات کے پیشِ نظر لاہور میں مارشل لاء لگانا پڑا۔ اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت کی غلط پالیسی اور مجلس عمل کے ارکان کی گرفتاری کا ردِّعمل تھی"۔ (۱)

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء

''۵ فروری ۱۹۵۳ء کو بیرون باغ موچی دروازہ لاہور میں زیر صدارت حضرت مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا عبدالغفور ہزاروی۔ مولانا اللہ وسایا۔ سید مظفر علی شمسی۔ مولانا غلام محمد ترنم اور مولانا غلام دین کو عوام سے خطاب کا موقع ملا۔ اس جلسہ میں بے پناہ حاضری تھی۔ باغ بھر گیا تو سڑک کے کنارے لوگوں کے سروں کی قطار نظر آتی تھی تا حد نگاہ عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود تھا۔ عوام کے جذبات کا یہ عالم تھا کہ وہ مقرر کی زبان سے نرم بات سن کر ناک بھوں چڑھاتے تھے۔ اس جلسہ میں عوام کو زیادہ سے زیادہ پرامن رہنے کی تلقین کی گئی اور حکومت کو متنبّہ کیا گیا۔ کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرے''۔ (۲)

۱۔ ارشد، عبدالرشید، ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر، فروری مارچ ۱۹۷۶ء پرنٹر کنول آرٹ پریس جان محمد روڈ انارکلی لاہور۔ ص ۱۳۰

۲۔ اللہ وسایا، مولانا تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان۔ ص ۲۶۱

۱۔ سر ظفر اللہ خاں کو وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کیا جائے۔

۲۔ احمدیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۳۔ حکومت کے کلیدی عہدوں سے احمدیوں کو ہٹایا جائے۔

اس تحریک کو جماعت اسلامی، اہلسنت والجماعت، اہلحدیث اور شیعوں کی حمایت حاصل تھی۔ پیر صاحب گولڑہ شریف، پیر صاحب سیال شریف، پیر صاحب علی پور سیداں اور پیر شوکت حسین سجادہ نشین ملتان جیسے حضرات نے شرکت کی۔

"۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران مسلم لیگی حکمرانوں، وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین اور وزیر اعلیٰ پنجاب میاں ممتاز دولتانہ نے تحریک کو کچلنے کے لئے اس کے تمام رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کر کے جیل خانوں میں بند کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ اس کے بعد کراچی میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا سید ابوالحسنات محمد احمد قادری صدر مجلس عمل اور خطیب مسجد وزیر خان لاہور، مولانا عبدالحامد بدایونی صدر اور بانی جمعیت علماء پاکستان، ماسٹر تاج الدین انصاری صدر مجلس احرار اسلام پاکستان، مولانا لال حسین اختر مرکزی مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان، صاحبزادہ سید فیض الحسنؒ سجادہ نشین آلو مہار شریف، سید مظفر علی شمسی سیکرٹری جنرل تحفظ حقوق شیعہ پاکستان کے دیگر رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا"۔ (۱)

''فروری ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مولانا مفتی محمود نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اسی پاداش میں آپ کو ایک سال قید کی سزا سنائی گئی۔ دسمبر ۱۹۵۴ء میں آپ نے جمعیت علماء اسلام کا کنونشن ملتان میں طلب کیا اس میں جمعیت کی از سرِ نو تنظیم کی گئی اور مولانا احتشام الحق تھانوی سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے اس کنونشن میں پاکستان میں اسلامی دستور سازی کی جدوجہد کو تیز کرنے کے لیے علماء کرام سے لائحہ عمل طے کیا گیا''۔ (۲)

جناب غلام محمد صاحب گورنر جنرل پاکستان نے ملک میں ہنگامی صورت حال کا اعلان کرتے ہوئے ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو مجلس دستور ساز کو توڑ کر اقوام عالم کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز کر دیا اور آج تک اسلامی آئین کی ترتیب و تشکیل کے لئے جس قدر کوششیں ہوتی رہی تھیں ان پر پانی پھر گیا اور اس طرح وہ طبقہ جو اسلامی آئین کے نفاذ کا مخالف تھا اپنی خفیہ ریشہ دوانیوں کے ذریعے کامیاب و کامران ہو گیا۔

دستور ۱۹۵۶ء کے لئے علماء کی اسلامی دستوری سفارشات

ایسے وقت میں جب کہ ملک کی تمام سیاسی جماعتیں جنگ اقتدار اور آپس کی مناقشت میں مصروف تھیں علماء کی ایک مخلص جماعت جس کا نہ نظم تھا اور جس کے پاس نہ فنڈ تھا ملک کے آئین کو اسلامی تعلیمات اور اسلامی روایات کے مطابق منظور کرانے کے لئے از حد فکر مند تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب صدر مرکزی جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی ہدایت کے مطابق مرکزی جمعیت کے

۱۔ خدام الدین انٹرنیشنل ہفت روزہ، لاہور جلد نمبر ۴۴ شمارہ نمبر ۱۸، ۶ مئی تا ۱۲ مئی ۲۰۰۰ء، ص ۲۳

۲۔ مجاہد الحسینی، محمد یوسف۔ علماء دیوبند، سیرت مرکز ۶۵ بی، پیپلز کالونی، فیصل آباد۔ ص ۳۹۶

خدمت میں ایک میمورنڈم انگریزی میں پیش کیا، جس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ:

"ہمارا دستور قرارداد مقاصد کے (جسے حسب سابق بطور تمہید دستور کے درج کیا جانا چاہیے) مقتضیات کے عین مطابق مرتب کیا جائے۔ اس میں سابق دستور ساز اسمبلی کی منظور کردہ دفعات نمبر ۲۔۴۔۵۔۶۔۷۔۸۔۹۔۔۔ (جہاں تک مملکت کے نام کا تعلق ہے، وغیرہ) نمبر ۱۵ (جہاں تک صدر مملکت کے مذہب کا تعلق ہے) ۹۸، ۷، ضمیمہ نمبر ا کو لازماً شائع کیا جائے۔ خصوصاً درج ذیل سفارشات کو پیش نظر رکھا جائے"۔ (۱)

۱۔ قانون سازی کے لئے قرآن وسنت کو ماخذ اصلی قرار دیا جائے۔ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جائے گا جو قرآن وسنت کے احکام، ہدایات اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہو۔

۲۔ سابقہ دستور ساز اسمبلی کی منظور کردہ دفعہ ۴ کے تحت فقرہ شرطیہ درج کیا جاوے جس کا مفہوم یہ ہو کہ مالی مسائل پر دفعہ ۴ کا اطلاق اس وقت ہوگا، جب قومی اسمبلی اس باب میں قرارداد کے ذریعے طے کرے اور وہ قرارداد ایک ایسے کمیشن کی سفارشات کے مطابق ہو، جو ماہرین علوم اسلامیہ اور ماہرین علوم مالیہ واقتصادیہ پر مشتمل ہو اور جس کا تقرر منظوری دستور سے چھ ماہ کے اندر کر دیا جائے تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ دو سال کی مدت میں ان اقدامات اور تدریجی منازل کی بابت اپنی مکمل سفارشات پیش کر دے جو موجودہ مالی اقتصادی نظام کو بدل کر اسلامی احکام کے مطابق مالی نظام رائج کرنے کے لئے درکار ہوں۔

۳۔ قومی اسمبلی نیز صوبائی اسمبلیوں کے انتخات ایک ایسے کمیشن کے کنٹرول اور مکمل اختیار میں ہونے چاہئیں جو وفاقی عدالت عدلیہ یا متعلقہ صوبائی ہائیکورٹ کے مستقل ججوں پر مشتمل ہو اور ان کو انتخابات سے متعلق تمام مکمل اختیارات حاصل ہوں اور کوئی ایسا قانون وضع نہ کیا جا سکے، جو آزادانہ اور منصفانہ انتخابات میں مزاحم ہو سکے۔

۴۔ ہر شہری بلا لحاظ کہ سوسائٹی میں اس کا کیا مقام ہے قانون کی نظر میں مساوی ہوگا اور کسی فرد کو قانون کے عمومی ضوابط سے مستثنیٰ اور کسی قسم کی خصوصی مراعات کا مستحق نہیں قرار دیا جائے گا۔

۵۔ کوئی ایسا قانون نہیں وضع کیا جائے گا، نہ برقرار رہ سکے گا جس کے ذریعے امتناعی یا عام ملکی عدالتوں کے سامنے باضابطہ مقدمہ کے بغیر کسی شہری کے لئے کسی اور سزا کا جواز پیدا ہو۔ الا یہ کہ جنگ کے دوران میں کسی ایسے شہری کو جس پر دشمن ملک سے سازش کا الزام ہو زیر حراست رکھا جا سکتا ہے مگر اسے بھی زیادہ سے زیادہ تیس دن کے اندر کسی ہائیکورٹ کے جج کے سامنے بغرض مقدمہ (بشرط ضرورت خفیہ اجلاس میں) معہ تمام شواہد کے پیش کرنا اور اسے اپنی صفائی کا پورا موقع دینا لازمی ہوگا۔

۶۔ پاکستان کے مسلمانوں نیز ہر غیر مسلم جماعت کو جداگانہ انتخابات کے ذریعہ اپنے اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق ہوگا۔

۷۔ اگر پارلیمانی عاملہ رکھی جائے تو کسی ایسے شخص کو کابینہ بنانے یا کابینہ میں شامل کئے جانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے جو قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلی کا منتخب شدہ رکن نہیں ہے۔

۸۔ اگر صدارتی عاملہ ہو تو صدر مملکت کا عام حق رائے دہی بالغان کے ذریعہ انتخاب ہونا چاہیے اور اس کے انتخابات کے ۔۔۔

۱۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی، ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور، جولائی ۱۹۹۲ء۔ ص ۲۰۲، ۲۰۳

۹۔ پارلیمانی عاملہ کی صورت میں بھی صدر مملکت کا انتخاب حلقہ وفاقی ایوان کے ارکان سے بہت زیادہ وسیع ہونا چاہیے اور اس انتخاب میں بھی دوہری اکثریت کی شرط لازمی ہونی چاہیے۔

۱۰۔ عدلیہ کے مکمل استقلال اور علیحدگی کی ضمانت ہونی چاہیے اور کوئی ایسی گنجائش نہیں ہونی چاہیے جس کے ذریعے مجلس عاملہ عدلیہ کو متاثر کر سکے۔

دستوری مہم چلانے کے لئے پانچ علماء کی ایک کمیٹی قائم کی گئی جو مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا ظفر احمد انصاری صاحب، مولانا محمد متین صاحب، مولانا محمد داؤد غزنوی اور علامہ علاؤالدین صاحب صدیقی پر مشتمل تھی۔ جس وقت ماہ جولائی ۱۹۵۵ء میں دستور ساز اسمبلی کا اجلاس مری میں منعقد ہوا، تو مولانا ظفر احمد صاحب انصاری کو وہاں بھیجا گیا تا کہ وہ ممبران دستور ساز اسمبلی سے مل کر اپنے مطالبات کی اہمیت سمجھا سکیں۔ کراچی کے ممبران وزراء وغیرہ کو ملتے رہے کہ اسی اثناء میں مشرقی پاکستان کے بعض ممبران دستور ساز اسمبلی نے اپنی علالت اور ناموافقت آب و ہوا کے عذر و بہانہ کے ماتحت وہ اجلاس ملتوی کرا دیا۔ علماء کرام نے اپنے جوزہ نکات وزراء کے سامنے رکھے، ان کے متعلق وزراء نے کہا کہ ان میں سے ایک بات بھی قابل عمل نہیں۔ آخر تین روز کی بحث و تمحیص کے بعد ارباب اقتدار بعض امور تسلیم کرنے پر تیار ہو گئے۔

مہتمم دارالعلوم دیوبند کی پاکستان آمد

"۱۹۵۵ء میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند پاکستان تشریف لائے اور کراچی میں ایک عشائیہ کی تقریب پر حسن اتفاق سے ان کی میجر جنرل سکندر مرزا سے ملاقات ہو گئی۔ میجر صاحب نے اسلامی آئین کے بارہ میں چند اشکالات حضرت قاری صاحب کے سامنے پیش کئے تو انہوں نے ان کے اشکالات کا ایسا مدلل اور موثر جواب دیا کہ میجر صاحب نے بلا تامل فرمایا کہ اگر واقعی اسلام کے بنیادی اصول یہی ہیں تو ہم انہیں ہر قیمت پر منظور اور نافذ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ قرآن کی رو سے اسلامی دستور صرف ۱۷۔۱۸ دفعات پر مشتمل ہے۔ باقی سب رولز ہیں، جن کو لوگ غلط فہمی سے اسلامی آئین سمجھ رہے ہیں۔ اس پر میجر صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ وہ ہندوستان واپس جانے کا ارادہ منسوخ کر کے یہاں رہیں اور اسلامی آئین مرتب کرنے میں ہماری مدد کریں۔ مگر دارالعلوم کی ذمہ داریوں کی وجہ سے قاری صاحب میجر صاحب کے اصرار کے باوجود یہاں ٹھہرنے پر آمادہ نہ ہوئے"۔ (۱)

بہر حال حضرت قاری صاحب کی ایک ہی ملاقات نے اس اہم مسئلہ کے متعلق میجر صاحب کی تمام غلط فہمیاں دور کر دیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میجر صاحب جو پہلے اسلامی دستور کے قائل ہی نہ تھے، اسلامی دستور جلد از جلد پاس کرانے میں بڑی دلچسپی لیتے رہے۔

۱۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی، ایضاً، ص، ۲۳۱

۹۔جنوری ۱۹۵۶ء کو پاکستان کے وزیر قانون مسٹر آئی آئی چندریگر نے اسلامی دستور کا مسودہ دستور ساز اسمبلی میں پیش کر کے اہل پاکستان کی دیرینہ آرزو پوری کر دی جس کا مشرقی پاکستان کے مفاد پرست طبقہ کے سوا ملک کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے پر جوش خیر مقدم کیا۔

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں اسلامی آئین پیش ہونے پر جہاں اسلامی ممالک سے بھی مبارک باد کے پیغام آ رہے تھے۔ وہاں اربابِ عوامی لیگ اپنے بازوؤں پر سیاہ ماتمی پٹیاں باندھ کر اس آئین کی مخالفت کرنے کے عزم سے ایوانِ دستور یہ میں داخل ہو رہے تھے۔دستور ساز اسمبلی کے اندر اربابِ غرض نے پھر سے ایسے حالات پیدا کرنے کی پوری کوشش کی کہ کسی طرح اس دستور ساز اسمبلی کا حشر بھی سابقہ دستور ساز اسمبلی کا سا ہو مگر چونکہ گورنر جنرل اور وزیر اعظم اس اجلاس میں آئین پاس کرانے پر تلے ہوئے تھے، اس لئے ان کی کچھ پیش نہ گئی بالآخر مورخہ ۲۔مارچ ۱۹۵۶ء کو انہوں نے ایک شاندار اور پر وقار تقریب میں آئینی بل پر اپنے دستخط اور مہر تصدیق ثبت کر کے اسے قانونی شکل دے دی اور میجر صاحب کی شاندار خدماتِ پاکستان کے اعتراف کے طور پر انہیں بلا مقابلہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔

مسودہ آئین ۱۹۵۶ء میں ترامیم کے لئے علماء کی متفقہ تجاویز

"علماء کرام اور مذہبی جماعتوں جمعیت علماء اسلام، جمعیت علماء پاکستان، جمعیت اہل حدیث، جماعت اسلامی اور نظام اسلامی پارٹی نے مسودہ دستور پر غور و غوض کرنے کے بعد مسودہ آئین میں ترامیم کے لئے متفقہ تجاویز ارکان دستور یہ تک پہنچا دیں۔" (۱)

یہ ترمیمی تجاویز درج ذیل ہیں۔

۱۔ دفعہ ۲۰۵(ا) کی رو سے کوئی ایسا قانون نہ بنایا جائے گا جو قرآن سنت کے احکام کے خلاف ہو اور اگر کسی مسودۂ قانون سے متعلق مجلس قانون ساز میں یہ سوال اٹھایا جائے کہ وہ یا اس کا کوئی جزو اسلامی احکام کے خلاف ہے تو اس کا فیصلہ اس مجلس کے مسلمان ارکان کی اکثریت کرے گی۔

۲۔ کسی شخص کو اس کا قصور ثابت کئے بغیر اور اسے صفائی کا موقع دیئے بغیر قید کر دینے کی دستور میں کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ دفعہ ۷(۴) میں یہ ترمیم کی جائے "جس شخص کو ناگزیر حالات کے تحت گرفتار کیا جائے اسے ۱۵ دن کے اندر صحیح فرد جرم کے ساتھ عدالت کے سامنے پیش کیا جائے۔ملزم کو صفائی پیش کرنے کا پورا موقع دیا جائے۔صرف عدالت ہی یہ فیصلہ کرنے کی مجاز ہوگی کہ ملزم کو نظر بند کیا جائے یا نہیں اور فقرہ استثنائیہ لازماً حزف کیا جائے۔

۳۔ انسداد ربوا سے متعلق سابقہ رپورٹ میں درج شدہ دفعہ موجودہ مسودہ میں سے نکال دی گئی ہے، شامل کیا جائے۔

۴۔ سپریم کورٹ کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ یہ تحقیق کر سکے کہ ہنگامی حالت کا اعلان جائز تھا یا نہیں نیز سپریم کورٹ کو فوجی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیل سننے کا اختیار ہو۔

۱۔عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی الیضاً۔ص ۲۲۴

کیونکہ اس سے آمریت کا دروازہ کھلتا ہے۔

۶۔ انتظامیہ سے عدلیہ کی علیحدگی کے لئے تین سال کی مدت مقرر کی جائے۔

۷۔ صدر ریاست کو اسمبلی توڑنے کا اختیار ہرگز نہ دیا جائے اور وزیراعظم اُس وقت تک اپنے منصب پر قائز رہے جب تک اسے قومی اسمبلی کی اکثریت کا اعتماد حاصل رہے۔اسی طرح صوبوں میں گورنروں کو اسمبلی توڑنے کا اختیار حاصل نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی وہ وزیراعلیٰ کو برطرف کرسکیں۔

۸۔ مسوداتِ قانون پر صدر یا گورنر کے دستخط کے لئے پندرہ یوم کا تعین مناسب ہے۔بعض ممالک میں اس سے بھی کم ہے۔

۹۔ دستور میں یہ صراحت ہونی چاہیے کہ غیر ممالک سے جتنے معاہدات ہوں گے،ان کے لئے پارلیمنٹ کی توثیق لازمی ہوگی۔

۱۰۔ دستور میں یہ بھی طے ہونا چاہیے کہ یوم دستور کے بعد کتنی مدت کے اندر ملک میں عام انتخابات منعقد کئے جائیں گے۔

۱۱۔ بنیادی حقوق،اظہارِ خیال،اجتماع،انجمن سازی،نقل وحرکت اور ملکیت رکھنے کی آزادی پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنے کے سلسلہ میں ہر پابندی کی بجائے ہر "معقول پابندی" کے الفاظ رکھے جائیں تاکہ عدالتوں میں شنوائی کی گنجائش باقی رہے۔

۱۲۔ اسمبلی کی رکنیت کے لئے صرف وہ شخص نااہل قرار پائے جس کو کسی "اخلاقی جرم" کی بناء پر سزا دی گئی۔

۱۳۔ عربی زبان کو صرف وہی حیثیت دی جائے جو سابق دستوری خاکہ میں تجویز کی گئی تھی۔

علماء کی متحدہ کوشش

اربابِ اختیار تو اپنے مفاد کے لئے رسہ کشی میں مصروف تھے لیکن ملک کی مختلف مذہبی جماعتیں اربابِ اقتدار تک عوام کی آواز پہنچانے کے لئے مشرقی ومغربی پاکستان میں ایک ہی پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر اسلامی دستور کا مطالبہ کر رہی تھیں۔۱۲ فروری ۱۹۵۳ء کو مشرقی پاکستان میں ''اسلامی آئین کی کل جماعتی کمیٹی'' کے زیر اہتمام ایک شاندار جلسہ ہوا جس میں مولانا راغب احسن صاحب نے مطالبہ کیا کہ مصر وشام کی طرح پاکستان میں اسلام کو سرکاری مذہب کا درجہ دیا جائے اور مولانا عبدالسلام اور مولانا امین الاسلام نے حکومت پر واضح کیا کہ مشرقی پاکستان کی نوے فیصد آبادی اسلامی آئین چاہتی ہے اور مملکت کے مجوزہ نام کی مخالفت اور مخلوط انتخابات کی حمایت کرنے والے مشرقی پاکستان کے نمائندے ہیں اور حکومت کو متنبّہ کیا کہ آئین سے موجودہ اسلامی دفعات کو ہٹانے کے نتائج نہایت خطرناک ہوں گے۔

اسی دن مغربی پاکستان کے مرکز لاہور میں جمعیت علماء اسلام،جمعیت اہل حدیث،عوامی مسلم لیگ،جمہوری اسلامی پارٹی اور جماعت اسلامی کے زیر اہتمام ایک مشترکہ عظیم الشان جلسہ ہوا۔جس میں متفقہ طور پر حکومت سے ایک قرارداد کے ذریعہ مطالبہ کیا گیا کہ

''پاکستان کے مذہبی وسیاسی جماعتوں کے زیر اہتمام اسلامیانِ لاہور کا یہ اجتماع انتہائی صاف اور واشگاف الفاظ میں کارپردازانِ حکومت اور ارکانِ دستوریہ کو اس حقیقت کا احساس دلانا ضروری سمجھتا ہے کہ دستور کی ترتیب وتدوین کے اس فیصلہ کن مرحلہ پر مسودہ دستور کی اسلامی دفعات جس بیدردی سے التواء کا شکار بنائی

سے نظر انداز کیا گیا ہے، وہ ملت کے لئے بے پناہ ہیجان و اضطراب کا باعث ہے اس مرحلہ پر اگر اسلامی نظریات و جمہوری احساسات پس پشت ڈال دیئے گئے اور پاکستان کی عوام کی امنگوں اور اسلامی منشاء کے مطابق تلافی کی کوشش نہ کی گئی تو یہ شدید خطرہ ہے کہ ملت اس دستور کو قبول کرنے سے انکار کر دے گی"۔ (۱)

مولانا ظفر احمد انصاری کی اسلامی دستوری خدمات

مولانا ظفر احمد انصاری نے اسلامی دستور سازی کے سلسلہ میں بھرپور کوششیں کیں۔ لیکن ۲۳ تا ۲۵ اور ۲۷ اور ۲۸ دسمبر ۱۹۵۵ء کو آپ نے انگریزی روزنامہ ڈان میں اسلامی دستور سازی پر مسلسل مضامین لکھے۔ یہ مضامین بہت مقبول ہوئے۔ جنوری ۱۹۵۶ء میں مولانا نے ان مضامین کو ایک کتابچے کی شکل میں اردو میں شائع کیا۔ اس کتابچے کا نام "ہمارے دستوری مسائل کا نظریاتی پہلو" ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ

"اگر نظریاتی نام رکھنا مہذب دنیا کے نزدیک قابلِ مذمت ہے تو مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل جیسا نظریاتی نام رکھنے کا کیا جواز ہے؟"۔ (۲)

"مولانا فرماتے ہیں کہ مہذب اقوام نے خودساختہ ناممکنات پیدا کر رکھی ہیں۔ اسلام نے ان ناممکنات کو ممکن بنا دیا ہے۔ وہ ممالک جہاں نسل پرست حکومتیں قائم ہیں وہاں کسی دوسرے رنگ و نسل کے لوگوں کیلئے ناممکن ہے کہ وہ حکومتی اداروں یا ان کے مخصوص عوامی مقامات میں داخل ہوسکیں۔ اسی طرح کسی خاص تہذیب سے وابستہ افراد نے اگر کہیں اپنی حکومت قائم کر رکھی ہے تو وہاں اسی تہذیب کا غلبہ دیکھا جا سکے گا۔ اسلام نے ان تمام ناممکنات کو ممکن بنا دیا ہے" (۳)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ" (۴)

ترجمہ: "اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے عزت والا وہ ہے جو تم میں سے پرہیزگار ہے"۔

حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پاک ہے:

"قال رسول اللہ اسمعوا و اطیعوا وان استعمل علیکم عبدا حبشی کان راسہ زبیبۃ" (۵)

ترجمہ: "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے امیر کی بات پر توجہ دو اور اس کی اطاعت کرو چاہے وہ ایسا حبشی غلام ہو جس کا سر انگور کے خشک دانے جیسا ہو"۔

ساڑھے آٹھ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد ۲۹۔ فروری ۱۹۵۶ء کو رات کے ٹھیک گیارہ بج کر انسٹھ منٹ پر دستور ساز اسمبلی نے تکبیر اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں منظور کر لیا اور اسی طرح پاکستان کے مخلص ترین وزیر اعظم چوہدری محمد علی صاحب نے فروری

۱۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ایضاً۔ ص ۲۲۳، ۲۲۴ (۲، ۳) انصاری، محمد ظفر احمد، ہمارے دستوری مسائل کا نظریاتی پہلو، آفاق پبلیکیشنز، بندر روڈ، کراچی ۱۹۵۶ء۔ ص ۵۰، ۵۱

۴۔ الحجرات: سورۃ نمبر ۴۹، آیت نمبر ۱۳ (۵) بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام (باب السمع والطاعۃ)، جلد دوم، قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ، کراچی۔ ص ۱۰۵۷

اسلامی آئین کی منظوری کے فوراً بعد ۲۔ مارچ ۱۹۵۶ء کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان و قائد مقصد جمعیت علماء اسلام نے ریڈیو پاکستان کراچی سے مندرجہ ذیل تقریر نشر کی۔

''پاکستان بنے ہوئے تقریباً نو سال ہو چکے ہیں اس عرصہ میں اس نومولود مملکت نے اپنے تعمیری منصوبوں سے بہت سے شعبوں میں ایک حد تک ترقی بھی کی لیکن ایک بنیادی خلا ایسا تھا، جو اس ملک کو طرح طرح کے فتنوں کی آماجگاہ بنائے ہوئے تھا اور بیرونی دنیا میں ہمارا وزن بہت ہلکا کئے ہوئے تھا۔ دستور سازی میں اتنی طویل مدت کیوں صرف ہوئی، یہ ایک ایسی داستان ہے، جسے دہرانا لا حاصل ہے۔ بہر حال ہر چیز کا ایک وقت متعین ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج وہ یومِ سعید بھی آ پہنچا کہ سالہا سال سے اختلافات کے بھنور میں پھنسا ہوا یہ سفینہ نہ صرف گرداب سے باہر نکل آیا بلکہ ساحلِ مراد تک جا پہنچا۔ پاکستان کے لوگ اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کریں، کم ہے کہ اس کے فضل و کرم سے اس ملک کو طویل انتظار کے بعد ایسا دستور میسر آیا جسے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس میں قیامِ پاکستان کے بنیادی مقاصد، عامۃ المسلمین کی آرزوؤں اور اسلام کے اہم تقاضوں کی خاطر رعایت موجود ہے''۔ (۱)

۱۹۵۶ء کے دستور پر تبصرہ

۲۳۔ مارچ ۱۹۵۶ء کو جب دستور کا نفاذ عمل میں آیا تو ملک کے تمام حصوں کے عوام میں خوشی و شادمانی کی لہریں تھیں اور ہر مکتبہ فکر نے اِسے خوش آمدید کہا اس لئے کہ یہ دستور ۹ سال کی طویل مدت کے انتظار کے بعد حاصل ہوا تھا لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ملک میں سیاسی عدم استحکام نے اس دستور کو ناکام بنا دیا۔ پاکستان کا یہ پہلا دستور اپنے اندر اسلامی مزاج کی تمام ضروری خصوصیات رکھتا تھا۔ اس کے ابتدائی حصے اور رہنما اصولوں کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح پاکستان کو ایک اسلامی مملکت میں تبدیل کرنا تھا۔ اس میں صاف طور پر ظاہر ہو گیا تھا کہ قانون سازی قرآن و سنت کی روشنی میں لائی جائے گی اور موجودہ غیر اسلامی قوانین کو بھی بتدریج اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالا جائے گا۔ اسلامی ادارہ تحقیق کا بنیادی مقصد یہی تھا۔ دفعہ ۳۲ کی رو سے صدر مملکت کا مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا تھا۔ دستور کی دفعہ ۸ سے ۱۲ تک میں شہری آزادی اور عوام کے حقوق کا ذکر تھا۔ اقلیتوں کے لئے بھی دستور میں کافی مراعات تھیں۔ بنیادی حقوق کے سلسلہ میں دفعہ ۱۸ میں مذہب کی آزادی کا حق دیا گیا تھا۔ دفعہ ۱۹ کے تحت انہیں سیاسی اور ثقافتی معاملات میں پوری آزادی حاصل تھی دفعہ ۲۰ کے تحت چھوت چھات کی سختی سے مخالفت کی گئی تھی اور اس کو جرم قرار دیا گیا تھا۔

۱۹۵۶ء کا دستور ایک اسلامی دستور تھا جس میں مسلم اکثریت کی نمائندگی کی گئی تھی۔ حاکمیت اللہ تعالیٰ کو حاصل تھی اور قانون سازی قرآن و سنت کی روشنی میں کی جاتی تھی۔ مذہب و سیاست ساتھ ساتھ تھے۔ خاص طور پر دستور ساز اسمبلی کے ارکان یقیناً یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ اسلام دورِ حاضر میں بھی قابلِ عمل ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک عقلی مذہب ہے جس میں اجتہاد کے ذریعے اسلام کی اسپرٹ کو ہر زمانے میں برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر منظور الدین نے بھی اس خیال کی تائید کی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر موصوف تحریر

۱۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی، ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور۔ جولائی ۱۹۹۲ء۔ ص ۲۳۲، ۲۳۳

"The constitution of Pakistan of 1956 was successful in bring about the synthesis between Islamic principles and the western situations, the constitution was chiefly the product of the efforts of Muslim Leadership in Pakistan. The chief credit for this achievement goes to the liberal sector of the constituent assembly which had thus made a contribution in Muslim political theory". (1)

۱۹۵۶ء کا آئین پاکستان اسلامی اصولوں اور مغربیت کو مدغم کرنے میں کامیاب رہا۔ یہ آئین پاکستان مسلمان رہنماؤں کی کاوشوں کا ثمر تھا۔ اس آئین کا سہرا بنیادی طور پر آئین ساز اسمبلی کے آزاد خیال طبقہ کو جاتا ہے جس نے مسلمانوں کے سیاسی نظریہ میں اپنا کردار ادا کیا۔

یہ دستور جہاں اپنے اندر خوبیاں رکھتا تھا، خامیوں سے خالی نہ تھا۔ اس پر بنیادی طور پر یہ تنقید کی جاتی ہے نہ اس کے تحت حکومت پارلیمانی طرز کی تھی اور نہ صدارتی۔

''پاکستان کے علماء نے ہمیشہ پارلیمانی نظام حکومت کی حمایت کی۔ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۵۱ء میں علمائے پاکستان نے اجتماعی اور متفقہ مؤقف یہی اختیار کیا تھا کہ منتخب اسمبلی قانون سازی کا کام کر سکتی ہے۔ جب ۱۹۵۵ء میں پاکستان کے آئین کا مسودہ تیار کیا گیا تو پاکستان بھر کے علمائے کرام نے اس کا تجزیہ کیا کہ آیا اس میں اسلام کے خلاف کوئی بات تو نہیں؟ انھوں نے چند سفارشات بھی پیش کیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ملک میں عام انتخابات جلد کرائے جائیں۔ (۲)

"۱۹۵۶ء کے آئین میں کچھ ایسی خامیاں رہ گئی تھیں جو قرآن وسنت کی روح کے منافی تھیں اور جن کی وجہ سے ارتداد کا دروازہ کھلنے کا شدید اندیشہ تھا۔ مولانا مفتی محمود کی دوررس نگاہوں نے ابتداء ہی میں اس خطرے کو بھانپ لیا اور ملتان میں ملک بھر کے جید علماء ومشائخ کا ایک عظیم کنونشن بلا کر ان کے سامنے صورتِ حال واضح کی۔ علماء نے ۱۹۵۶ء کے آئین کے مطالعہ کے بعد مولانا مفتی محمود کی سربراہی میں ایک کمیٹی مقرر کی جس کا مقصد ۱۹۵۶ء کے آئین میں موجود خرابیوں کی قرآن وسنت کی روشنی میں نشاندہی کرنا اور ان کے انسداد کی تجاویز پیش کر کے ارباب اقتدار کو متنبّہ کرنا تھا۔ مولانا مفتی محمود نے ۱۹۵۶ء کے آئین کی خامیوں پر اسلامی نقطہ نظر سے تنقید کر کے تمام علمی حلقوں سے خراج تحسین حاصل کیا اور حکومت پاکستان کے اس پروپیگنڈا کی پرزور تردید کی کہ یہ ایک اسلامی آئین ہے۔" (۳)

1. Ahmad. Manzoor-ul-Din. Doctor-The emerging Islamic State, 1st Ed. Karachi 1966, Page 244.

۲۔ ظفر، ایس۔ ایم، عوام پارلیمنٹ، اسلام۔ برائٹ بکس، اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور۔ جولائی۔ ۲۰۰۵۔ ص ۳۰۲، ۳۰۵

۳۔ ترجمان اسلام لاہور ہفت روزہ (مولانا مفتی محمود نمبر) جلد نمبر ۲۳، شمارہ نمبر ۱۶، ۱۷۔ ۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء ص ۱۴۸

۱۹۵۶ء کی اسلامی دستور سازی کے سیاسی اثرات

۱۹۵۶ کی اسلامی دستور سازی کے ملک پاکستان کے باشندوں پر عمومی اور سلطنت کے حکام پر خصوصی طور پر پڑنے والے اثرات درج ذیل ہیں۔

۱۔ اسلام کے بارے میں غلط فہمی کا ازالہ:

اعلیٰ سول حکام میں یہ غلط فہمی تھی کہ اسلام میں امور سلطنت چلانے کے بارے میں کوئی تفصیلی ہدایات نہیں ہیں۔ یہ دین صرف عبادات و اخلاقیات کا مذہب ہے۔ یہ وہ غلط فہمی ہے جو مغربی فکر و فلسفہ، یورپی تہذیب و ثقافت کے ذریعے ہمارے تعلیمی اداروں میں آئی اور یہاں کے مغرب زدہ جدت پسند طبقہ نے یہ سمجھا کہ اسلام کے احکام و قوانین بہت قدیم ہو چکے ہیں۔ موجودہ دور میں اس کی تنفیذ بہت مشکل ہے۔ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام ایک مکمل دین ہے۔ جو جملہ مذاہب عالم میں اپنی حقانیت کے لیے مضبوط دلائل اور امتیازی خصوصیات رکھتا ہے۔ یہ دین مسجد اور بازار میں ربط قائم کرتا ہے۔ عبادات اور سیاست کو جمع کرتا ہے۔ فلاحِ دارین کا ضامن ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّفِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" [۱]

ترجمہ: "اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں اچھا بدلہ اور آخرت میں بھی اچھا بدلہ عطا فرما اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا"

اس آیت میں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی طلب کی گئی ہے۔ دنیا کو پہلے اور آخرت کو بعد میں اس لئے طلب کیا گیا ہے کہ دنیا پہلے اور آخرت بعد میں ہے۔ اسلام میں عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، حقوق، حدود و تعزیرات، انفرادی و عائلی زندگی کے قوانین اور فوجداری احکام کے ضوابط موجود ہیں۔ ہر فرد کی جان و مال، عزت و آبرو، عقل و فہم اور ایمان کی حفاظت کا بندوبست بھی کیا گیا ہے۔ مدینہ طیبہ کی پہلی اسلامی ریاست اس کی نظیر ہے جس کے سربراہ فخر الرسل خاتم الانبیاء تھے۔ الغرض علمائے کرام کی مساعی جمیلہ سے ارباب اقتدار کی اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔

۲۔ علماء کی علمی فضیلت کا اعتراف:

مسٹر اے۔ کے بروہی اور دیگر ذمہ داران حکومت جو شروع ہی سے امور سلطنت میں اسلامی رہنمائی کے قائل نہ تھے علماء کے پر مغز دلائل سے انھوں نے نہ صرف اپنے موقف سے رجوع کر لیا بلکہ اسلامی دفعات کو منظور کرانے میں پیش پیش رہے۔

۳۔ حکومتی ذمہ داران میں دینی حمیت و غیرت کا جذبہ ہونا:

علماء کرام کی کاوشوں کی وجہ سے حکومتی زعماء میں دینی حمیت و غیرت کا جذبہ کسی نہ کسی حد تک برقرار رہا۔ ان کے دلوں کے اندر احکام الٰہی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت موجود رہی۔

۱۔ البقرہ: سورۃ نمبر ۲، آیت نمبر ۲۰۱

علماء کرام کی مساعی جمیلہ سے ۱۹۵۶ء کے دستور کے تحت شراب، جواء اور دیگر محرمات شرعیہ پر پابندی لگا دی اب جو بھی شراب نوشی کرتے ہوئے یا جوا وغیرہ کھیلتے ہوئے پکڑا جاتا اس کو قانون کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔

۵۔ اسلامی بورڈ قائم کرنے کا اختیار:

علماء کی طرف سے متفقہ آئینی ترامیم میں صدر پاکستان کو اسلامی بورڈ قائم کرنے کا اختیار دیا گیا۔ اس بورڈ کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ غیر اسلامی قوانین کی جگہ پر اسلامی قوانین تجویز کرے۔ اس پر عمل درآمد کی صورت وہ ہوگی جو آئین کی دفعہ ۲۰۵ شق ۴ میں تجویز کی گئی ہے۔

۶۔ اسلامی مالیاتی واقتصادی نظام کی طرف رجوع کا جذبہ:

اسلامی دستور سازی سے عوام کو اسلامی مالیاتی واقتصادی نظام کے بارے میں تجسّس ہوا انہوں نے اس کا مطالعہ کیا تو اس کے فوائد وثمرات عوام پر کھلے اس طرح عوام کے ایک بڑے طبقے نے اسلامی مالیاتی نظام کی طرف رجوع کیا۔ آئندہ ادوار میں جب حکومتی سطح پر اقتصادی نظام کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے میں سستی ہوئی تب ہی ماہرین علماء نے دین دوست عوام کے تعاون سے سود سے پاک اسلامی، اقتصادی نظام تشکیل دینے کی کوشش کی۔ یہی سلسلہ آگے بڑھتا رہا اور آج ''اسلامی بینکاری'' کے نام سے بہت سے ادارے وجود میں آچکے ہیں جن کا عالمی سطح پر تعارف واعتماد بڑھ رہا ہے۔

معاشرتی اثرات

پاکستانی معاشرہ ایک مسلم اکثریتی آبادی پر مشتمل معاشرہ ہے جس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس کی عوام دین اسلام کو دل وجان سے عزیز رکھیں اور اس پر عمل کرنے کا سچا جذبہ رکھیں، جب مملکتِ خداداد پاکستان کے اربابِ اقتدار نے قانون سازی پر توجہ دی اور اسمیں ملک کی نظریاتی اساس وفکری بنیاد کو مدِ نظر رکھا تو اسلامی قانون کے معاشرہ پر نہایت ہی مفید، حیران کن اور خوشگوار اثرات مرتب ہوئے جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ معاشرے میں احکام الٰہی کی تعمیل میں اضافہ:

اسلامی قانون سازی کی وجہ سے عوام الناس میں احکام الٰہی کی تعمیل کا جذبہ پیدا ہوا۔ لوگوں کے دلوں میں اللہ اور رسول کے احکامات کی خلاف ورزی سے اللہ کی ناراضگی لازم آنے والے شعور میں اضافہ ہوا ہے کیونکہ کسی مملکت کے سیاسی ڈھانچے میں بنیادی چیز ''قانون'' ہے۔ ضابطہ اخلاق ہی وہ بنیادی سہارا ہے جس کے ذریعے مملکت کے تمام ادارے انتظامیہ عدلیہ اور مقننہ وغیرہ اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں دستور سازی کے نتیجے میں اس شعور نے زور پکڑا کہ اسلام پاکستان کا ریاستی مذہب ہے۔ قرآن وسنت اس کا سپریم لاء ہے۔ عوام میں یہ احساس اجاگر ہوا کہ ہمیں نہ صرف عبادات ومعاشرت میں دینی تعلیمات کا اتباع کرنا لازمی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا خطہ نصیب کیا ہے جس کے عدالتی نظام میں بھی دین کی بہار ہوگی۔

حکومتی سطح پر اسلامی احکامات کی تعمیل کے بارے میں قانون سازی سے لوگوں میں اسلامی احکامات کی تعمیل میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اُن کے دلوں میں عشق رسالت میں بے پناہ اضافہ ہوا کیونکہ اسلامی احکامات سے قدرتی طور پر انسان کے دل میں محبت و عشق رسالت میں اضافہ ہوتا ہے۔ کسی ہستی کی اطاعت اس کی محبت و عشق پر ہی ہوتی ہے۔ مشہور محاورہ ہے۔ ''از محبت تلخہا شیریں شود'' محبت سے تلخ چیز بھی میٹھی ہو جاتی ہے۔ واقعی محبت کی بدولت مشکل کام آسان ہو جاتے ہیں۔ محبت الٰہی اور عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ دو قوتیں ہیں جو احکام شرعیہ کو آسان بنا دیتی ہیں۔

۳۔ اسلامی تہذیب وثقافت سے وابستگی:

اسلامی قانون سازی سے لوگوں کے دلوں میں اسلامی تہذیب وثقافت سے وابستگی میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی تہذیب وثقافت کی قدر و منزلت میں اضافہ جبکہ غیروں کی تہذیب وثقافت سے وابستگی میں نمایاں کمی ہوئی ہے۔ کسی معاشرے کی بنیاد اس کی امتیازی ثقافت اور منفرد تہذیب ہوتی ہے اور تہذیب منظم نظام زندگی، مکمل قانون اور ضابطہ حیات سے تشکیل پاتی ہے۔ اسلامی قانون سازی اور دستوری مہم سے یہ شعور اجاگر ہوا کہ اسلام ایک نظام حیات اور بہترین مذہبی تمدن ہے جو زمانے کا رفیق نہیں رہبر ہے، رہرو نہیں رہنما ہے۔ پھر اس شعور کی بناء پر غیر اسلامی تہذیبوں سے وابستگی کم ہوتی ہے اور ایک اسلامی تہذیب سے مضبوط تعلق کا ادراک بڑھتا ہے۔

۴۔ دینی علوم کے حصول کی رغبت:

اسلامی قانون سازی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں دینی علوم کے حصول کی رغبت میں اضافہ ہوا ہے۔ دینی علوم کے حصول سے دنیا و آخرت کی بھلائی اور فکر آخرت میں اضافہ ہوا ہے۔ اسلام پاکستان کا ریاستی مذہب ہے۔ قرار دادِ مقاصد میں اسلام کو مملکت خداداد پاکستان کا سپریم لاء قرار دیا گیا ہے۔ جب دستوری ڈھانچے کو اس بنیادی اصول کے تحت ڈھالنے کی کوشش شروع ہوئی تو حکومتی سطح پر مختلف ادارے مثلاً وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل وغیرہ وجود میں آئے ان میں ماہرین شریعت علماء کی ضرورت پڑی جس سے عوام میں اور خاص طور پر جدید قانون کے جاننے والے طبقہ میں اسلامی علوم اور علم فقہ کے حصول کی خواہش بڑھی اور حصول علم ہی دنیا و آخرت کی بھلائی کیلئے پہلی سیڑھی کا درجہ رکھتا ہے۔

۵۔ اسلامی احکام کے ادب واحترام اور پیروی میں اضافہ:

اسلامی قانون سازی کی وجہ سے عوام الناس میں اسلامی احکامات کے ادب واحترام اور پیروی میں اضافہ ہوا ہے۔ اسلامی احکامات سے پہلو تہی اختیار کرنا یا تمسخر اُڑانا جیسے جذبات میں نمایاں کمی ہوئی ہے۔

۶۔ باطل قوتوں کی یلغار کے خلاف ڈٹے جانے کا عزم:

اسلامی قانون سازی جو کہ علماء کرام کی ثابت قدمی کی مرہون منت ہے اس سے مسلمانوں کے دلوں میں نہ صرف اسلامی

۷۔ نواجوان نسل کا دینی علوم کی طرف رجوع:

اسلامی قانون سازی سے نوجوان نسل کے اندر دینی علوم کی طرف رجوع کرنے کا جذبہ بڑھ گیا ہے۔ دنیاوی تعلیم یافتہ نوجوانوں نے بھی مذہب سے وابستگی پختہ کرنے کے لیئے تفسیر وحدیث کے ذخائر اور مذہبی تشریحات پر مبنی کتب دینیات کا مطالعہ شروع کر دیا ہے۔

مذہبی اثرات

۱۔ احکام الٰہی کی اطاعت:

۱۹۵۶ء کے دستور میں اسلامی دفعات کے شامل ہونے سے قرآن وسنت کے مطابق دستور سازی سے لوگوں میں احکام الٰہی کی اطاعت کے جذبہ میں اضافہ ہوا ہے۔ سرکاری سطح پر احکام الٰہی کی پابندی کے حکم سے لوگ کافی حد تک پابندی اختیار کر گئے۔ احکام الٰہی کی نافرمانی سے قانونی سزا کا خوف بھی اُن کو اطاعت الٰہی پر مجبور کرنے کا باعث ہوا۔

۲۔ مذہبی عقائد میں پختگی

احکام الٰہی کو سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں بجالانے سے لوگوں میں مذہبی عقائد میں پختگی پیدا ہوئی اور سنت رسول ﷺ کی اہمیت لوگوں کے دلوں میں رچ بس گئی۔

۳۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے جذبہ کا ابھرنا:

۱۹۵۶ء کے دستور میں اسلامی احکامات شامل کرنے سے لوگوں کے دلوں میں اسلامی احکامات کی اہمیت بڑھ گئی اور لوگوں کے دلوں میں احکام الٰہی کی پابندی سے دوسروں کو احکام الٰہی کی پابندی کی طرف راغب کرنے کا جذبہ ابھرا اور یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النّبیین ہیں لہٰذا دوسروں کو نیکی کی دعوت وترغیب اور برائی سے بچنے کی ترھیب وترغیب ہر کلمہ گو صاحبِ علم مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

۴۔ دینی جذبے کا تسلسل:

اسلامی قانون سازی سے عوام میں دینی جذبے کا تسلسل بڑھا۔ اُن کے اندر اللہ کے احکامات کو بجالانے کا جذبہ بڑھنے لگا۔ اب دینی تعلیم بڑے لوگوں کے گھرانوں تک بھی پہنچ گئی ہے۔

۵۔ امراء کے خاندان میں دینی تعلیم:

علماء کی کاوشوں سے دینی تعلیم کا رجحان بڑھا۔ پہلے دینی تعلیم کے حصول کے لیے غرباء کے خاندانوں کے بچے مساجد کا رخ کرتے تھے لیکن اب امراء وزراء کے بچے بھی دینی تعلیم کے حصول کے لیے مساجد ومدارس کا رُخ کرتے نظر آتے ہیں۔

مذہبی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے رجحان میں اضافہ سے عوام الناس میں علماء کی قدرومنزلت میں اضافہ ہوا کیونکہ دینی احکامات کی صحیح پیروی کے لیے علماء کرام کی رہنمائی کے بغیر چارہ نہیں۔

خلاصہ بحث

۱۴۔اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر عارضی طور پر قانون ہند ۱۹۳۵ء کو پاکستان کے آئین کے طور پر اپنا لیا گیا تھا۔ یہ آئین غیر منقسم ہندوستان کے لیے بنایا گیا تھا اس میں ایک آزاد ملک کی ضروریات کو پورا کرنے کی گنجائش موجود نہیں تھی۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی سے ۱۱۔اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

اب آپ لوگ ایک آزاد قوم کے فرد ہیں آپ اپنی عبادت گاہوں میں آزادانہ جاسکتے ہیں آپ سب سیاسی طور پر پاکستان کے یکساں شہری ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے لیے ایک جمہوری اور فلاحی آئین بنانے کے متمنی تھے۔ آئین سازی دستور ساز اسمبلی کی اولین ذمہ داری قرار دی گئی۔ وزیراعظم لیاقت علی خاں نے آئین ساز اسمبلی میں ایک قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد کو "قرارداد مقاصد" کا نام دیا گیا اس قرارداد کو دستور ساز اسمبلی نے فوری طور پر منظور کر لیا۔ قرارداد نے آئین کے لئے ایک اہم بنیادی اساس فراہم کر دی تھی۔ اس قرارداد میں واضح کر دیا گیا تھا کہ پاکستان کا دستور جمہوری، فلاحی، اسلامی اور تمام قومیتوں اور علاقوں کے حقوق کو تحفظ فراہم کرنے کا ضامن ہوگا۔

پاکستان کی اسلامی آئین سازی میں قرارداد مقاصد ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرارداد مقاصد مستقبل کے دستور کے بنیادی اصولوں کا مجموعہ تھی اس میں اقتدار اعلیٰ کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کی ذات کو تسلیم کیا گیا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع، مولانا ظفر احمد عثمانی اور دیگر علماء کرام نے قرارداد مقاصد کی منظوری اور اس کے نفاذ میں بھرپور حصہ لیا اور ہر سطح پر اس کے نفاذ کی مہم کو کامیاب بنانے کی سعی کی۔ اس سلسلہ میں علمائے کرام نے اعلیٰ حکومتی زعماء سے انفرادی اور اجتماعی ملاقاتیں کیں اور انہیں باور کرایا کہ پاکستان میں اسلامی نظام حکومت ناگزیر ہے اور یہی ملکی تقاضوں کا ضامن ہے۔

قرارداد مقاصد منظور ہو جانے کے بعد ملک میں آئین سازی کے کام کو مکمل کرنے کے لیے پچیس اراکین پر مشتمل بنیادی اصولوں کی ایک کمیٹی بنادی گئی۔ جس نے آئین کے بارے میں قرارداد مقاصد کی روشنی میں غور وفکر کے بعد رپورٹ پیش کرنا تھی۔ اس رپورٹ کے ناقص ہونے کی وجہ سے سیاسی اور مذہبی حلقوں نے اس پر سخت تنقید کی۔

۲۱۔تا ۲۴۔جنوری ۱۹۵۱ء کو پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام کراچی میں ایک کانفرنس کے سلسلہ میں اکٹھے ہوئے جس کی صدارت سید سلیمان ندوی نے کی۔ انہوں نے اس کانفرنس میں متفقہ طور پر ۲۲ دستوری نکات کی منظوری دی۔ کانفرنس نے سویتہ

میں علماء نے شریعت اسلامیہ کے عملی نفاذ کی تدابیر بھی پیش کیں۔اس کے علاوہ خلاف شریعت قانون بنانے کی بھی ممانعت کی گئی۔غیر اسلامی رائج الوقت قوانین کو مقررہ مدت کے اندر منسوخ کرنے کے لیے کہا گیا ان بائیس نکات میں علماء نے اسلامی دستور سازی پر اپنی مضبوط گرفت کا بھرپور طریقہ سے اظہار کیا۔ان نکات پر مختلف مکتبہ فکر کے علماء متحد ہو گئے تھے۔۲۲ نکات کو مانتے ہوئے دستور تیار کر لیا جاتا تو مسئلہ حل ہو جاتا لیکن سب کوششیں بیکار ہو گئیں۔علماء کنونشن میں دستور کی تیاری کے لیے اسلامی بنیادوں پر رہنمائی فراہم کرنے کا عزم کیا گیا۔

بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی دوسری رپورٹ وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے ۲۲۔دسمبر۱۹۵۲ء کو پیش کی۔لیکن اس وقت رپورٹ کو کچھ عرصے کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔یہ رپورٹ جب منظر عام پر آئی تو اس سے ملک کے سیاسی حلقوں میں بے چینی کی لہر پھیل گئی کیونکہ ان تجاویز میں قومی زبان کا ذکر ہی نہیں تھا۔اس رپورٹ پر بحث ومباحث اور غور وفکر کا سلسلہ جاری تھا کہ اُس دوران تحریک ختم نبوت کی وجہ سے مسلمانوں نے تحریک احمدیہ (مرزائیوں) کے خلاف اپنی شدید کاروائیوں کا آغاز کر دیا تھا۔اس بحران کی وجہ سے گورنر جنرل نے خواجہ ناظم الدین کی وزارت ختم کر کے محمد علی بوگرہ کو ۱۴۔اپریل۱۹۵۳ء کو وزارت بنانے کی دعوت دی۔

۷۔اکتوبر۱۹۵۳ء کو محمد علی بوگرہ نے ایک آئینی فارمولا پیش کیا۔اس فارمولا کی تصدیق ۱۶۔اکتوبر۱۹۵۳ء کو پاکستان کی آئین ساز اسمبلی نے کر دی تھی۔چوہدری محمد علی کے دور کا شاندار کارنامہ ۱۹۵۶ء کے دستور کی تشکیل تھا۔اس سلسلہ میں دستور ساز اسمبلی کا اجلاس تقریباً ۸ ماہ تک مسلسل جاری رہا۔تمام سیاسی لیڈروں نے تعاون کیا۔اپوزیشن نے بھی مثبت رویہ اختیار کیا۔

"۱۹۵۶ء کی دستور سازی میں علماء کنونشن ۱۹۵۱ء کے ۲۲ دستوری نکات اور علماء کنونشن ۱۹۵۳ء ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔مولانا ظفر احمد عثمانی نے ۹۔نومبر۱۹۵۵ء کو ایک خط کے ذریعے وزیر اعظم پاکستان کو اُن کی ۱۲۔ربیع الاول کے موقع پر کی جانے والی تقریر کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ اسلامی دستور سازی کا جو مسودہ قوم کے سامنے لایا جا رہا ہے اگر اس میں سے اسلامی رہنما اصولوں کا باب نکال دیا گیا تو سیرت پر تقریر کرنا بیکار ہے اگر دستور پاکستان کا وہی نمونہ ہو جو اخبارات سے سامنے آرہا ہے۔تو نہ خدا کی مدد آپ کے ساتھ ہو گی اور نہ قوم کا تعاون آپ کو حاصل ہو گا"۔

"۱۲۔فروری۱۹۵۶ء کو مشرقی پاکستان میں اسلامی آئین کی کل جماعتی کمیٹی کے زیر اہتمام جلسہ میں مولانا راغب احسن نے مطالبہ کیا کہ مصر وشام کی طرح پاکستان میں اسلام کو سرکاری مذہب کا درجہ دیا جائے اور مولانا عبدالسلام اور مولانا امین الاسلام نے حکومت پر واضح کیا کہ مشرقی پاکستان کے نوے فیصد آبادی اسلامی آئین چاہتی ہے اور حکومت کو متنبہ کیا کہ آئین میں اسلامی دفعات شامل نہ کرنے کے نتائج انتہائی خطرناک ہوں گے بہر حال علماء کرام کی زبردست کاوشوں سے ارباب اقتدار جو پہلے اسلامی دستور کے قائل ہی نہ تھے۔اسلامی دستور پاس کرانے میں بڑی دلچسپی لیتے رہے۔بالآخر مورخہ ۲ مارچ ۱۹۵۶ء کو ایک شاندار اور پروقار تقریب میں آئینی بل پر دستخط کر کے گورنر جنرل نے اسے

ا۔عبدالرحمان خاں، منشی،تعمیرِ پاکستان اور علمائے ربانی، ادارہ اسلامیات۔۱۹۰۔انارکلی لاہور، جولائی ۱۹۹۲ء ص ۲۱۷

۲۷۔اکتوبر ۱۹۵۸ء کو فوج نے جنرل ایوب خان کی قیادت میں ملک کا پورا نظام اپنے ہاتھ میں لے کر اسکندر مرزا کو صدارت سے علیحدہ کر دیا اور ۱۷۔فروری ۱۹۶۰ء کو جسٹس شہاب الدین کی سربراہی میں ایک کمیشن دستور ساز تشکیل دیا گیا جس نے پارلیمانی نظام حکومت کے ناکافی ہونے کا جائزہ لے کر اس کے حل کے لیے مئی ۱۹۶۱ء میں رپورٹ صدر مملکت کو پیش کر دی۔ ایوب خان نے اپنی ضرورت کے مطابق کمیشن کی سفارشات میں ترامیم کر کے یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو پورے ملک میں نافذ کر دیا یہ پاکستان کا دوسرا دستور تھا جسے عوامی نمائندوں کی بجائے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے خود تخلیق کیا۔

اس آئین کے تحت اراکین اسمبلی براہ راست عوام کے ووٹوں سے منتخب نہیں ہوتے بلکہ بنیادی جمہوریت کے اراکین یونین کونسل، ٹاؤن کمیٹی، میونسپل کمیٹی، میونسپل کارپوریشن، اسمبلی کے اراکین کا انتخاب اپنے ووٹوں سے کرتے ہیں۔ یہ دستور پارلیمانی نوعیت کا تھا۔ ابتداء میں بنیادی حقوق دستور میں شامل تھے لیکن بعد میں دستور میں پہلی ترمیم کے تحت ۱۹۶۳ء میں بنیادی حقوق کی فہرست دستور کا حصہ بنی۔ ایوب خان کے عائلی قوانین (Family Laws) کے بارے میں علماء کرام کا مشترکہ اجلاس بلا کر بھرپور مذمت کی گئی اور اسے قرآن وسنت کے منافی قرار دیا گیا۔

۱۹۶۲ء کا دستور ایوب حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی منسوخ ہو گیا اس طرح ملک ایک مرتبہ پھر آئینی بحران کا شکار ہو گیا۔ سقوط مشرقی پاکستان کے بعد صدر بھٹو نے عوام سے خطاب میں وعدہ کیا کہ قوم کو جلد آئین دیا جائیگا۔

۱۹۷۳ء کے آئین میں آئینی ترمیم کے ذریعے قرارداد مقاصد کو دستور کا باقاعدہ حصہ بنا دیا گیا۔ اسلامی دستور کے حوالے سے یہ بڑا اہم قدم تھا۔ اس آئین میں قرآن اور اسلامیات کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عربی زبان کی تعلیم وتدریس کے فروغ کا وعدہ کیا گیا۔ آئین کی علیحدہ شق میں اس پر گنجائش بھی رکھی گئی تھی کہ رائج الوقت غیر اسلامی قوانین کو یکسر خارج کر دیا جائے گا۔ علماء کی بھرپور رہنمائی اور عوامی تحریک کی مدد سے اس آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تا کہ مملکت خداداد پاکستان کا نظریا چہرہ مسخ نہ ہو سکے۔

اسلامی دستور سازی نے پاکستان کی سیاسی معاشر اور مذہبی اقتدار پر دوررس اثرات مرتب کئے۔ عوام کے دلوں میں اسلامی تعلیمات کی قدر ومنزلت میں گراں قدر اضافہ ہوا جس سے آنے والی نسلیں بھرپور طریقے سے مستفید ہوئیں۔

۱۔ عبدالرحمان خاں، منشی، تعمیرِ پاکستان اور علمائے ربانی، ایضاً ص ۲۲۳

باب سوم

۱۹۶۲ء کی دستور سازی میں علماء کے کردار کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

فصل اول: دستور ۱۹۶۲ء کا تاریخی پس منظر

۱۹۵۶ء کے آئین کے نفاذ کے بعد ملک کے اندر جس سرعت کے ساتھ سیاسی اور اقتصادی حالات میں تبدیلیاں ہوئیں اور ہر طرح سے بے اطمینانی کی فضا پیدا ہوئی اس سے کوئی بھی سنجیدہ طبقہ صرف نظر نہیں کر سکتا تھا۔ ۱۹۵۷ء میں ملک کی سیاسی صورت حال بالکل دگرگوں ہو گئی تھی تو اس وقت فوج میں بھی ایک خاص طرح کی سوچ ابھرنے لگی تھی۔

میجر جنرل سکندر مرزا نے اپنے اقتدار اور اختیار کے لیے فوج کا بھرپور استعمال کیا۔ پہلی آئین ساز اسمبلی برخاست کرنے پر جنرل محمد ایوب خان کو بھی کابینہ میں شامل کر لیا گیا۔ فوج کی اس بالواسطہ شراکت اور شمولیت کے دوران میں جنرل محمد ایوب خان کے ساتھ ۱۹۵۷ء میں متعدد سیاستدانوں نے ملاقاتیں کر کے ملک کے سیاسی حالات سے باخبر کیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ جنرل ایوب خان نے خود بھی مشرقی اور مغربی پاکستان کے کئی دورے کیے اور سیاسی صورت حال کے بارے میں لوگوں کے خیالات سے آگاہی حاصل کی۔

صدر اسکندر مرزا نے ۷۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ملک میں جمہوریت کی بساط لپیٹ دی۔ انہوں نے رات گئے مارشل لاء کے نفاذ کا اعلان کرتے ہوئے ۱۹۵۶ء کے آئین کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا جس کے ساتھ ہی مرکزی اور صوبائی اسمبلیاں، مرکزی اور صوبائی حکومتیں، وزیر اعظم اور دیگر وزراء کا وجود ختم ہو گیا۔ صدر سکندر مرزا نے بتایا کہ میں دو سال سے اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد دیکھ رہا ہوں جس میں سیاستدان عوام کو اسلام کے نام پر دھوکہ دے رہے ہیں۔ کچھ لوگوں کی حرکات کی وجہ سے ملک میں گھٹیا قسم کی ڈکٹیٹر شپ قائم ہو گئی ہے اور آئین ناقابلِ عمل ہو چکا ہے۔

۲۷۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو فوج نے جنرل ایوب خاں کی قیادت میں ملک کا پورا نظام اپنے ہاتھ میں لے کر اسکندر مرزا کو صدارت سے علیحدہ کر دیا۔ جنرل ایوب خان نے فوجی انقلاب کے ایک سال بعد ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو ملک میں بنیادی جمہوریت کا نظام متعارف کرا دیا تھا۔ اس بنیادی جمہوریت کے نظام میں پہلی بار شہری آبادی کے ساتھ ساتھ دیہی آبادی کو واضح اور موثر نمائندگی کا موقع دیا گیا تھا۔ اس طرح یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دیہات کے ناخواندہ یا کم تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی یہ موقع فراہم کیا گیا کہ وہ کسی نہ کسی حد تک ملکی سیاست میں حصہ دار بن سکیں۔ اس حوالے سے صدر کے انتخاب کے لیے بالواسطہ طریق کو منتخب کیا گیا تھا۔ یوں بنیادی جمہوریتوں کے اراکین پر مشتمل ایک انتخابی ادارہ معرضِ وجود میں آ گیا تھا۔ اس نظام میں ملک بھر میں سب سے پہلے عوام خود اپنے اسی ہزار نمائندوں کا انتخاب کرتے اور پھر وہی اسی ہزار نمائندے صدر کے چناؤ کے لیے اپنا ووٹ استعمال کرتے۔

بنیادی جمہوریت کے اس نظام میں بنیادی اکائی یونین کونسل یا یونین کمیٹی تھی۔ اسے ٹاؤن کمیٹی بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد تحصیل کونسل پھر تیسرے مرحلے پر ڈسٹرکٹ کونسل، چوتھے مرحلے پر ڈویژنل کونسل اور پانچواں مرحلہ مشاورتی صوبائی کونسل کا تھا۔ یہ

بالغ رائے دہی سے عمل میں آتا تھا۔ یہی ۸۰ ہزار ممبر اسمبلیوں کے ممبروں کا چناؤ بھی کرتے اور صدر کا انتخاب بھی وہی کرتے تھے۔ اس نظام کا مقصد لوگوں میں صحت مند سیاسی شعور پیدا کرنا تا کہ ملکی سیاسی فضا ترقی کی خاطر سازگار رہے۔

بنیادی جمہوریت کے نظام میں اراکین کا انتخاب غیر جماعتی بنیادوں پر کیا گیا۔ بنیادی جمہوریت کے انتخابات ہوئے تو عوام میں سیاسی شعور ابھرا۔ اداروں کے انتخابات میں سیاسی جماعتوں کا کوئی عمل دخل نہ تھا، صوبائی ترقیاتی کونسلوں کی جگہ صوبائی کونسلوں نے لی تو انتخابی عمل میں سیاسی جماعتوں کو شریک ہونے کی اجازت مل گئی۔ انہیں جمہوری اقدار کی اہمیت کا احساس ہوا۔ ووٹ کی قدر و قیمت سے آشنا ہوئے عوام کی مقامی سیاست میں دلچسپی بڑھی تو انہیں خوب سیاسی تربیت حاصل ہوئی۔ اگرچہ مقامی سطح پر باہم اختلافات میں تیزی سے اضافہ ہوا لیکن جمہوری عمل پر کافی مثبت اثرات بھی مرتب کیے۔

سیاسی جماعتیں عوام اور سیاست دانوں کی تربیت کرتی ہیں، پاکستان میں سیاسی جماعتیں اس فریضہ کی ادائیگی میں ناکام رہیں وہ خود منتشر اور غیر منظم تھیں اس لیے عوام کو منظم نہ کر سکیں۔ عوام محض تماشائی بنے ملک میں ہونے والے سیاسی تماشا کو دیکھتے رہے۔ عوام میں یہ شعور نہ تھا کہ وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے انہیں سیاسی جماعتیں اپنے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی رہیں۔ ارکان اسمبلی اپنی وفاداریاں بدلتے رہے لیکن عوام کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ ارکان کو یہ خوف ہرگز نہ تھا کہ وفاداریاں تبدیل کرنے کی صورت میں وہ عوام میں غیر مقبول ہو جائیں گے اور آئندہ انتخاب میں کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکیں گے۔ عوام بیزار، مایوس اور خاموش رہے عام انتخابات نہ ہونے کی وجہ سے بھی عوام کو اپنی رائے کے اظہار کا موقع نہ مل سکا۔ سیاسی شعور کی کمی دستور کی تنسیخ کا باعث بنی۔ اگر عوام کو دستور کی قدر و قیمت کا پتہ ہوتا تو وہ کسی جنرل کو دستور کے توڑنے اور مارشل لاء نافذ کرنے کی اجازت نہ دیتے۔ عوام اس حد تک سیاسی شعور سے عاری تھے کہ مارشل لاء نافذ ہوا تو وہ اسے خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

مولانا مودودی نے اپنے ۱۹۵۶ء کے دستور کی منسوخی کے بارے میں فرمایا کہ:

> "اس دستور کو ایک ایسے شخص نے منسوخ کیا تھا جسے اس کو منسوخ کرنے کا کوئی آئینی اختیار حاصل نہ تھا۔ اسے مدت میں جو اختیارات حاصل تھے وہ اسی دستور سے ماخوذ تھے۔ اس کے اپنے اختیارات کوئی نہ تھے۔ اس لئے فی الواقع وہ دستور منسوخ نہیں ہوا بلکہ آج بھی قائم ہے۔ اگر ہم ایک مرتبہ یہ تسلیم کر لیں کہ اس وقت کے گورنر جنرل اسکندر مرزا کے منسوخ کرنے سے یہ آئین منسوخ ہو گیا تھا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنے ملک میں یہ روایت قائم کر دیں کہ جس شخص کے ہاتھ میں طاقت ہو وہ جب چاہے ملک کے بنیادی قانون کو اُٹھا کر پھینک دے اور اس کے پھینک دینے سے وہ فی الواقع بنیادی قانون نہ رہے۔" (۱)

اگر ۱۹۵۶ء کے دستور پر چند سال عمل کرنے کا موقع دیا جاتا۔ ۱۹۵۸ء کے متوقع انتخابات کرا دیئے جاتے اور سیاسی عمل مسلسل جاری رہتا تو یہی دستور کامیاب شکل اختیار کر لیتا لیکن ایک طرف اسکندر مرزا اپنے ذاتی مفادات کے لیے سب کچھ کر رہے

۱۔ طفیل محمد، میاں۔ جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، ملتان روڈ لاہور، نومبر ۲۰۰۱ء، ص ۱۸۸

ہوس اقتدار ۱۹۵۶ء کے دستور کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب بنی ۔ سیاسی جماعتوں اور سیاسی حکمرانوں نے اپنی غلطیوں اور باہمی اختلافات کی وجہ سے موقع فراہم کر دیا۔ اسکندر مرزا نے جب اپنے مستقبل کو مخدوش سمجھا تو ایوب خان کو مداخلت کی دعوت دی اور فوج کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ لیکن جنرل ایوب خان نیا سکندر مرزا سے فائدہ اٹھایا۔ صدر اسکندر مرزا ۲۷۔ اکتوبر کے انقلاب کا ذمہ دار قرار پایا۔ جب ایوب خان نے حالات مستحکم دیکھے تو ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو مرزا کو بھی چلتا کیا یہ ایوب خان کا خواب تھا جو پورا ہوا اور وہ اقتدار کی سب سے اونچی کرسی تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ ایوب خان کا مارشل لاء نافذ ہوا تو عوام نے سکھ کا سانس لیا۔ ملک میں سیاسی عدم استحکام، آئے روز بدلتی حکومتیں اور عوامی بے چینی کا دور ختم ہوا۔ ایوب خان نے سمگلنگ، ذخیرہ اندوزی، مہنگائی، قانون شکنی اور سماج دشمن سرگرمیوں کو دبا دیا۔ صنعتوں کی ترقی اور زراعت میں پیداواری اضافہ ایوب خان کے وقار کو بڑھانے کا باعث بنا۔

ملک کو صدارتی نظام کی طرف دھکیلنے والے مفاد پرست طبقہ نے ۱۹۵۶ء کے آئین کی منسوخی کے بعد یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ ملک میں پارلیمانی جمہوری نظام ناکام ہو چکا ہے۔ حالانکہ اس نظام کو پھلنے پھولنے کا موقع ہی فراہم نہ کیا گیا بلکہ اس آئین کو ایک خاص مقصد کی خاطر منسوخ کر دیا گیا۔ ملک میں موجود آئینی مسائل کا بہترین حل اس آئین میں موجود تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ حقیقت تھی کہ نوزائیدہ مملکت کے لیے ایک آئین تشکیل دیا گیا تھا لیکن مفاد پرست اور ملک دشمن عناصر نے اس آئین کو اپنے اقتدار کے راستے میں رکاوٹ خیال کیا اور بالآخر اسے مارشل لاء کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا۔

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں پاکستان کی سیاسی فضا میں عدم استحکام اور عدم تحفظ کا احساس نمایاں تھا۔ فیروز خان نون وزیر اعظم تھے ان کا اقتدار ڈانواں ڈول تھا وہ اقتدار کو بچانے کے لیے وزراء کی تعداد میں اضافہ کئے جا رہے تھے۔ حالانکہ اس کی انتظامی ضرورت نہ تھی۔ ملک میں عام انتخابات منعقد کرائے جانے کا اعلان ہو چکا تھا اور انتخابی مہم اپنے جوبن پر تھی۔ مذہبی نفرتیں، صوبائی تعصبات اور صوبائی کشمکش ابھر رہی تھی، سیاستدانوں نے ون یونٹ، جداگانہ انتخابات نشستوں کی تقسیم، صوبائی خود مختاری اور علاقائی ثقافتوں کے حوالے سے جذبات بھڑکا دیئے تھے، مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام کو ایک دوسرے سے بدظن کیا جا رہا تھا۔ حکومت کی کمزوری اس امر سے عیاں تھی کہ سیاسی جماعتیں ایک دوسرے کے انتخابی جلسوں کو الٹ رہی تھیں۔ غنڈہ گردی اور لاقانونیت پھیلی ہوئی تھی لیکن حکومت بے بس تھی۔ بڑے شہروں میں تشدد اور قتل و غارت کا سلسلہ پریشان کن حد تک پھیل چکا تھا۔ مارچ ۱۹۵۸ء میں مشرقی پاکستان کے حالات میں شدت پیدا ہوئی مشرقی پاکستان کا وزیر اعلیٰ عطاء الرحمٰن خاں صوبائی اسمبلی سے بجٹ منظور کروانے میں ناکام رہا۔ عطاء الرحمٰن کا تعلق عوامی لیگ سے تھا اس طرح وزیر اعلیٰ نے مشرقی پاکستان کے گورنر فضل الحق سے کہا کہ وہ اسمبلی توڑ دیں۔ مشرقی پاکستان کے گورنر کا تعلق کرشک سرامک پارٹی سے تھا۔ گورنر مشرقی پاکستان نے صوبائی اسمبلی توڑنے کی بجائے کابینہ توڑ دی اور ابوحسین سرکار کو دعوت دی کہ وہ [illegible] نئی کابینہ بنائیں۔ گورنر کے اس اقدام پر عطاء الرحمٰن خاں نے پاکستان کے وزیر اعظم ملک فیروز خان نون سے رابطہ کیا اور مطالبہ کیا کہ فضل الحق کو مشرقی پاکستان کی گورنرشپ سے علیحدہ کر دیا جائے۔

اس صورتحال میں ملک فیروز خان نون نے مشرقی پاکستان میں سیاسی استحکام کی خاطر یکم اپریل ۱۹۵۸ء کو گورنر فضل الحق کو معزول کر دیا اس کے ساتھ ہی ایک قائم مقام گورنر بنا دیا گیا۔ قائم مقام گورنر نے سب سے پہلے ابوحسین سرکار کی وزارت کو توڑ دیا اور عطاء الرحمٰن کو دوبارہ وزارت بنانے کی دعوت دے کر وزیر اعلیٰ بنا دیا گویا دو دن کے اندر دو وزیر اعلیٰ اور دو گورنر تبدیل کیے گئے۔ [illegible] ۱۹۵۸ء کو صوبائی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا تو اس اسمبلی نے سپیکر کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار کر دیا اس طرح مشرقی پاکستان کی اسمبلی میں انتشار کی صورت پیدا ہو گئی ہے، گورنمنٹ کے ممبرز اور حزب اختلاف کے ممبران میں شدید آویزش پیدا ہوئی اور سپیکر کو قتل کر دیا گیا۔ [illegible] بعد ڈپٹی سپیکر بھی زخمی ہونے کے بعد فوت ہو گئے۔ اسمبلی میں تلخ کلامی، گالی گلوچ کے بعد ایک دوسرے پر کرسیاں پھینکی گئیں [illegible] اسمبلی شدید زخمی ہوئے اور اسمبلی کے اجلاس کی اس صورت حال پر پولیس نے آکر قابو پایا۔

مغربی پاکستان کے سیاسی حالات بھی نازک صورتحال سے دوچار تھے۔ ڈاکٹر خان صاحب نے صدر سکندر مرزا کی [illegible] سے اپنی وزارت بنا رکھی تھی۔ اس طرح یہ نئی حکومت صدر کے ہاتھوں میں ایک کھلونے کا روپ دھار چکی تھی۔ [illegible] کے ساتھ ساتھ وزارتوں کی بھی سودے بازیاں ہونے لگی تھیں عین اس وقت کہ جب مشرقی پاکستان میں پے در پے گورنر اور وزیر اعلیٰ تبدیل ہو رہے تھے اس وقت مارچ ۱۹۵۸ء میں لاہور میں ڈاکٹر خان صاحب کو قتل کر دیا گیا۔ وزارتوں کی تشکیل اقتدار کو طول دینے کے لئے کی جاتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۸ء میں جب مارشل لاء آیا تو قومی اسمبلی کے ۸۰ ممبران میں سے ۲۶ وزراء تھے۔

اسکندر مرزا کے رویوں کے حوالے سے جائزہ لیا ہے۔

"The Political parties seem to be the embodiment of errors. Soherwardi was dismised by sikandar Mirza in such a way as the Governor General removed khawaja Nazim-u-din without taking consent of the parliment some years ago. Mirza Showed great quickness in forming and deforming the Governments. After short term relationship with the Republican Party, Suddenly diverted his support towards the Muslim League and appointed Chundrigar as the primnister but even in less then the period of two months, the Chundrigar's Governement was shaken and Mirza invited the Republican landloard of the punjab Malik Feroz Khan Noon to form Government Mr. Noon was the 7th Primnister in Eleven Years. He could not get much power, the real power remained with Sikander Mirza, Ayyub khan and Dr. Khan." (i)

سیاسی جماعتیں مجموعہ اغلاط نظر آنے لگیں۔ سہروردی کو سکندر مرزا نے اس طرح برخاست کیا جیسے کچھ سال پہلے مقننہ سے ووٹ لیئے بغیر گورنر جنرل نے خواجہ ناظم الدین کو ہٹا دیا تھا۔ مرزا نے بڑی تیزی دکھائی مختلف حکومتیں بنائیں اور بگاڑ دیں۔ ری پبلکن پارٹی سے مختصر تعلق کے بعد اچانک ہی اپنی حمایت مسلم لیگ کی جانب پلٹ دی اور چندریگر کو وزیراعظم بنا دیا لیکن دو ماہ سے کم مدت میں چندریگر کی وزارت متزلزل ہوگئی اور مرزا نے ری پبلکن پارٹی سے تعلق رکھنے والے پنجاب کے ایک زمیندار ملک فیروز خان نون کو حکومت بنانے کی دعوت دی نون گیارہ سالوں میں ساتواں وزیراعظم تھا۔ وہ زیادہ اختیارات حاصل نہ کر سکا اصل طاقت سکندر مرزا، ایوب خان اور ڈاکٹر خان کے ہاتھوں میں رہی۔

ایم اے کے چوہدری "مارشل لاء کا سیاسی انداز" میں لکھتے ہیں۔

''سیاسی جماعتیں اپنی صفیں درست کر رہی تھیں لوگ جمہوریت کی دہلیز پر قدم رکھ رہے تھے۔ ان حالات میں مارشل لاء لگانے کا کوئی قانونی یا اخلاقی جواز موجود نہ تھا۔ البتہ یہ حقیقت ضرور تھی کہ ۱۹۵۹ء میں الیکشن ہوتے تو اسکندر مرزا کی بطور صدر پاکستان حکمرانی ختم ہو جاتی اور اس کے ساتھ ساتھ ایوب خان کی سازش کی کھچڑی جو

i. Lawrence Ziring, Pakistan, The Enigma of Political development, Wm Dawson & Sons Ltd. Cannon house England 1980, Page 89.

دغا بازی میں استاد کامل سمجھتا تھا اس گمان میں تھا کہ وہ پاکستانی فوج اور اس کے جرنیلوں کو استعمال کر کے اپنا اقتدار قائم رکھے گا لیکن یہ غلط فہمی بھی دور ہوگئی کیونکہ اس قسم کی چال ایوب خان نے بھی سوچ رکھی تھی وہ ایک عرصہ دراز سے ملک کی سیاست کا گہرا مطالعہ کر رہا تھا۔ مختلف حکومتوں سے تعلقات استوار رکھتا تھا تا کہ اس کی مدت ملازمت میں توسیع ہوتی رہے''۔ (۱)

ملک میں غیر مستحکم، غیر منظم اور بے اصول سیاسی جماعتوں کی بھر مار تھی۔ بیشتر سیاسی جماعتیں، علاقائی وصوبائی تعصبات کو ابھار رہی تھیں۔ بعض جماعتیں مشرقی حصے میں اپنا وجود رکھتی تھیں تو بعض کا اثر مغربی حصے تک محدود تھا۔ ملک میں آئے دن کوئی نئی جماعت قائم کر دی جاتی ہر کوئی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد بنانے کی فکر میں تھا۔ سازشیں، گٹھ جوڑ اور ہتھکنڈے معمول بن چکے تھے۔ مسلم لیگ جو کہ ملک بھر میں واحد بڑی پارٹی تھی کئی حصوں میں منقسم ہو چکی تھی۔ دستور کی کامیابی کا دارومدار با اصول اور بڑی منظم سیاسی جماعتوں پر ہوتا ہے لیکن وطن عزیز پاکستان میں اس وقت ایک جماعت بھی اس معیار پر پوری نہیں اتر رہی تھی۔ پڑوسی ملک بھارت میں انڈین نیشنل کانگریس کی موجودگی وہاں استحکام اور ملکی ترقی کا باعث بن رہی تھی جبکہ مسلم لیگ اس انداز میں اپنی ذمہ داریاں نہیں نبھا رہی تھی۔

۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک پاکستان کی حکومتوں نے جو خارجہ پالیسی بنائی وہ عوامی امنگوں کے مطابق نہیں تھی۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان نے روس کی دعوت ٹھکرا کر امریکہ کا دورہ کیا اور ملک کو امریکی حلقہ میں شامل کر دیا۔ بعد کے وزرائے اعظم نے امریکہ نواز پالیسی اختیار کیئے رکھی۔ اسی دور میں سیٹو اور سینٹو جیسے دفاعی معاہدات نے پاکستان کی غیر جانبدار حیثیت کو مجروح کیا۔ عوام کو حکومت پاکستان کا یہ کردار پسند نہ تھا۔ اس خارجہ پالیسی کا علاقائی صورتحال پر بھی پاکستان کے نقطہ نظر سے کوئی فرق نہ پڑا۔ ہندوستان اپنے جارحانہ عزائم کا اظہار کرتا رہا۔ اس نے کشمیر پر غاصبانہ قبضہ برقرار رکھنے کیلئے ہر حربہ استعمال کیا اور سرحدوں پر پاکستان کے خلاف جھڑپیں چھیڑ کر شب ذکر کرتا رہا۔ ہندوستان کی جارحانہ پالیسیوں کی وجہ سے پاکستان کے عوام بہت دل برداشتہ تھے، وہ چاہتے تھے کہ ایسی حکومت برسر اقتدار ہو جو غیر جانبدار، آزاد اور باوقار خارجہ پالیسی اپنائے۔

سیاسی اور آئینی ڈھانچہ

جنرل ایوب خان نے فوجی انقلاب کے بعد لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کہ کہ فوجی انقلاب کا یہ ہرگز مقصد نہیں کہ وہ جمہوریت کے خلاف ہے، بلکہ وہ تو جمہوریت کے اس انداز کے خلاف تھا کہ جس طرح اس پر عمل کیا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ فوجی حکمرانوں کا یہ بھی خیال تھا کہ پاکستان کے ملکی حالات میں پارلیمانی نظام حکومت مناسب نہیں ہے۔ انہیں خیالات کے پیش نظر ایوب خان نے بنیادی جمہوریتوں کا نظام متعارف کرایا تھا۔ ایوب خاں یہ سمجھتے تھے کہ پاکستان کے مخصوص حالات میں یہی بنیادی جمہورتیوں کا نظام ہی زیادہ موزوں اور بہتر ہے کیونکہ اس نظام کے تحت لوگوں کی انتظامیہ میں براہ راست شرکت اور ہمدردیاں شامل تھیں۔ عوام کے ہر طرح کے امور اور مسائل کا حل کرنا عوامی نمائندوں ہی کی ذمہ داری بنتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہی لوگ حکومتی اداروں کی بھاری

۱۔ ایم۔ اے۔ کے چوہدری، مارشل لاء کا سیاسی انداز، لاہور جنگ پبلشرز ۱۹۸۸ء ص ۶۲

ہوسکتی تھی۔

جنرل ایوب خان نے جب بنیادی جمہوریت کا نظام نافذ کر کے عوام میں مقبولیت اور کسی حد تک اعتماد حاصل کر لیا تو ۱۷۔فروری ۱۹۶۰ء کو اس نے ایک ''آئینی کمیشن'' قائم کیا۔اس آئینی کمیشن میں ملک کے دونوں صوبوں سے مساوی تعداد میں اراکین شامل کیے پاکستان کے سابق چیف جسٹس جناب شہاب الدین اس آئینی کمیشن کے سربراہ مقرر کیے گئے۔بنیادی طور پر اس آئینی کمیشن کو یہ کام سونپا گیا کہ وہ ۱۹۵۶ء کے آئین کی ناکامی کا جائزہ لے۔آئندہ ایسی وجوہ سے کس طرح محفوظ رہ کر کوئی آئین بنایا جاسکتا ہے۔ملک کے دانش ور طبقہ، ماہرین قانون و تعلیم کے خیالات اور افکار سے بجا طور پر آگاہی حاصل کر کے پاکستان کے ہر طرح کے حالات اور عوام اور عوامی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آئینی تجاویز اور سفارشات پیش کرے لیکن ان تجاویز اور سفارشات کے لئے ملکی اور قومی اتحاد و یکجہتی اور اسلامی اقدار و ضوابط کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری قرار دیا گیا۔اس طرح جب اس آئینی کمیشن نے مقررہ حدود و قیود کے اندر رہ کر اپنا کام شروع کر دیا تو اس کمیشن کو مزید ہدایات یوں دی گئیں کہ یہ آئینی کمیشن ملک کے سیاسی، ثقافتی، اقتصادی اور انتظامی حالات اور حالیہ اصلاحات کی روشنی میں اور بالخصوص بنیادی جمہوریتوں کے نظام کی موجودگی میں مجوزہ آئین کے نفاذ کے لئے اوقات کار اور نفاذ کا لائحہ عمل بھی تیار کر کے پیش کرے گا۔

اس آئینی کمیشن نے باضابطہ طور پر کام کا آغاز کیا۔اس کمیشن نے ۱۹۵۶ء کے آئین کی ناکامی کا جائزہ دینے کے ساتھ ساتھ آئین پر بھی کام شروع کر دیا تھا۔اس مقصد کے لئے کمیشن نے اپریل ۱۹۶۰ء میں آئینی مسائل اور دستور سازی کے حوالے سے ایک سوال نامہ انگریزی، اردو اور بنگالی زبان میں تیار کیا۔اس سوال نامے میں چالیس سوال تھے۔یہ سوالنامہ اٹھائیس ہزار کی تعداد میں چھپوا کر پاکستان بھر میں مختلف طبقوں کے مقتدر افراد، دانش وروں، صحافیوں، وکلاء، قانون دانوں، ماہرین، سماجی اور اقتصادی اہل علم اور مشہور مصنفین کو بھجوائے گئے۔پھر اس کے ساتھ ساتھ اہل الرائے طبقہ سے انٹرویوز کا سلسلہ بھی جاری رکھا گیا۔

> ''آئین کی تدوین کے سلسلہ میں اس سوالنامہ کے چھ ہزار دو سو انسٹھ جوابات موصول ہوئے۔ان کے علاوہ پانچ سو پینسٹھ افراد کے انٹرویو کیے گئے۔آئینی کمیشن کے چیئرمین سے ملاقات کر کے بیسیوں لوگوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا، ان لوگوں کی رائے بھی آئین سازی میں پیش نظر رکھی گئی۔پھر قریباً ڈیڑھ سال کی محنت شاقہ کے بعد ۶ مئی ۱۹۶۱ء کو اس آئینی کمیشن نے صدر ایوب خاں کو اپنی رپورٹ پیش کر دی۔

آئینی کمیشن کی سفارشات:

آئینی کمیشن کی اہم سفارشات درج ذیل ہیں۔

۱۔ پاکستان میں پارلیمانی نظام حکومت ہی مفید اور بہتر ثابت ہوسکتا ہے اس سے بیشتر پارلیمانی نظام کی ناکامی کی تمام تر ذمہ داری سیاست دانوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ سیاست دان کردار میں کمزور، بار بار سیاسی وابستگیاں تبدیل

۱۔ چراغ، محمد علی، پاکستان، تاریخ، جمہوریت، سیاست، آئین۔سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور ۱۹۹۳۔ص ۱۶۱،۱۶۲

۲۔ ملک میں نمائندہ اور ذمہ دار حکومت قائم ہونی چاہیے اور اس کے ساتھ صدارتی نظام حکومت ہو۔ خود مختار مقنّنہ کے قوانین کی پابندی صدر پر عائد ہو لیکن اس مقنّنہ کے افراد ذاتی مفادات کی خاطر انتظامیہ پر دباؤ نہ ڈالیں۔

۳۔ نظامِ حکومت کی مثال ہندوستان اور کینیڈا جیسی ہو اور نظام وفاقی ہو نہ کہ برطانیہ کی طرح وحدانی ہو۔

۴۔ ملک میں مقنّنہ دو ایوانی ہو، ایک ایوان بالا اور دوسری ایوان زیریں۔ دونوں کے ممبران اڑتالیس اور چالیس علی الترتیب ہوں۔ دارالخواص کی مدت چھ سال ہو۔ اسی طرح دونوں صوبوں میں صوبائی مقنّنہ بھی ہو۔

۵۔ صدارتی نظام حکومت میں ایک صدر ایک نائب صدر بھی ہو۔ ان دونوں کا انتخاب اور مجلس قانون ساز کا انتخاب محدود بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہو۔

۶۔ ملک کی عدلیہ ہر اعتبار سے آزاد اور خود مختار ہو، اور حکومت بھی ہمہ وقت عدلیہ کا وقار اور تقدس برقرار رکھے۔" (۱)

صدر ایوب خاں نے آئینی کمیشن کی آئینی رپورٹ مزید غور اور جائزے کے لئے کابینہ کی ایک پانچ رکنی سب کمیٹی کے سپرد کر دی۔ اس کمیٹی میں چار ارکان اور ایک چیئرمین تھے۔ کمیٹی کی تشکیل درج ذیل تھی۔

۱۔ منظور قادر، وزیر خارجہ امور و کامن ویلتھ ریلیشنز (چیئرمین)

۲۔ محمد شعیب، وزیر اقتصادیات

۳۔ ذوالفقار علی بھٹو، وزیر نیشنل ری کنسٹرکشن، فیول پاور اینڈ نیچرل ریسورسز۔

۴۔ محمد ابراہیم، وزیر قانون

۵۔ عبدالقاسم خاں، وزیر انڈسٹریز

اس صدارتی آئینی نے سب کمیٹی کمیشن کی سفارشات کا بھرپور جائزہ لیا اور کچھ عرصے بعد نئے ملکی آئین کا ایک خاکہ تشکیل دے کر صدر پاکستان جنرل ایوب خاں کو پیش کر دیا۔

عائلی قوانین کا نفاذ:

''۱۵۔ جولائی ۱۹۶۱ء کو اس ملک میں بدنام زمانہ عائلی قوانین نافذ کر دیئے گئے۔ جس نے بے حیائی اور حرام کاری کو قانونی جواز فراہم کر دیا۔ دعویٰ یہ کیا گیا کہ فیملی لاز آرڈیننس سے عورتوں پر زیادتیوں کا ازالہ پیش نظر ہے لیکن یہ قوانین قرآن وسنت کی تعلیمات کے خلاف تھے اور تمام مکاتب فکر کے علماء نے ان کو مسترد کر دیا تھا، ان سے عائلی مشکلات تو کیا حل ہوتیں اس کے برعکس ان قوانین نے ایک طرف جنسی آوارگی کا راستہ کھول دیا اور دوسری طرف ان کے ذریعے شریعت کی حلال اور جائز صورتوں کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا اور اس طرح شرعی قوانین میں بڑی دیدہ دلیری سے تحریف کی گئی ان قوانین کی رو سے شرعی احکام کے علی الرغم تین طلاق کے بعد بھی جب تک ثالثی کونسل طلاق کی توثیق نہیں کرتی تو عورت کو منکوحہ قرار دیا گیا، ایک سے زائد نکاح پر قدغن لگا دی گئی لیکن ان قوانین میں نکاح کے بغیر، داشتہ رکھنے یا کسی کو گرل فرینڈ بنانے کی کوئی ممانعت نہیں تھی۔ آزادی سے پہلے کے استعماری دور سے نافذ العمل قوانین کی رو سے زنا کی صرف وہ قسم جرم ہے جو بالجبر ہو، باہمی رضا مندی کی صورت میں اس کا شمار جرائم کی فہرست میں نہیں ہے، حالانکہ قرآن وسنت کی واضح تصریحات کی روشنی میں اس تفریق کا کوئی جواز نہیں ہے، جنسی بدکاری کی کوئی بھی شکل بدترین اور شرمناک بے حیائی ہے، اس کی اجازت دینا معاشرے کو بگاڑنا اور عفت و پاکیزگی کی بلند قدروں کو پامال کرنا ہے جس سے بہت سے دیگر فتنے بھی جنم لیتے ہیں اس لیے قرآنِ کریم میں اس کے قریب جانے کو بھی سختی سے منع کیا گیا ہے۔'' (۱)

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا (۲)

''اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے''۔

اس وجہ سے قرآن پاک میں اس شرم ناک جرم پر رجم اور کوڑوں کی سزا رکھی گئی ہے

وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۳)

اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں اللہ کے دین کیلئے ان دونوں پر کوئی ترس نہ آئے اور چاہیے کہ ان دونوں کی سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت موجود ہو۔

حضرت مولانا مفتی محمود نے ہر فورم پر عائلی قوانین کے شریعت سے متصادم ہونے پر شدید مذمت کی اور اسے ناقابل عمل قرار دیا جس کمیشن نے عائلی قوانین کی سفارشات ترتیب دیں جس میں صرف ایک عالم دین مولانا احتشام الحق تھانوی تھے۔ انہوں نے اس رپورٹ سے اختلاف کرتے ہوئے اختلافی نوٹ لکھا۔ مارشل لاء حکومت نے عوام کی رائے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بالکل غیر جمہوری

۱۔ جمیل، محمد ریاض مولانا، حدود آرڈیننس اصل حقائق کیا ہیں؟ مکتبہ الحسن ۳۳۔ حق سٹریٹ اردو بازار، لاہور۔ ص ۴۷ ۲۔ بنی اسرائیل: سورۃ نمبر ۱۷، آیت نمبر ۳۲

۳۔ النور: سورۃ نمبر ۲۴، آیت نمبر ۲

لئے قابل قبول نہیں۔

۱۳۔ مارچ ۱۹۶۰ء کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سمیت مختلف مکاتب فکر کے ۱۴ علماء نے عائلی قوانین کے بارے میں ایک مشترکہ بیان جاری کیا:

''ہم اس بات پر افسوس کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ پچھلے پانچ سالوں کے دوران عائلی کمیشن کی رپورٹ پر علمائے دین کی طرف سے جو مدلل تبصرے کئے گئے تھے اور اس کی کمزوریوں کی جو صاف صاف نشاندہی خود کمیشن کے عالم دین رکن اور دوسرے لوگوں کی طرف سے کی گئی تھی ان سب کو مرکزی حکومت نے بلا تکلف نظر انداز کر دیا اور عائلی کمیشن کی بیشتر سفارشات کو قانون کا جامہ پہنا دیا۔ مزید افسوس اس بات کا ہے کہ وزیر قانون نے اس نئی قانون سازی کو عین مطابق قرآن قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ (۱)

سابق صدر جنرل ایوب خان نے ۱۹۶۲ء میں اپنی صوابدید کے مطابق ایک آئین بنا کر ملک میں نافذ کر دیا اور پھر اس کی روشنی میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کا الیکشن منعقد ہوا۔ علماء کرام نے ۱۹۶۲ء کے دستور کو قرآن وسنت سے ہم آہنگ کرنے کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔ علماء نے یہ جدوجہد اسمبلی کے پلیٹ فارم پر اور اسمبلی سے باہر جاری رکھی۔ اسمبلی کی کاروائی کے دوران قرآن وسنت سے متصادم عائلی قوانین جیسی شقوں کے خلاف بھرپور دلائل دیئے۔

۱۹۶۲ء کا دستور اور مولانا غلام غوث ہزاروی کی آئینی خدمات:

اسمبلی کے انتخابات میں کامیابی کے بعد تقریب حلف برداری کا انعقاد ہوا اور قانون کے مطابق سب ممبروں سے حلف لیا گیا کہ ہم ملک کے آئین کی پابندی کریں گے مگر مولانا غوث ہزاروی نے بھرے اجلاس میں بڑی اونچی آواز میں کہا اگر آئین قرآن وسنت کے خلاف ہوا تو میں پابندی نہیں کروں گا۔

''مولانا غلام غوث ہزاروی نے اسلام کی ترجمانی، اسلامی قانون سازی اور اسلامی موقف کی وکالت کے لیے منتخب ہو کر اسمبلی میں گئے تھے اس لیے اُن کا بنیادی فرض یہی تھا کہ اسمبلی میں اسلام کی بات کریں غیر اسلامی قوانین کی مخالفت کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ اپنا یہ فرض بڑے احسن طریقے سے انجام دیتے رہے۔ عائلی قوانین کے قرآن وسنت سے متصادم ہونے کے بارے میں مولانا نے کھڑے ہو کر ایسی مدلل تقریر کی کہ سب ایوان آپ کا ہمنوا ہو گیا اور سب نے متفق ہو کر اِن قوانین کے خلاف اسلام ہونے کے بارے میں ووٹ دیا اور انہیں منسوخ کرنے کی سفارش کی۔'' (۲)

''مولانا غلام غوث ہزاروی نے اِن قوانین کی تردید اور مذمت کے لیے نظام العلماء کے پلیٹ فارم سے دہلی دروازہ لاہور میں ایک کنونشن منعقد کیا۔ ملک بھر میں سینکڑوں علماء کرام اس میں شریک ہوئے۔ علماء کرام

۱۔ طفیل محمد، میاں۔ جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد۔ ادارہ معارف اسلامی منصورہ، ملتان روڈ لاہور نومبر ۲۰۰۱ء، ص ۳۷!

۲۔ ارشد، عبدالرشید، بیس مردانِ حق، مکتبہ رشیدیہ ۲۵۔ لوئر مال، لاہور ۱۹۹۶ء۔ ص ۶۳۸

زائد جید اور مستند علماء کرام سٹیج پر تشریف فرما تھے۔ سب نے علی الاعلان اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ حکومت اِن علماء کرام کو کسی طرح نہ دبا سکی اور اس نے صرف نظر کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی تاہم اس کامیاب کنونشن منعقد کرانے پر مولانا ہزاروی کو چھ ماہ کے لئے لاہور میں نظر بند کر دیا گیا اور آپ کی نقل و حرکت پر پابندی لگا کر نگرانی شروع کر دی۔ ایک موقع پر آپ نے حضرت شیخ التفسیر لاہوریؒ کی صدارت میں ایسی تقریر فرمائی کہ حکومت بوکھلا گئی۔ آپ نے اعلان کیا کہ ہم اس ملک میں دین کا تحفظ چاہتے ہیں ہمیں اقتدار سے کوئی غرض نہیں ہے ہم کرسی کے خواہشمند نہیں مگر اسلام کو اس کی اصلی شکل میں زندہ رکھنا اور رکھوانا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور یہ فرض ہم ہر حال میں ادا کریں گے۔ ہم دین کی خاطر کسی کی پرواہ نہیں کریں گے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ اِن قوانین کو جلد از جلد منسوخ کیا جائے یہ قوانین قرآن وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہیں ہم اِن کو ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں ہیں۔ اگر حکومت ملک میں امن و استحکام چاہتی ہے تو وہ دین سے نہ کھیلے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرے۔

عائلی قوانین کی منسوخی کے لیے آپ نے ایک اور کوشش بھی فرمائی کہ پورے ملک میں نظام العلماء کی طرف سے لاکھوں کی تعداد میں احتجاجی یادداشتیں بھجوائیں گئیں اور وزارت قانون کو اپنی طرف سے مجبور کیا گیا کہ ہم مسلمان اِن قوانین کو دین کے خلاف سمجھتے ہیں اس لیے اِن کو جلد از جلد تبدیل کر کے عوام کو مطمئن کیا جائے مگر افسوس اتنی بڑی کوششوں کے باوجود حکومت نہ سمجھی اور اس کو ذاتی انا کا مسئلہ بنا کر پس پشت ڈال دیا گیا۔

۱۹۶۲ء کا دستور اور مولانا مفتی محمود کی آئینی خدمات:

''مفکر اسلام اور قائد تحریک نظام اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ ۱۹۶۲ء میں پہلی مرتبہ قومی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لے کر کامیاب ہوئے یہ انتخابات صدر ایوب خان کے آئین کے تحت بالواسطہ انتخابات تھے۔ مفتی محمود جب قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں آئین کی وفاداری کا حلف اٹھا رہے تھے تو آپ نے حلف کے آخری الفاظ ''میں دستور کو باقی اور قائم رکھوں گا'' میں بصیرت افروز اضافہ کر دیا۔ جس کے الفاظ یہ تھے اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اس دستور کو جوں کا توں قائم رکھیں گے بلکہ دستور کے دیئے ہوئے اختیار کو بروئے کار لا کر اِن جملہ خرابیوں اور خامیوں کی جو کتاب وسنت یا جمہوری لحاظ سے ہوں گی ان میں ترمیم و تنسیخ کریں گے''۔(۲)

۱۹۶۲ء کے بجٹ پر حضرت مفتی محمود نے قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج ہم آزادی کے بعد پہلی مرتبہ اپنے آئین کے تحت قائم شدہ قومی اسمبلی میں بجٹ پر عام بحث کر رہے ہیں یہ ملک خدا اور رسول، قرآن وحدیث اور دین اسلام جیسے مقدس ناموں پر حاصل کیا گیا تھا یقیناً یہ ملک ہمارے پاس ایک معظم ومقتدر نعمت ہے اس کا شکر عظیم ادا کرنا چاہیے۔ محترم اراکین! ہمارے

۱،۲۔ ارشد، عبدالرشید، بیس مردانِ حق ایضاً۔ ص ۴۳۵، ۴۳۶؎

دیا گیا اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بجٹ کسی لادینی سٹیٹ کا ہے۔جس بجٹ میں شراب جیسی ملعون چیز کے آمدنی ٹیکسوں کو آمدنی کا ذریعہ ظاہر کیا گیا ہو اس کی میں کس طرح تحسین کروں۔

شراب کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

"إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" (۱)

"بیشک شراب اور جوا اور بت پانسے اور فال نکالنا ناپاک شیطانی عمل ہیں پس ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔"

نیز جس بجٹ میں سود کی آمدنی کا ذکر کرتے ہوئے وزیر خزانہ کے دل میں ندامت کے احساسات نہ ابھریں اس کو اسلامی ملک کا بجٹ کس طرح کہہ سکتا ہوں حالانکہ سود خوروں کے متعلق قرآن حکیم نے اعلان جنگ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (۲)

"پس اگر تم باز نہ آؤ تو اللہ اور رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے"۔

شراب اور سود کی حرمت پر مفتی صاحب نے بے شمار دلائل دیئے۔آپ نے اسلامی قانون کے نفاذ کی راہ ہموار کرنے کے لیے چند امور کا ذکر کیا کہ ان امور کے لیے بجٹ میں سے ایک معقول حصہ متعین کیا جائے تاکہ اسے اسلامی بجٹ کہا جاسکے۔

مولانا مفتی محمود نے فرمایا کہ:

"چند سالوں سے ہمارے ملک میں خاندانی منصوبہ بندی کے پروپیگنڈہ پر ملک کا کتنا روپیہ خرچ ہوا۔ریلوے اسٹیشنوں، بس سٹاپوں، بازار کے چوراہوں، اور عوامی مقامات پر بڑے بڑے بورڈ آپ کو آویزاں ملیں گے۔شہروں اور قصبات میں منصوبہ بندی کے مراکز مصروف کار ہیں۔ہسپتالوں اور اسکولوں میں اس پر لیکچر دیئے جاتے ہیں۔ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے سے بیانات نشر ہوتے ہیں باوجودیکہ خاندانی منصوبہ بندی ملک وملت کے لئے عقلی دلائل اور اسلامی تعلیمات کے لحاظ سے ناقابل برداشت ہے۔یورپ کے فلاسفر اور ڈاکٹر تجربہ کے بعد اس سے بیزاری کا اعلان کرچکے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کے لئے کافی رقم خرچ کرکے پروپیگنڈا کیا جارہا ہے"۔ (۳)

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب فرماتے ہیں:

"اسلامی نظام کے قیام کے لئے سب سے مقدم بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی وملی شعور بیدار کرکے انہیں پوری آزادی کے ساتھ اپنے نمائندے منتخب کرنے کا احساس دلایا جائے اور پھر ملک میں ہر قسم کے دباؤ اور تاثرات سے آزاد انتخابات کا باقاعدہ انتظام ہو تاکہ پاکستان کا ہر شہری لالچ، غرض اور کسی خارجی اثر سے بے نیاز ہوکر نیک و بد کی تمیز کرتے ہوئے اپنے نمائندے منتخب کرے۔وہ لوگ جن کی اپنی زندگیاں اسلامی کے منافی ہوتی ہے وہ

۱۔المائدہ: سورۃ نمبر۵، آیت نمبر۹۰
۲۔البقرہ: سورۃ نمبر۲، آیت نمبر۲۷۹
۳۔ترجمان اسلام، لاہور، ہفت روزہ (مولانا مفتی محمود نمبر) جلد نمبر۲۳، شمارہ نمبر۱۶، ۱۷۔ ۱۷تا۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء ص ۳۷۵

ہو جانا چاہیے کیونکہ جو حضرت اپنے چھوٹے سے ملک یعنی سر سے پاؤں تک جو کہ تقریباً چھ فٹ طویل ہے اس کو نافذ نہیں کر سکتے اور جو اپنے گھر پر مشتمل چند مرلوں کے ملک میں اسلام کے نظام کو نافذ نہیں کر سکتے حالانکہ وہاں ان کی مرضی چلتی ہے وہ اتنے بڑے وسیع و عریض پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے روادار کیسے ہو سکتے ہیں۔

اِن علماء حق کی قرآن وسنت کے نفاذ کی آئینی جدوجہد کی وجہ سے ارباب اقتدار نے مجبوراً ۱۹۶۲ء کے آئین میں پاکستان کے ساتھ اسلامی جمہوریہ کا سابقہ منظور کیا جبکہ پہلے آئین میں پاکستان کا نام جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ اسلامی کا لفظ ہذف کیا گیا تھا۔ عوام کے زبردست دباؤ کی وجہ سے آئین میں ترمیم کر کے پاکستان کا آئینی نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ اس کے علاوہ صدر مملکت کے لیے مسلمان ہونے کی شرط کو لازم قرار دیا گیا۔

جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد

۳۰ جولائی ۱۹۶۲ء کو اسلامی مشاورتی کونسل کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ حکومت نے اس کے لئے جو آٹھ ارکان چنے ان میں سے دو تین افراد کے علاوہ اسلام کی رو سے خالی تھے۔ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے اسلامی مشاورتی کونسل پر عدم اعتماد کا اظہار کیا کہ اس کونسل میں مغرب زدہ اقلیت کو زیادہ نمائندگی دی گئی ہے جو کتاب وسنت سے بے نیاز ہو کر اس ملک میں ایک نیا اسلام رائج کرنا چاہتی ہے۔ ارباب اقتدار نے اس طرح کی کونسل قائم کر کے پاکستان میں ایک نظریاتی جنگ کا آغاز کیا ہے جس کے نتائج ملک کے حق میں مفید نہ ہوں گے۔ مجلس شوریٰ نے اسلامی دستور سازی کے لئے درج ذیل قرارداد منظور کی:

۱۔ مملکت پاکستان کا نام حسب سابق اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا جائے۔

۲۔ قرارداد مقاصد سے حکومت پاکستان کے لئے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر کام کرنے کی پابندی کی جو شق حذف کر دی گئی ہے وہ بحال کی جائے۔

۳۔ ۱۹۶۲ء کے دستور میں ان تمام بنیادی حقوق کو شامل کیا جائے جو ۱۹۵۶ء کے دستور میں درج تھے۔

۴۔ ملک میں بالغ حق رائے دہی بحال کیا جائے۔ قومی وصوبائی اسمبلیوں کے بالواسطہ طریقہ انتخاب کو ختم کر کے براہ راست بالغ رائے دہی کے ذریعے انتخاب کا طریقہ رائج کیا جائے۔

۵۔ جس طریقہ سے ۱۹۶۲ء کا نیا دستور بنایا گیا ہے۔ اسے کسی معقول دلیل سے صحیح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اس دستور کی پوری اسکیم ایک جمہوریت نما آمریت کی اسکیم ہے۔ جس میں انتظامیہ کے جملہ اختیارات صدر کو سونپے گئے ہیں اور مقنّنہ کو اس میں دخل دینے کا قطعاً کوئی راستہ نہیں اختیار کیا گیا۔

مولانا مودودی نے جماعت اسلامی کی تاسیس کے موقع پر جو فرمایا تھا کہ ہم اسلام کی دعوت کو بطور کل لے کر اٹھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ

''شریعت کے جس حصے کو ہم قانون کے لفظ (جس میں دستور شامل ہے) سے تعبیر کرتے ہیں وہ دراصل کی ایک مکمل اور جامع اسکیم کا جز ہے۔ یہ جز بجائے کوئی مستقل چیز نہیں کہ کل سے الگ کر کے اسے سمجھا جا سکے جاری کیا جا سکے۔ اگر ایسا کیا بھی جائے تو یہ اسلامی قانون کا اجرا نہ ہوگا، نہ اس سے وہ نتائج حاصل ہو سکیں گے جو اسلام کے پیش نظر ہیں اور نہ یہ شارح (حضور ﷺ) کے منشا کے مطابق ہوگی''۔ (۳)

۱۔ ارشد، عبدالرشید، بیس مردان حق، مکتبہ رشیدیہ ۲۵۔ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ ص: ۴۹۳، ۴۴۰

۲۔ طفیل محمد، میاں۔ جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، ملتان روڈ لاہور، نومبر ۲۰۰۱ء، ص ۱۴۶

۳۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، مولانا۔ تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ دوم۔ اسلامیک پبلی کیشنز، لمیٹڈ لاہور، اپریل ۱۹۸۱ء، ص ۳۵

فصل چہارم: [illegible]

معاشرتی اور مذہبی اثرات کا جائزہ

۱۹۶۲ء کا دستور جو ایک فردِ واحد جنرل ایوب کی خواہشات کے پیشِ نظر تیار کیا گیا تھا اس میں ابتداً اسلامی دفعات کو شامل نہیں کیا گیا لیکن علمائے کرام اور رائے عامہ کے دباؤ کے باعث آئین میں ترامیم کر کے اسلامی دفعات کو شامل کیا گیا۔

سیاسی اثرات:

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اور اس نظریہ کی بنیاد اسلام پر ہے۔ ۱۹۶۲ء کے دستور میں مملکت پاکستان کا نام جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ اس پر علماء کرام اور عوام نے شدید ردِ عمل کا اظہار کیا اور ملک کو سیکولر اسٹیٹ بنانے کا ارباب اقتدار کا سوچا سمجھا منصوبہ قرار دیا۔ رائے عامہ کا دباؤ اس قدر بڑھا کہ حکومت کو عوامی مطالبہ کے ماننے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس پر حکومت نے آئین میں ترمیم کر کے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان دستور میں درج کر دیا۔ اسلام سیاسی قوت کو اہمیت دیتا ہے۔ ریاست مدینہ کا قیام اس کا ثبوت ہے اور سیاسی قوت کا اہم جزو نظام حکومت ہوتا ہے۔ علماء کرام کی دستوری جدوجہد کی وجہ سے ارباب اقتدار اپنے غیر اسلامی عزائم پورے کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ارباب اقتدار جو امور سلطنت میں اسلامی رہنمائی کے قائل نہ تھے۔ علماء کے پرزور دلائل کی وجہ سے انہوں نے اسلامی دستور سازی کے لئے بھرپور تعاون شروع کر دیا۔ اسلامی دستور سازی سے عوام کو اسلامی مالیاتی و اقتصادی نظام کے بارے میں تجسس ہوا اور عوام الناس کی ایک بڑی تعداد اسلامی مالیاتی نظام پر عمل پیرا ہونے میں اپنی دینی و دُنیاوی فلاح سمجھنے لگی۔ صدر ایوب کی حکومت کے دوران تعلیمی اداروں میں رقص و موسیقی پر کوئی پابندی نہ تھی۔ علماء کرام نے حکومت کے پابندی نہ لگانے پر سخت احتجاج کیا اور اس پر قانون سازی کا مطالبہ کیا۔ علماء کے اس احتجاج پر حکومت کو رقص و موسیقی پر قانون سازی کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ اس کے علاوہ علمائے کرام کی مساعی جمیلہ سے شراب و جواء وغیرہ پر پابندی کا قانون بھی پاس کرنا پڑا۔

پاکستان کی دینی و تنظیمیں جو مختلف مسالک کی نمائندگی کرتی ہیں انہوں نے ملک کے دستور میں اسلامی شقوں کی خلاف ورزی پر فوراً ارباب اقتدار کو خبردار کیا ہے کہ اس سے ملک میں مذہبی رواداری اور امن و امان پر خطرناک اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ اس ضمن میں اسلامی تنظیموں کے متحرک لوگ فوراً عوامی سطح پر جلسے، جلوس نکال کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں اور حکومت کے غیر آئینی اقدامات پر اپنا احتجاج ریکارڈ کراتے ہیں تاکہ حکومت کسی بھی قسم کا غیر آئینی قدم اٹھانے سے باز رہے جیسے قادیانیوں کی غیر قانونی سرگرمیاں مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرتی ہیں۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت بھی قادیانیوں کی مسلمانوں کی مذہبی دل آزاری پر مبنی سرگرمیوں کی وجہ سے وجود میں آئی جس میں ہزاروں مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ یہ مسلمانوں کا اپنے مذہبی عقائد پر پختگی کا اظہار تھا کہ انہوں نے وقتاً فوقتاً مختلف تحاریک کی صورت اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر ملک کے مذہبی اور نظریاتی تشخص کو برقرار رکھا۔ ۱۹۶۲ء کی دستور سازی میں علماء کرام کی کاوشوں کے نتیجہ میں دستور میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اعتراف کرتے ہوئے قرآن و سنت کے خلاف کوئی

ادا کرنے کی پابندی بھی دستور میں شامل تھی۔اس کی خلاف ورزی کی صورت میں عدالتی کاروائی کا حق موجود تھا۔عوام الناس کے اندر مذہبی تشخص اور مذہبی عقائد سے گہری وابستگی علماء کرام کی کاوشوں کا نتیجہ تھی جس کی وجہ سے مسلمانان پاکستان مذہب کے بارے میں بہت حساس واقع ہوتے ہیں۔

معاشرتی اثرات:

مذہب نے ہمیشہ معاشرتی اقدار کی حوصلہ افزائی کی ہے۔مذہب معاشرتی اقدار کے خلاف تمام باتوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ یہ فرد کو سچ بولنے پر مجبور کرتا ہے اور جھوٹ سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔اسلامی قانون سازی کے معاشرے پر بہت خوشگوار اثرات مرتب ہوئے ہیں۔اسلامی قانون سازی ہی کی بدولت لوگوں کے دلوں میں اللہ اور رسول اکرم ﷺ کے احکامات کی خلاف ورزی سے اللہ کی ناراضگی لازم آنے کے شعور میں اضافہ ہوا۔اسلامی قانون سازی کی بدولت لوگوں کے دلوں میں اسلامی تہذیب وثقافت سے وابستگی میں بے پناہ اضافہ ہوا۔مسلمانوں میں اسلامی تہذیب وتمدن کے مقابلہ میں غیروں کی تہذیب وثقافت سے وابستگی میں نمایاں کمی ہوئی۔

اسلامی قانون سازی کی بدولت لوگوں کے دلوں میں دینی علوم کے حصول کی رغبت میں اضافہ ہوا۔اسلامی قانون سازی کی وجہ سے دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔عوام میں دینی رجحان میں اضافہ کے پیش نظر ملک بھر میں دینی مدارس قائم ہونے لگے تاکہ عوام کو دینی تعلیم کے حصول میں درپیش مشکلات پر قابو پایا جاسکے۔عوام دینی مسائل میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے علماء کرام سے رابطہ کرنے لگے جس سے علماء کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہونے لگا۔اسلامی قانون سازی کی بدولت مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی تعلیمات کی اہمیت میں اضافہ ہوا اور باطل قوتوں کے خلاف ڈٹ جانے کا عزم بھی پختہ ہوا۔

مذہبی اثرات:

۱۹۶۲ء کی دستور سازی میں اسلامی دفعات شامل کرنے سے لوگوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کرنے کا جذبہ بڑھ گیا۔اسلامی احکامات کی خلاف ورزی پر قانون کی سزا کا خوف بھی اُن کے مذہبی احکامات پر عمل درآمد کا باعث بنا۔ لوگوں کے اندر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ بھی پروان چڑھنے لگا کیونکہ اس جذبہ کے پروان چڑھنے سے ہی لوگوں کے اندر مذہب سے عقیدت اور گہری وابستگی برقرار رہتی ہے۔اس کی عدم موجودگی میں اسلامی احکامات لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے نکلنا شروع ہوجاتے ہیں جس سے لوگوں پر سے مذہبی اثرات زائل ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔

اسلامی قانون سازی سے مساجد کے اندر دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کی تعداد میں گراں قدر اضافہ ہوا۔دینی تعلیم کے لیے پہلے غرباء کے خاندانوں کے بچے مدارس کا رخ کرتے تھے لیکن اب امراء کے بچے بھی دینی تعلیم کے لیے مدارس کا رخ کرتے نظر آتے ہیں۔علماء کی اسلامی دستوری کاوشوں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں علماء کی تکریم کا جذبہ بڑھا۔شعائر اسلام کی بقا اور اس کی آبیاری کے لیے لوگ (مسلمان) اپنی جان تک قربان کرنا باعث سعادت سمجھتے ہیں۔

۱۹۵۶ء کے آئین کے نفاذ کے بعد ملک کے سیاسی اور اقتصادی حالات میں تیزی سے تبدیلی آئی۔ [illegible] ملک میں سیاسی عدم استحکام اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو اس وقت فوج میں بھی ایک بے چینی اور خاص قسم کی سوچ پیدا ہوگئی۔ صدر اسکندر مرزا نے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے ۷۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ملک میں مارشل لاء نافذ کرتے ہوئے ۱۹۵۶ء کا آئین منسوخ [illegible] ساتھ ہی مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کو بھی توڑ دیا گیا۔ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو جنرل ایوب نے براہ راست ملک کی [illegible] ہوئے صدر سکندر مرزا کو ملک بدر کر دیا۔

ایوب خان نے ملک میں سیاسی اور اقتصادی استحکام لانے میں اہم کردار ادا کیا جس سے اس کے وقار میں [illegible] ملک کو صدارتی نظام کی طرف دھکیلنے والے مفاد پرست طبقہ نے ۱۹۵۶ء کے آئین کی منسوخی کے بعد یہ پروپیگنڈا شروع کر [illegible] پارلیمانی جمہوری نظام ناکام ہو چکا ہے۔ ملک میں غیر مستحکم، غیر منظم اور بے اصول سیاسی جماعتیں کثیر تعداد میں موجود تھیں [illegible] صوبائی تعصّبات کو ہوا دے رہی تھیں۔ دستور کی کامیابی کا دارومدار با اصول اور بڑی منظم سیاسی جماعتوں پر ہوتا ہے [illegible] سیاسی جماعت بھی اس معیار پر پورا نہیں اتر رہی تھی۔ ہندوستان کی جارحانہ پالیسیوں کی وجہ سے پاکستان عوام بہت [illegible] تھے ایک ایسی حکومت برسر اقتدار ہو جو غیر جانبدارانہ اور باوقار پالیسی بنائے۔

جنرل ایوب خان نے بنیادی جمہوریت کا نظام نافذ کر کے عوام میں مقبولیت اور اعتماد حاصل کر لیا تو [illegible] نے ایک آئینی کمیشن قائم کیا اس کمیشن نے ۱۹۵۶ء کے آئین کی ناکامی کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ نئے آئین کی تیاری [illegible] دیا پھر تقریباً ڈیڑھ سال کی زبردست محنت کے بعد ۶ مئی ۱۹۶۱ء کو اس آئینی کمیشن نے اپنی ساری رپورٹ صدر ایوب کو پیش کی۔ [illegible] کی سفارشات کی روشنی میں ۱۹۶۲ء کا آئین مرتب کیا گیا۔ اس میں واضح کہا گیا کہ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ [illegible] سے حاصل ہونے والے اختیارات حکومت کے پاس ایک مقدس امانت ہیں پاکستان کے اس دوسرے دستور میں [illegible] صدارتی نظام رائج کرنے کا تجربہ کیا گیا۔

۱۹۶۲ء کے دستور میں بھی ۱۹۵۶ء کے دستور کی طرح مقنّنہ صرف ایک ایوان پر مشتمل تھی۔ مملکت کی مرکزی عدالت [illegible] کورٹ اور صوبوں کی مرکزی عدالت ہائی کورٹ تھی۔ دستور کی منظوری کے وقت بنیادی حقوق کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔ [illegible] کے تحت ۱۹۶۳ء میں بنیادی حقوق کی فہرست دستور کا حصہ بنی۔ ۱۹۶۲ء کا دستور وفاقی دستور تھا۔ دستور کے تحت دونوں صوبوں [illegible] حیثیت تسلیم کر لی گئی۔

علماء نے متفقہ طور پر چند اصول وضع کیے جن پر عمل کر کے پاکستان کی اسلامی ریاست کو تشکیل دینا ممکن تھا۔ [illegible] میں باہمی بھائی چارہ اور تعاون کو بڑھانے کی سفارش کی۔ علماء نے ۱۹۶۲ء کی دستور سازی میں اسلامی دفعات کو [illegible] بھرپور کردار ادا کیا۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے غیر مسلموں کو فوج اور عدلیہ میں لئے جانے کو عملاً ممنوع قرار دینے کا مطالبہ [illegible]

قانون کے ماہر ہوں۔ ایوب خان حکومت کی غیر اسلامی قانون سازی کے خلاف مزاحمت میں جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان اور جماعت اسلامی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

مولانا غلام غوث ہزاروی نے مغربی پاکستان اسمبلی کے پلیٹ فارم سے ایوب خان حکومت کی طرف سے قرآن و سنت سے متصادم عائلی قوانین کو اسلامی تعلیمات کی رو سے ناقابلِ عمل قرار دیا۔ مولانا مفتی محمودؒ نے عائلی قوانین سے متعلق قومی اسمبلی میں نہایت محققانہ تقریر کی۔ آپ نے فرمایا مارشل لاء حکومت نے عوام کی رائے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بالکل غیر جمہوری طریقہ سے قرآن و سنت کے منافی ایک آرڈیننس ملک میں نافذ کر دیا۔

۱۹۶۲ء کے آئین کے مسودہ دستور میں جو اہم خامیاں اسلامی نقطہ نظر سے باقی رہ گئیں تھیں اُن کی جانب دستور سازوں کی توجہ مبذول کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ علماء کرام نے اس سلسلہ میں ارباب اقتدار سے مسلسل رابطہ قائم رکھا اور اُن پر دباؤ بڑھاتے رہے جس کی وجہ سے سیکولر عناصر اپنے مذموم عزائم میں کامیاب نہ ہوسکے۔

۱۹۶۲ء کے دستور میں اسلامی دستور سازی کے ملک کی سیاسی سماجی اور مذہبی اقدار پر گہرا اثر پڑا اور اس کے اثرات زندگی کے ہر گوشہ پر مرتب ہوئے۔ ارباب اختیار نے جب بھی ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش کی تو اُن کو اپنے عزائم کو پورا کرنے میں سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ معاشرہ بہت ساری خرافات سے بچ گیا کیونکہ بے دین قانون سازی نے یورپ کے بہت سے لوگوں کو بے راہ روی کے راستہ پر ڈال دیا لیکن پاکستان میں اسلامی قانون سازی کی وجہ سے پاکستانی معاشرہ یورپ جیسی بے راہ روی کا شکار ہونے سے بچ گیا۔ پاکستانی معاشرے میں بہن بھائی بیٹی والدین جیسے مقدس رشتوں کو جو تقدس حاصل ہے۔ اس کی وجہ بھی اسلامی قانون سازی کے ذریعہ مادر پدر آزادی پر مبنی قانون سازی کا راستہ روکنا ہے۔

پاکستانی معاشرہ میں مذہب کی گہری چھاپ موجود ہے۔ لوگوں کے اندر اسلامی اقدار کو دل و جان سے اپنانے کا جذبہ موجود ہے۔ مساجد کے اندر لوگوں کا نماز کے لیے آنا اور اسلامی شعائر کو اپنانا اور اُن پر سختی سے عمل کرنا اسلامی معاشرتی ماحول کی وجہ سے ہے۔ دنیا میں ایسے اسلامی ممالک بھی ہیں جہاں معاشرہ اسلامی قانون سازی نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی ماحول میں نہیں ڈھالا جا سکا۔ مصر، تیونس لیبیا جیسے اسلامی ممالک اس کی مثالیں ہیں۔ اگلے باب میں ۱۹۷۳ء کی اسلامی دستور سازی میں علماء کے کردار کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا جائے گا۔

باب چہارم

۱۹۷۳ء کی دستور سازی میں علماء کے کردار کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

فصل اول: دستور ۱۹۷۳ء کا تاریخی پس منظر اور پاکستان کے معروضی سیاسی حالات

۲۵۔مارچ ۱۹۶۹ء کو یحییٰ خاں نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا اور خود بحیثیت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ملک کی باگ ڈور سنبھال لی۔۱۹۶۲ء کا آئین منسوخ کر دیا گیا۔اور تمام سیاسی ادارے توڑ دیئے گئے لیکن سیاسی جماعتوں پر پابندی نہ لگائی گئی۔ یوں ملک ایک بار پھر آئینی بحران کا شکار ہو گیا۔۲۶۔مارچ ۱۹۶۹ء کے خطاب میں انہوں نے عوام کو یقین دلایا کہ جمہوری آئین کی بحالی کے بعد فوج بیرکوں میں واپس چلی جائے گی۔یحییٰ خان نے نیا آئین عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے تیار کرانے کا وعدہ کیا۔

"It is my firm belief that sound, clean and honest administration is a pre-requisite for constructive political life and for a smooth transfer of power to the representatives of the people elected freely and impartially on the basis of adult franchise." (1)

میرا یہ پختہ یقین ہے کہ تعمیری سیاسی زندگی اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کے ذریعے منتخب عوامی نمائندوں کو شفاف انتقالِ اقتدار کیلئے صحت مند، صاف ستھری اور ایماندار انتظامیہ ضروری ہے۔

PROVISIONAL CONSTITUTIONAL ORDER(عبوری آئینی حکم نامہ)

ایوب خان کے خلاف سیاسی جماعتوں کا اتحاد، ہڑتالیں اور جلوس، ہنگامے لاقانونیت بڑھتا جا رہا تھا۔جنرل یحییٰ خان صدر مملکت بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔مارچ ۱۹۶۹ء میں حالات جس نہج پر جا رہے تھے اس کا کوئی اور حل ایوب خان کے پاس نہیں رہ گیا تھا سوائے اس کے کہ وہ دستور پر عمل کرتے ہوئے سپیکر کو اقتدار سونپ دیتا۔مخالف سیاسی رہنما ایوب خان کا منظر سے انحراف چاہتے تھے اگر ذمہ داریاں سونپ دی جاتیں تو کافی امکان تھا کہ عوام اور سیاسی حلقے تعاون پر آمادہ ہو جاتے بالغ حق رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات منعقد ہوتے اور جمہوری عمل کے نتیجہ میں باقاعدہ مستقبل کی حکومت قائم ہو جاتی۔ایوب خان نے غیر آئینی راستہ اختیار کیا اور اقتدار یحییٰ خان کو سونپ دیا۔

یحییٰ خان نے دستوری نظام کو جاری رکھنے کے لیے ایک عبوری آئین (Provisional Constitutional Order) جاری کیا کیونکہ ۱۹۶۲ء کے دستور کی تنسیخ کے بعد پیدا ہونے والے خلاء کو پُر کرنا ضروری تھا اس آرڈر کے تحت بنیادی حقوق معطل رکھا گیا اور عدالتوں کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے احکامات کے خلاف فیصلہ دینے سے روک دیا گیا۔ رٹ پٹیشن کے معاملے میں عدالتوں سے عدالتی اختیارات معطل ہو گئے۔ مارشل لاء عدالتوں کے فیصلوں کو سول عدالتوں میں چیلنج کرنے کا عوامی حق ختم کر دیا گیا۔

Rizvi, Hasan Askari. The military and politics in pakistan, progressive publishers Lahore, 1976, P. 212

ضروری احکامات جاری کر سکیں گے۔

پی سی او کے تحت حکومتی اختیارات مکمل طور پر فوج اور بیوروکریسی کو سونپ دیے گئے۔ اس طرح فوج اور بیوروکریسی کو بغیر کسی رکاوٹ کے من مانی کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ عوامی حقوق، عدالتیں اور دستوری ادارے عملاً ختم ہو گئے اور ملک میں فوجی آمریت طاری ہوگئی۔ حالات کو سدھارنے کے لیے سختی کی گئی اور جب نرمی سے کام نکلنا ممکن لگا تو اسی سے کام لیا گیا۔ طلبہ نے ایوبی حکومت کے خلاف زبردست تحریک چلائی تھی اور ان کی کثیر تعداد جیلوں میں بند تھی یحییٰ خان نے طلبہ کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا۔

لیگل فریم ورک آرڈر

جنرل یحییٰ خان نے اقتدار سنبھالنے کے بعد وعدہ کیا تھا کہ بہت جلد منصفانہ، جمہوری اور غیر جانبدارانہ انتخابات بالغ حق رائے دہی کے اصول کے مطابق کرا دیے جائیں گے۔

۲۹ مارچ ۱۹۷۰ء کو صدر پاکستان جنرل یحییٰ خان نے ایک صدارتی حکم کے ذریعے ایک آئینی ڈھانچے کا اعلان کیا۔ اس آئینی ڈھانچے کے اہم نکات درج ذیل تھے۔

۱) ملک میں جمہوری اصولوں کی پاسداری اور پابندی کرنا۔

۲) بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ووٹ کا حق اختیار کرنا۔

۳) پاکستان کے شہریوں کے بنیادی حقوق کی بحالی اور ان تمام بنیادی حقوق کو عدالتی اور قانونی تحفظ فراہم کرنا۔

۴) مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم اس طرح کرنا کہ صوبائی خودمختاری کے تقاضے پورے ہوں۔

۵) ملکی قانون کے ذریعے صوبوں کے درمیان معاشی ناہمواری کو ختم کرنا۔

۶) انتخابات کے بعد جو نئی اسمبلی منتخب ہوگی اس کے لیے یہ قانونی پابندی ہوگی کہ وہ نیا آئین ایک سو بیس دن کے اندر تیار کرے اور اگر یہ اسمبلی اس مدت میں آئین سازی سے محروم رہی تو وہ خود بخود ختم ہو جائے گی۔

جنرل یحییٰ خان نے انتخابات کے لیے ۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء کی تاریخ مقرر کر دی لیکن مشرقی پاکستان میں زبردست طوفان اور سیلاب نے تباہی مچا دی تو انتخابات ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء تک ملتوی کر دیے گئے۔ عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن التوا کے حق میں نہ تھے اُن کا مطالبہ تھا کہ سیلاب اور طوفان کی تباہیوں کے باوجود انتخابی عمل کو نہ روکا جائے یحییٰ خان کے انتخابات ملتوی کرنے پر عوامی لیگ نے پورے مشرقی پاکستان میں مخالفانہ جلسے منعقد کر کے فوجی حکومت پر تنقید کی۔ مشرقی پاکستان کے سیلاب کے دوران مغربی پاکستان میں سیاستدان انتخابی مہم میں مصروف رہے جبکہ انہیں مظلوم اور تباہ حال بنگالیوں کی مدد کے لیے ٹھوس پلاننگ کرنی چاہیے تھی لیکن سیاستدانوں کی عدم دلچسپی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجیب الرحمٰن نے مغربی پاکستان کی افواج بیوروکریسی سیاستدانوں اور عوام کے رویے پر سخت نکتہ چینی کی۔ ان ہی دنوں میں مشرقی پاکستان کا مغربی پاکستان سے علیحدگی کا رجحان تیزی سے پیدا ہونے لگا۔ طلبہ نے خصوصی کردار ادا کیا۔

۲۴۔اکتوبر ۱۹۷۰ء کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے سنت نگر (لاہور) کے جلسہ عام میں فرمایا۔

"اس وقت ملک اور اس کے بنیادی نظریے کو بچانے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے جسے میں واضح طور پر [illegible] بتا دینا چاہتا ہوں ایک ضرورت تو اس بات کی ہے کہ آئندہ انتخابات میں ایک ایسی پارٹی اسمبلی کے اندر پہنچے جو مشرقی اور مغربی پاکستان دونوں کی نمائندہ ہو۔ جس کے اندر مغربی پاکستان کے بھی ہر حصے کے [illegible] شامل ہوں [illegible] کسی ایک حصہ تک محدود نہ ہو جس کے ممبران کی اتنی تعداد اسمبلی میں پہنچے کہ دوسرے گروپ اس کی مدد [illegible] کے بغیر اپنا من پسند آئین نہ بنا سکیں۔ اسی کا ایک دوسرا گروپ اسمبلی کے باہر بھی موجود ہو اور وہ [illegible] منظم [illegible] ہو کہ ہر اس میدان میں تخریبی طاقتوں کا مقابلہ کر سکے جس میں وہ فساد برپا کرنے کے لئے کھڑی ہوں۔ [illegible]

ان حالات و واقعات کی موجودگی میں ملک میں عام انتخابات ۷۔ دسمبر ۱۹۷۰ء کو منعقد ہوئے۔ ان انتخابات میں [illegible] جماعتوں اور آزاد امیدواروں نے حصہ لیا دس بڑی سیاسی جماعتوں متعدد اقلیتی اور آزاد امیدواروں نے بھی انتخابات میں [illegible] حصہ لیا۔ اِن انتخابات کی نگرانی فوج نے بھی کی۔ ماہرین نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات کو منصفانہ اور آزادانہ انتخابات قرار [illegible]۔

مجیب الرحمٰن کے چھ نکات

ایوب خان کی حکومت کے خلاف تحریک کے دوران مجیب الرحمٰن نے چھ نکات پر مبنی اپنا پروگرام ترتیب [illegible] کے انتخابات میں ان ہی نکات کو انتخابی منشور کی شکل دے دی گئی۔ مجیب الرحمٰن نے ریڈیو اور ٹی وی پر انتخابی تقریر میں چھ نکات [illegible] منشور پر تفصیلاً روشنی ڈالی۔ جو درج ذیل تھے:

۱) ''وفاقی طرز حکومت پارلیمانی نوعیت اور بالغ رائے دہی پر مبنی ہو۔

۲) وفاقی حکومت صرف دفاع اور خارجہ امور سنبھالے، باقی تمام شعبے صوبوں کو دیئے جائیں۔

۳) ٹیکسوں کا نفاذ اور ریونیو کی وصولی ہر صوبہ کرے۔ یہ اختیار مرکزی حکومت سے لے لیا جائے۔

۴) دو علیحدہ مگر آسانی سے بدلی جانے والی کرنسیاں دونوں صوبوں میں رائج کی جائیں۔

۵) ''ملک کے دونوں صوبوں کا زرمبادلہ کا حساب علیحدہ علیحدہ رکھا جائے اور ہر متعلقہ صوبہ کی تحویل میں ہو۔

۶) مشرقی پاکستان میں ملیشیا یا پیرا ملٹری فوس قائم کی جائے''۔ (۲)

۱۹۷۰ء کے انتخابات نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنے چھ نکات کی بنیاد پر عوامی لیگ کے [illegible] میں بلحاظ آبادی سب سے زیادہ نشستیں جیت لی تھیں اور لوگوں کی اکثریت عوامی لیگ اور اس کے منشور کی جان تھی کیونکہ [illegible] فیصد انتخابات کے بعد سامنے آیا تھا۔ عوامی لیگ نے پاکستان کی کل نشستوں میں سے قریباً ستاون فیصد نشستیں جیت لی تھیں اور [illegible] پیپلز پارٹی نے قریباً اٹھائیس فی صد نشستیں حاصل کی تھیں۔ عوامی لیگ کی اس قدر بھاری اکثریت کی بنا پر حکومتی سطح پر تو یہ [illegible]

۱۔ طفیل محمد، میاں۔ جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد۔ ادارہ معارف اسلامی منصورہ، ملتان روڈ لاہور نومبر ۲۰۰۱ء، ص ۲۰۳

۲۔ ندائے خلافت ہفت روزہ (استحکام پاکستان نمبر)، جلد نمبر ۱۶، شمارہ ۳۰، ۸ تا ۱۴ اگست ۲۰۰۷ء، مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور، ص [illegible]

تیاری بھی شروع کر دی تھی۔ اس کے ساتھ شیخ مجیب الرحمٰن نے یہ مطالبہ بھی شروع کر دیا تھا کہ اسمبلی کا اجلاس جلد از جلد بلایا جائے۔ مجیب الرحمٰن کی یہ بھی خواہش تھی کہ اس نئی اسمبلی کا پہلا اجلاس ڈھاکہ میں بلایا جائے۔ ان مطالبات کے پیش نظر شیخ مجیب الرحمٰن مشرقی پاکستان کی واضح بالادستی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔

صدر یحییٰ خاں نے عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن کا عندیہ معلوم کرنے کے بعد ۱۷۔ جنوری ۱۹۷۱ء کو لاڑکانہ میں جا کر پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو سے بھی مفصل ملاقات کی۔ صدر یحییٰ خاں نے اپنی اس ملاقات میں یہ بھی بتایا کہ اب عوامی لیگ کے سامنے تین صورتیں ہیں یعنی یا تو وہ خود ہی کام چلائے، یا پاکستان پیپلز پارٹی سے تعاون کرے اور یا مغربی پاکستان کی دیگر سیاسی جماعتوں کے ساتھ کسی طرح کا سمجھوتہ کر لے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس آرزو کا اظہار بھی کیا کہ عوامی لیگ اور پاکستان پیپلز پارٹی کو باہمی طور پر ملکی مفاد کے پیش نظر کوئی سمجھوتہ کر لینا چاہیے۔ اس صورت حال میں ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے ایک معتمد خاص اور پیپلز پارٹی پنجاب کے جنرل سیکرٹری ملک غلام مصطفیٰ کھر کو بات چیت کے لئے شیخ مجیب الرحمٰن کے پاس ڈھاکہ بھجوایا اس ملاقات سے واضح ہو گیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن اپنے چھ نکات پر مبنی علیحدگی پسندانہ موقف سے ذرا بھی ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ملک مصطفیٰ کھر نے شیخ مجیب الرحمٰن پر یہ بھی واضح کر دیا کہ مغربی پاکستان کے لوگ چھ نکات کے نفاذ کے حق میں نہیں ہیں لیکن دوسری جانب اب شیخ مجیب الرحمٰن مغربی پاکستان کے کسی مطالبے کو خاطر میں لانے یا کوئی وقعت دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھے۔

مغربی پاکستان سے یحییٰ خاں، ذوالفقار علی بھٹو اور کئی دوسرے سیاسی راہنما مشرقی حصے میں گئے۔ انہوں نے عوامی لیگ سے مذاکرات کرنے کی کوشش کی لیکن مجیب اپنی ضد پر اڑا رہا۔ یحییٰ خان نے اپنی نیک نیتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بیان میں مجیب الرحمٰن کو پاکستان کا مستقبل قریب کا وزیراعظم پکارا۔ مغربی حصے کے لیڈروں نے عوامی لیگ کو منفی رویے کے مضمرات سے آگاہ کرنا چاہا لیکن وہ انتہا پسندوں کے کنٹرول میں تھا اس لئے مفاہمت کی راہ پر آنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ بھارت کے ماہرین اسے مسلسل دباؤ میں رکھے ہوئے تھے۔ بھٹو ۲۷۔ جنوری ۱۹۷۱ء کو ڈھاکہ گیا اور مجیب سے مذاکرات کئے لیکن مجیب چھ نکات سے ہٹنے پر آمادہ نہ ہوا اور مذاکرات بے نتیجہ رہے۔ بھٹو نے ایک موقع پر مجیب کے چھ میں سے پانچ نکات پر اتفاق کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا لیکن عوامی لیگ چھ نکات سے پیچھے ہٹنے کو بالکل تیار نہ تھی۔ مجیب نے صلح اور تعاون کی بجائے تشدد اور عدم تعاون کی راہ اپنائی تو جنرل یحییٰ خان نے اسے گرفتار کروا کے مغربی پاکستان بھجوا دیا۔ عوامی لیگ کو غیر قانونی جماعت قرار دے دیا۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے ۱۲۔ فروری ۱۹۷۱ء کو یہ مطالبہ دہرایا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس جلد از جلد بلایا جائے بصورت دیگر ملک میں خونی انقلاب برپا ہو جائے گا۔ چنانچہ اس دھمکی آمیز مطالبے پر یحییٰ خان نے ۱۳۔ فروری ۱۹۷۱ء کو یہ اعلان کر دیا کہ ۳۔ مارچ ۱۹۷۱ء کو قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوگا۔ لیکن اس کے برعکس پاکستان پیپلز پارٹی کے کارپردازان ابھی اتنی جلدی میں مجیب الرحمٰن کے چھ نکات کے حوالے سے آئینی امور طے کرنے کے لئے تیار نہیں تھے لہٰذا اعلان کیا گیا کہ اگر اس ۳۔ مارچ کے اجلاس میں پیپلز پارٹی کی بات بھی نہ سنی جائے

بھٹو نے لاہور میں ایک تقریر کے دوران ایک بار پھر پیپلز پارٹی اور مغربی پاکستان کے عوام کے موقف کا اعادہ کیا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات بہر طور ملکی سالمیت کے لئے مفید نہیں ہیں۔ اس پر صدر یحییٰ خاں نے یکم مارچ کو اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا۔

اجلاس کے التوا کا فیصلہ عوامی لیگ کے رہنماؤں کے شدید ردعمل کا باعث بنا۔ انہوں نے سیاسی جماعتوں کی ۱۰ مارچ کی طلب کردہ میٹنگ میں شرکت سے صاف انکار کر دیا اور عام ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ عوامی لیگ نے عدم تعاون پر مبنی پر تشدد تحریک شروع کر دی۔ یہ کھلی بغاوت تھی۔ پورے بنگال میں آگ لگ گئی۔ مارکیٹیں، دفاتر، بینک، تعلیمی ادارے اور تمام دیگر شعبوں میں تعطل اور ہڑتال نے بڑی ہولناک صورت پیدا کر دی۔ بنگالی نوجوانوں کے بڑے بڑے گروہ بہاریوں اور مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے عوام پر ٹوٹ پڑے۔ لاکھوں افراد قتل اور زخمی ہوئے۔ بہاری علاقوں میں آگ اور خون کا بھیانک کھیل کھیلا گیا۔ ہندوؤں اور بھارتی ایجنٹوں نے مشرقی پاکستان کو جہنم کا نمونہ بنا دیا۔ عوامی لیگ نے بنگلہ دیش کا پرچم سرکاری و غیر سرکاری عمارتوں پر جا بجا لہرا دیا۔ مقامی آبادی نے عوامی لیگ کے غنڈوں کے خوف سے تعاون کی پالیسی اپنائی اور پاکستان کا نام لینے کی کسی کو جرأت نہ تھی۔ قائداعظم کی تصاویر اور پاکستانی جھنڈے کی بے حرمتی کے واقعات شہر بہ شہر ہوئے۔

۲۵۔اور۔۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کی درمیانی رات جنرل یحییٰ خان نے قوت کے استعمال سے مشرقی پاکستان کو کنٹرول کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہزاروں بنگالی نوجوان بھارت کی برانگیختگی پر بارڈر عبور کر گئے جہاں انہیں بھارتی فوجیوں نے ملٹری ٹریننگ دی اور خانہ جنگی کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ پاکستان کی فوجی حکومت نے ایسٹ پاکستان رائفلز اور ایسٹ بنگال رجمنٹ سے ہتھیار لے لئے تاکہ دونوں فوجی تنظیمیں امن و امان کے قیام میں رکاوٹ نہ بنیں۔ بنگالی فوجیوں کی بڑی تعداد بھاگ کر بھارت چلی گئی جہاں مکتی باہنی کے نام سے ایک باقاعدہ نیم فوجی تنظیم کی بنیاد رکھی گئی تاکہ مشرقی پاکستان میں پاکستانی افواج کے خلاف گوریلا کاروائیاں کی جاسکیں۔

جنرل یحییٰ خان نے مشرقی پاکستان میں بغاوت کو کچل ڈالنے کے لئے جنرل ٹکا خان کو وہاں کا گورنر مقرر کیا۔ مشرقی پاکستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے ٹکا خان سے عہدے کا حلف لینے سے انکار کر دیا۔ جنرل ٹکا خان کو شدید مشکلات کا سامنا تھا لیکن اس اعلیٰ درجہ کے پیشہ ور فوجی نے چند ہی دنوں میں حالات پر قابو پالیا۔ تمام شہروں، قصبوں اور دیہی علاقوں میں پاک فوج کا عمل دخل ہو گیا۔ پاکستان کی سالمیت کے لئے ٹکا خان کو جو مشن دے کر بھیجا گیا تھا اس میں وہ کامیاب رہا۔ مکتی باہنی کے گوریلے اور پاکستان دشمن عناصر کے عزائم خاک میں ملا دیئے گئے۔ کافی گوریلے بھاگ کر واپس بھارت چلے گئے۔ بڑی تعداد میں گوریلوں کو پاک فوج نے گرفتار کر لیا۔

بھارت نے حالات اپنے موافق نہ دیکھتے ہوئے براہ راست حملہ کا فیصلہ کیا۔ اسے روس کی آشیرباد حاصل تھی اور بھارت نے ۱۹۔اگست ۱۹۷۱ء کو روس سے دوستی اور تعاون کا معاہدہ تحریر کیا۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی:

''۲۱۔نومبر ۱۹۷۱ء کو بھارت نے مشرقی پاکستان پر چاروں اطراف سے بھرپور حملہ شروع کر دیا۔ سامنے بھارت

سمندر اور فضا میں بھارتی بحریہ اور فضائیہ نے برتری حاصل کر لی۔ سامان رسد و ہتھیار پہنچنے کے راستے مسدود ہو گئے لیکن بہادر پاکستانی افواج نے نامساعد حالات میں بھی بہادری کے کارنامے دکھائے۔ پاکستان نے ۳۔ دسمبر کو مغربی پاکستان کی جانب سے بھارت پر جوابی حملہ کیا تا کہ دباؤ گھٹایا جا سکے۔ لیکن یہ حکمت عملی بے سود ثابت ہوئی۔ پاک افواج، آخری فوجی اور آخری گولی تک لڑنے کا عزم رکھتی تھیں لیکن جنرل یحییٰ خان اور اس کے ساتھ جرنیلوں نے حوصلے ہار دیئے اور ۱۶۔ دسمبر کو جنرل نیازی کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دے دیا۔ بنگلہ دیش بن گیا اور پاکستان کے ۹۳ ہزار فوجی جنگی قیدی بنا لئے گئے"۔ (۱)

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد جنرل یحییٰ خان، جنرل حمید اور ان کے ساتھ دیگر کئی جرنیل اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن عوامی غم و غصے کے پیش نظر جنرل گل حسن اور ائر مارشل رحیم خان نے حقائق کو دیکھتے ہوئے فوج کو مزید اقتدار میں رکھنے کی پالیسی کی مخالفت کی اور چاہا کہ فوج سیاست کو سیاست دانوں کے لئے چھوڑ کر خود اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کی طرف پوری توجہ مبذول کرے۔

ذوالفقار علی بھٹو نے ۲۰۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کو پاکستان کے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالا۔ بھٹو ملک میں پہلے سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے۔ انہوں نے یحییٰ خان کے سارے اختیارات کو حاصل کر لیا اور یہ صورت ۲۱۔ اپریل ۱۹۷۲ء تک قائم رہی جب ایک عبوری دستور نافذ کر کے مارشل لاء ہٹا لیا گیا۔ عملاً مارشل لاء کا دوسرا دور ۲۵۔ مارچ ۱۹۶۹ء سے ۲۱۔ اپریل ۱۹۷۲ء تک جاری رہا۔ ۱۴۔ اگست ۱۹۷۳ء کو ملک کا تیسرا دستور نافذ ہوا تو بھٹو نے عہدہ صدارت چھوڑ کر وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھال لیا۔ فضل الٰہی چوہدری ان کی جگہ صدر منتخب کئے گئے۔

ا۔ ملک، فاروق، پاکستان نظریہ حکومت اور سیاست، خرم بکس۔ ۴۰ اردو بازار، لاہور۔ ص ۳۸۳

۱۹۷۳ء کی اسلامی دستوری مہم میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام نے اسمبلی کے فلور پر بھرپور حصہ لیا۔ جو علماء [illegible] کے رکن نہ بن سکے انہوں نے بھی ۱۹۷۳ء کے دستور کو اسلامی امنگوں کے عین مطابق بنانے کے لئے اپنا بھرپور کردار [illegible]

دستور ۱۹۷۳ء کے لئے علماء کی اسلامی دستوری سفارشات

علماء کرام کی ۱۹۷۳ء کے دستور میں قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی کے لئے کاوشیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ اسلام کو ریاست کا سرکاری دین اور قرآن وسنت کو ملکی قوانین کا سپریم لاء تسلیم کیا جائے نیز رائج الوقت تمام [illegible] ایک معینہ مدت کے اندر قرآن وسنت کے مطابق تبدیل کر دیا جائے۔

۲۔ قرارداد مقاصد اور خود حکمران پارٹی کے اعلان" کہ اسلام ہمارا دین، جمہوریت ہماری سیاست، مساوات [illegible] معیشت اور قوت کا سرچشمہ عوام ہے" کی پابندی کی جائے۔

۳۔ کئی متوازی عدالتی نظام قائم کرنے کی بجائے ایک ہی نظام عدالت قائم کیا جائے جو انتظامیہ سے بالکل [illegible] آزاد ہو۔

۴۔ مرکز اور صوبوں میں معروف وفاقی پارلیمانی نظام حکومت قائم کیا جائے جس میں انتظامیہ اسمبلی کے سامنے جوابدہ [illegible] وزیر اعظم وجہ بتائے بغیر قومی اسمبلی کو برطرف نہیں کر سکے گا۔ یہی طریقہ کار صوبوں میں رائج کیا جائے گا۔

۵۔ نئے دستور میں جداگانہ طریق انتخاب کا فیصلہ کر کے اسے رائج کر دیا جائے۔

۶۔ دستور میں اس امر کی وضاحت کر دی جائے کہ یحییٰ خان جسے سپریم کورٹ غاصب قرار دے چکی ہے اس [illegible] کے خلاف سقوطِ مشرقی پاکستان کے بارے میں مقدمہ چلایا جائے۔

۷۔ حکومت جس شخص کی جتنی جائیداد چاہے بلا معاوضہ ضبط نہیں کرے گی یہ اسلام اور جمہوریت کے اصولوں کے منافی ہے۔

۸۔ دستور میں بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت دی جائے۔ ایوب خان، یحییٰ خان اور موجودہ صدر کے بنیادی انسانی حقوق کے خلاف مارشل لاء قوانین کو حاصل تحفظ کو ختم کیا جائے تاکہ انہیں کسی عدالت میں چیلنج کیا جا سکے۔

۹۔ دستور میں سرکاری ملازمین کو سیاسی پارٹیوں کی آویزشوں اور خود غرضانہ کارروائیوں سے تحفظ دیا جائے تاکہ [illegible] غیر جانب داری برقرار رہ سکے۔

۱۰۔ عام انتخابات کے دوران قومی حکومت قائم کی جائے جو گذشتہ پارلیمنٹ میں شریک تمام پارٹیوں کے نمائندوں پر مشتمل [illegible]

مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک کی آئینی خدمات

۲۷۔ فروری ۱۹۷۳ء کی شام قومی اسمبلی میں مسودہ دستور پر عام بحث کے دوران شیخ الحدیث مولانا عبدالحق [illegible] نے جو تقریر کی وہ حسب ذیل ہے:

''کسی ملک کا آئین اس ملک کی موت وحیات کا مسئلہ ہوتا ہے۔ دستور نہ کسی فرد کا مسئلہ ہے نہ کسی جماعت کا مسئلہ ہے۔ نہ کسی خاص شہر نہ کسی ایک صوبے کا بلکہ یہ کل قوم اور ملک کا مسئلہ ہے۔ تمام پاکستانی قوم کا مسئلہ ہے۔ سب سے گزارش ہے کہ آئین کی ہر دفعہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے۔ دستور کے متعلق یہاں یہ کہا گیا ہے کہ ہمارا دستور سوشلزم کے اصولوں پر ہوگا۔ میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ سوشلزم تو نعرہ ہے پیپلز پارٹی کا اور دستور کسی ایک پارٹی کے لئے نہیں بن رہا۔ بلکہ پورے پاکستان کے لئے بن رہا ہے۔ اسے ہم پاکستانی قوم کے لئے بنا رہے ہیں۔ یا کسی خاص پارٹی کے لئے یہ آئین پیپلز پارٹی کا ہے نہ نیشنل عوامی پارٹی یا مسلم لیگ کا اور جمعیت علمائے اسلام کا ہے بلکہ پوری مسلمان قوم کے لئے ہے۔ اس لئے اگر ہم اسے پارلیمانی پارٹی کا منشور بنائیں گے تو میری رائے میں یہ بڑی زیادتی ہوگی۔ مجھے یہ بات خوب یاد ہے کہ قائداعظم سے جب یہ پوچھا گیا کہ جو پاکستان آپ بنا رہے وہ علاقہ مسلمانوں کی اکثریت کا ہے۔ لہٰذا اقلیت والے علاقے کے مسلمان کیا کریں گے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں اُن کا جنازہ اسلام کے لئے پڑھ چکا ہوں۔ حقیقت اور سچی بات یہ ہے کہ ہم اُن کا جنازہ پڑھ چکے ہیں اور ہم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کے بدلے میں ہم کو اسلام کا نظام مل جائے گا لیکن یہ بڑی افسوس ناک بات ہے کہ آج ہم یہ سوچ رہے ہیں سوشلزم ہو۔ کیا پاکستان سوشلزم کے لئے بنا تھا؟ یہ مقصد تو متحدہ ہندوستان میں بھی حاصل ہوسکتا تھا''۔ (۱)

۱۷۔جنوری ۱۹۷۴ء کو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے نظریہ پاکستان کے منافی اور فحش لٹریچر پر پابندی کی قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد میں فرمایا:

''پاکستان میں ایسے لٹریچر کی طباعت واشاعت اور ملک میں داخلہ ممنوع قرار دیا جائے۔ جس سے مسلمانوں کے اخلاق، عقائد اور نظریہ پاکستان متاثر ہوسکتے ہیں نیز عریاں اور فحش لٹریچر کی بھی ممانعت کی جائے۔ قرارداد پر بحث میں وزیر بے محکمہ خورشید حسن میر نے تنقید کرتے ہوئے کہا مولانا اس قسم کی قراردادیں پیش کرتے رہتے ہیں تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ صرف اپوزیشن ہی اِس قانون سے آگاہ ہے۔ آخر میں وزیر داخلہ خان عبدالقیوم خان نے سرکاری موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے قرارداد کی سختی سے مخالفت کی۔ قرارداد کی حمایت کرنے والے اپوزیشن ارکان نے اس بات پر سخت تشویش کا اظہار کیا کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے اس ملک میں بے حیائی کو فروغ دیا جارہا ہے''۔ (۲)

سودی نظام کے خاتمہ کی قرارداد:

مولانا عبدالحق نے سودی نظام کے متعلق قرارداد پیش کی جس پر ایوان میں بحث ہوئی اور بالآخر سرکاری پارٹی نے اپنی اکثریت

۱۔عبدالحق، مولانا، اکوڑہ خٹک۔ قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ۔ مطبوعات موتمر المصنفین۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ پشاور۔ ص ۹۹۔۱۰۰

چ

اسلامی اقتصادی نظام سے بدلنے کا کہا گیا۔قرارداد کے محرک مولانا عبدالحق نے وضاحتی تقریر کرتے ہوئے مختصراً سود کی مباحثوں پر روشنی ڈالی اور کہا کہ:

''اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سرکاری مذہب آئینی طور پر اسلام مانا گیا ہے۔اور سب کو معلوم ہے کہ سود جس شکل میں ہو اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔پھر ہمارے آئین میں بھی ہے کہ ہم سودی لین دین اور معاملات کو ختم کریں گے۔میری قرارداد کا مقصد یہ ہے کہ ملک میں غیر سودی نظام رائج کیا جائے''۔(۱)

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (۲)

''اور اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا ہے''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۳)

''پس اگر تم باز نہ آؤ تو اللہ اور رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے''۔

وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دور کا ایک اہم ترین تاریخی کارنامہ ۷ستمبر۱۹۷۴ء کو مرزائیوں کا اقلیت قرار پانا ہے۔مسٹر بھٹو اور ارکان اسمبلی کی بڑی تعداد مسئلہ ختم نبوت کی اساسی اہمیت سے پوری طرح آگاہ نہیں تھی اس موقع اور موضوع پر مولانا عبدالحق نے پارلیمنٹ میں جو تقریر کی اور جس طرح مرزائیوں کے آنجہانی پیشوا مرزا ناصر احمد پر کاٹنے دار سوالوں سے جرح کی اس سے ایوان پر مرزائیت کی قلعی پورے طور پر کھل گئی یوں ۹۰ سالہ پرانا مسلمانوں کو بے چین رکھنے والا تشویشناک مسئلہ شرح صدر کے ساتھ متفقہ طور پر حل ہو گیا اور ہر نوع قادیانیت یا مرزائیت دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دی گئی۔

"قومی اسمبلی میں مولانا کا ہر لمحہ قرآن وسنت کی بالا دستی اور شریعت بل منظور کروانے کی جدو جہد میں گزرا۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کی تشکیل کے موقع پر وہ قرآن وسنت کی بالا دستی کے لئے اس قدر کوشاں تھے کہ انہوں نے ۲۰۰ سے زائد ترامیم پیش کیں وہ دینی علوم کے علاوہ آئین، قانون اور پالیمانی امور پر بھی ایسی مہارت رکھتے تھے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔سود کی لعنت خاندانی منصوبہ بندی، عائلی قوانین، اسمبلی میں عورتوں کی نشستیں، ذرائع ابلاغ کی گمراہیوں، خاص طور پر ٹیلی ویژن کی بے راہ روی کے خلاف انہوں نے جو جدو جہد کی ان پر کوئی حرف گیری کی جرات نہیں کر سکا یہ ان کی پیرانہ سالی کی ہی جدو جہد تھی کہ انہوں نے خود دورے کئے اور شریعت بل کو ملک گیر مسئلہ بنا دیا۔یہ دوسری بات ہے کہ حکمرانوں کی مصلحتوں نے شریعت بل کو پس منظر میں ڈال دیا۔قومی اسمبلی کی رکنیت کے تینوں ادوار (۱۹۷۰ء، ۱۹۷۷ء، ۱۹۸۵ء) تینوں ادوار کے دوران انہوں نے زندگی اور زمانے کے ہر اہم مسئلہ کا اسلامی

۱۔عبدالحق، مولانا، اکوڑہ خٹک۔قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ایضاً۔ص ۱۳۷
۲۔البقرہ: سورۃ نمبر۲، آیت نمبر ۲۷۵
۳۔البقرہ: سورۃ نمبر۲، آیت نمبر ۲۷۹

مولانا مفتی محمود کی آئینی خدمات:

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی ۱۹۷۳ء کے دستور کی اسلامائزیشن کے سلسلہ میں خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

مفتی محمود صاحب جب ۱۹۷۰ء کی قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں آئین کی وفاداری کا حلف اٹھا رہے تھے تو آپ نے حلف کے آخری الفاظ یعنی ''میں دستور کو باقی اور قائم رکھوں گا کے بعد بصیرت افروز اضافہ کر دیا جس کے الفاظ یہ تھے۔ ''اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اس دستور کو جوں کا توں قائم رکھیں گے بلکہ دستور کے دیئے ہوئے اختیار کو بروئے کار لا کر اِن جملہ خرابیوں اور خامیوں کو دور کریں گے جو کتاب وسنت یا جمہوری لحاظ سے اس میں ہوں گی اور ان میں ترمیم و تنسیخ کریں گے۔ مولانا مفتی محمود کا یہ عالمانہ اور دانشمندانہ اضافہ حلف کی کارروائی میں باقاعدہ درج ہوا۔

''حضرت مفتی محمودؒ نے ۱۷۔اپریل ۱۹۷۲ء کو بھی قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''جناب صدر! ہم سمجھتے ہیں کہ اس ملک کو بناتے وقت یہ نعرہ لگایا گیا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا ''لا الہ الا اللہ'' ہو گا اور آپ بھی جانتے ہیں چوبیس سال تک حکمرانوں اور سیاستدانوں نے ہمیشہ اسلام کو سیاسی اغراض و مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے لیکن جہاں تک اسلام کے نظریے اور دین مذہب کا تعلق ہے تو اس سے انحراف کی تمام کوششیں جاری ہیں۔ اس آئین میں ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا ہے مگر دیکھنے میں اسلام کی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء کے دساتیر میں بھی اس کا نام یہی رکھا گیا لیکن دوربین لگا کر بھی اس نظام میں اسلام کی کوئی بات نہیں دیکھ سکتے۔ جمہوریت کی کوئی بات بھی اس میں ہمیں نہیں مل سکتی اور اب بھی ملک مارشل لاء کے تسلط میں چل رہا ہے۔ محترم صدر! یہ بالکل معمولی سی بات ہے کہ محترم وزیر قانون سے ہم نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ آپ یہ دفعہ بھی آئین میں رکھ دیں کہ اس ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہو گا وہ ممالک (لیبیا، مصر) جو اسلام کے نام پر قائم نہیں ہوئے وہاں بھی ایسی دفعہ موجود ہے تو یہاں اگر اس دفعہ کو شامل کر لیا جائے گا تو پاکستان کے کروڑوں مسلمان مطمئن ہو جائیں گے مگر اس معمولی بات سے بھی گریز کیا جا رہا ہے''۔ (۲)

ارتداد کی آزادی:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنا سکے گا یہ بات بھی ایک دھوکہ ہے اس لیے کہ ان دفعات میں مذہبی آزادی کی عوام الناس کے لئے وضاحت نہیں کی گئی کہ پاکستان کے ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ جو مذہب اور عقیدہ چاہے قبول کر سکتا ہے اس میں گویا مسلمان کو ہندو، عیسائی، یہودی اور مرزائی بننے کا حق دیا گیا ہے۔ مرتد ہونے کی اجازت دے دی گئی ہے مگر اسلامی قانون سازی کہتی ہے کہ:

''من بدل دیناً فاقتلوہ'' (الحدیث) (۳)

۱۔ارشد، عبدالرشید۔ بیس مردانِ حق، مکتبہ رشیدیہ، ۲۵۔حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور۔ ص ۹۴۰

۲۔ارشد، عبدالرشید، ڈاکٹر، بیس مردانِ حق، مکتبہ رشیدیہ، ۲۵۔لوئر مال لاہور۔س ن، ص ۴۳۷

۲۔ترمذی (ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ) جامع ترمذی باب الحدود (باب ماجاء فی المرتد)، جلد اوّل، مکتبہ رحمانیہ، اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ س ن

اسلامی قانون کے تحت اگر اس ہاؤس میں قانون سازی کریں تو ایسے شخص کو مرتد کی سزا قتل تجویز کریں گے۔ قرآن و سنت کی اس وضاحت کے باوجود ہم اب یہ سزا تجویز نہیں کر سکتے اس لئے کہ آپ نے آزادی مذہب کے نام سے اسے آئین میں حق دے دیا ہے مگر مسلمانوں کے ہاں سب سے عظیم جرم ارتداد ہے۔ زنا، شراب نوشی، سود خوری، ڈاکہ زنی کا جرم اس سے کم ہے جب بڑے سے بڑے جرم پر سزا نہیں ہو سکتی تو یہ آئین کس طرح اسلامی کہلا سکتا۔

آئین میں پیشے کی آزادی کو بھی بنیادی حق قرار دیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کتاب وسنت کے مطابق جو شرط لگانی چاہیے کہ یہاں شراب فروشی، جوا، قحبہ خانہ اور زنا کاری جیسے پیشے پر پابندی ہوگی۔ آپ نے آئینی طور پر اسلامی قانون کے نفاذ کی راہ ہموار کرنے کے لئے بھر پور جدوجہد کی۔

۱۹۷۳ء کی مستقل دستور سازی کے مرحلہ میں مختلف پارلیمانی پارٹیوں کے لیڈروں کی ایک کانفرنس میں ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو ایک سمجھوتہ ہوا اس میں یہ واضح کیا گیا کہ پارلیمنٹری سسٹم کو اسی وقت قبول کیا جائے گا۔ جب تک اقتدار کے تحفظ کی ضمانت نہ مل جائے اور روز بروز حکومت بدلنے کے خطرات کا مکمل طور پر سدباب نہ ہو جائے۔

مسودہ قانون میں اسلامی کونسل کی طرف رجوع کرنے سے پہلے اس مسئلہ پر پارلیمنٹ کا کوئی ایوان یا صوبائی اسمبلی کی اکثریت کی رائے سے منظور کردہ قرارداد کا ہونا ضروری قرار دینا اسلامی قانون سازی کے حق میں تسلیم کرنے والی شق کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ کسی بھی غیر اسلامی قانون سازی کو عدالت میں چیلنج کو پارلیمنٹ کے ایوان یا صوبائی اسمبلی کی قرارداد سے مشروط کرنا ملک کے مسلمانوں کی حق تلفی ہے۔ اس کے علاوہ بدنام زمانہ مسلم فیملی لاء کو جو تمام مکاتب فکر کے نزدیک غیر اسلامی ہے کو دستوری تحفظ دیا گیا ہے۔ ہم نے آئینی کمیٹی میں جج کے لئے مسلمان ہونے کی شرط کی ترمیم پیش کی تھی لیکن پاکستان کے چیف جسٹس کو بھی مسلمان ہونے کی شرط سے مستثنیٰ قرار دیا گیا اس سے اسلامی قانون کے تحفظ کی ضمانت نہیں مل سکتی۔

> ''اسلامی دفعات کی دفعہ ۲ میں اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا گویا پاکستان کو ایک نظریاتی مملکت قرار دیا گیا اور ایک نظریاتی مملکت میں کلیدی آسامیوں پر ایسے افراد تعینات کئے جاتے ہیں جو اسلامی نظریہ پر ایمان رکھتے ہوں۔ مولانا مفتی محمودؒ نے فرمایا میں اپنے ہم وطنوں کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان کی سلامتی اتحاد و یکجہتی اور پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی مملکت بنانے کے لئے میں اور میری جماعت کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور انشاء اللہ حق کا بول بالا ہوگا''۔ (۱)

۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت چلی تو حضرت مفتی محمود صاحب پیش پیش تھے۔ ملک میں تحریک زوروں پر تھی پوری امت سراپا احتجاج تھا ایک ہی نعرہ ایک ہی آواز ایک ہی مطالبہ تھا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی اکیسویں سالانہ ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ دسمبر ۱۹۷۵ء کے ایک اجلاس میں مولانا مفتی محمود نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

ا۔ ارشد، عبدالرشید، ڈاکٹر، بیس مردانِ حق، مکتبہ رشیدیہ، ۲۵۔ لوئر مال لاہور۔ س ن، ص ۴۸۸

''اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک اجتماع میں شرکت کی سعادت سے نوازا۔ اس قافلہ کو آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ چند مبلغین کا قافلہ ہے چند علماء نے یہ تحریک شروع کی ہوئی ہے۔ بلکہ یہ سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے کروڑوں عوام اس مسئلہ میں چل کر اس مسئلے کو حل کرنے میں ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں ایک ادنیٰ سے مسلمان بھی نبی کریم ﷺ کی عزت پر اپنی جان قربان کرنے کو سعادت سمجھتا ہے۔ میں اس جماعت کے قائدین کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اس مسئلہ کے سلسلہ میں آپ کی کوششوں اور آپ کی جدوجہد کو ایک عظیم جدوجہد سمجھتا ہوں اور آپ کی خدمت کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہوں اس مسئلے کے حل کرنے میں ایک ادنیٰ مسلمان کی حیثیت سے میری جان بھی قربان ہو جائے تو میرے لیے توشۂ آخرت ہے۔ جہاں تک مذہب کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔(۱)

''کہ جناب محمد ﷺ تمہارے بالغ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں

''باپ نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمہارے روحانی باپ ہیں، روحانی باپ کا درجہ جسمانی باپ سے بڑھ کر ہوتا ہے روح اصل ہے جسم فرع ہے۔ روح مخدوم ہے اور جسم خادم ہے''۔ (۲)

چنانچہ ۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کو کافر قرار دینے کے لئے ایوان میں حزبِ اختلاف کے جن ۳۷ ارکان نے دوسری ترمیم کے لئے قرارداد پیش کی ان میں مفتی صاحب کا نام سرفہرست تھا۔ قرارداد کے بعد اس مسئلہ کے حل کے لئے اسمبلی کے اجلاس میں ایک ''رہبر کمیٹی'' تشکیل دی گئی۔ حزب اختلاف نے اس ''رہبر کمیٹی'' کی معرفت یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ اس مسئلہ کا ایک فریق قادیان بھی ہے اس لئے انکے دلائل سننے کے لئے انہیں بھی اسمبلی میں مدعو کیا جائے تا کہ وہ یہ نہ کہہ سکیں، کہ ہمارے دلائل سنے بغیر ہی فیصلہ کر دیا گیا۔ چنانچہ مرزا ناصر اور لاہور پارٹی کے سربراہ کو طلب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے پورے ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی کے روبرو حزب اختلاف کی ترجمانی کا شرف حضرت مفتی صاحبؒ کو عطا فرمایا۔ مرزا ناصر شلوار قمیص زیب تن کئے اور طرے دار سفید پگڑی باندھے، باقاعدہ متشرع داڑھی اور بڑے طمطراق سے آیا۔ دوران خطاب و گفتگو جب نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کا نام اسم گرامی زبان پر لاتا تو بڑے ادب و احترام سے درود شریف بھی پڑھتا اور قرآنی آیات کے حوالے بھی دیتا۔ سادہ لوح ارکان اسمبلی اس صورت حال پر بہت پریشان تھے کہ یہ سفید ریش بزرگ جو نبی ﷺ پر درود شریف بھی پڑھتے ہیں اور قرآنی آیات بھی پڑھتے ہیں، کیسے کافر ہو سکتے ہیں مگر چند حوں بعد ہی حضرت مفتی صاحبؒ نے مرزا ناصر پر جرح شروع کی اور قرآن و حدیث سے دلائل و براہین پیش کر کے دندان شکن جوابات کے ذریعے اسے مبہوت کر دیا، اگر چہ یہ جرح تیرہ روز تک جاری رہی، گیارہ روز ربوہ گروپ پر جو مرزا قادیانی کو نبی تسلیم کرتا ہے اور دو روز لاہوری گروپ جو قادیانی کو قائد مانتا ہے۔ ہر روز آٹھ گھنٹے جرح ہوتی مگر اس طویل جرح نے قادیانیت کے بھیانک اور مکروہ چہرے کو بے نقاب

۱۔ الاحزاب: سورۃ نمبر ۳۳، آیت نمبر ۴۰

۲۔ اللہ وسایا، مولانا تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء، جلد اول۔ عالم مجلس ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان۔ جولائی ۱۹۹۳۔ ص ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱

۷۔ستمبر کو اسمبلی نے فیصلہ کا اعلان کرنا تھا مگر اب تک کوئی فیصلہ ہی نہیں ہو سکا تھا ۶۔ستمبر کو صبح مسٹر بھٹو نے حضرت مفتی صاحب سمیت سب کمیٹی کے ارکان کو پرائم منسٹر ہاؤس میں بلایا مگر اس موقعہ پر بھی مسلسل دو گھنٹے کی گفتگو کے باوجود کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہو سکا۔ حکومت کی بھرپور کوشش تھی کہ دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم کا مسئلہ چھوڑ دیا جائے، مگر اپوزیشن ترمیم پر مصر تھی، طویل بحث وتمحیص کے بعد مسٹر بھٹو نے کہا میں سوچوں گا اگر ضرورت محسوس ہوئی تو دوبارہ بلاؤں گا۔ بوقت عصر اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تو پیرزادہ عبدالحفیظ نے مفتی صاحب سمیت کمیٹی کے دیگر ارکان کو اسپیکر کے کمرے میں بلایا۔

حزب اختلاف نے اپنا موقف پھر واضح کیا کہ دفعہ ۱۰۶ میں چھ اقلیتی فرقوں کے ساتھ مرزائیوں کی تصریح کی جائے اور بریکٹ میں قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ لکھا جائے۔

پیرزادہ: وہ اپنے آپ کو مرزائی نہیں کہتے احمدی کہتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ: ہم ان کو احمدی تسلیم نہیں کرتے احمدی تو ہم ہیں چلو انہیں مرزا قادیانی کے پیروکار لکھ دو۔

پیرزادہ: دستور میں کسی شخص کا نام نہیں ہوتا۔ حالانکہ دستور میں حضرت محمد ﷺ اور قائد اعظم کے نام موجود ہیں پھر سوچ کر بولے حضرت مفتی صاحب! مرزا کے نام سے دستور کو کیوں پلید کرتے ہو! مسٹر پیرزادہ کا خیال تھا کہ شاید اس حیلے سے حضرت مفتی صاحب ٹل جائیں گے۔

حضرت مفتی صاحب: شیطان، ابلیس اور خنزیر کے نام بھی قرآن میں موجود ہیں لیکن اس سے قرآن کی صداقت وتقدس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مسٹر پیرزادہ لاجواب ہو گئے۔

حضرت مفتی صاحب: بریکٹ بند ثانوی درجہ رکھتی ہے یوں لکھ دو، قادیانی گروپ ولاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں)۔

قومی اسمبلی نے ۷۔ستمبر ۱۹۷۴ء کو اس عظیم الشان فیصلہ کا اعلان کر دیا جس کا پوری ملت اسلامیہ کی طرف سے خیر مقدم کیا گیا۔ قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر قومی اسمبلی نے اپنی تاریخ میں پہلی بار ملی امنگوں کی ترجمانی کی اور عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کیا اور دستور کی دفعہ ۲۶۰ میں اس تاریخی شق کا یوں اضافہ کیا:

> ''جو شخص خاتم النبیین محمد ﷺ کی ختم نبوت پر مکمل اور غیر مشروط ایمان نہ رکھتا ہو اور محمد ﷺ کے بعد کسی بھی معنی یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبری کا دعویدار ہو یا اس قسم کا دعویٰ کرنے والے کو پیغمبر یا مذہبی مصلح مانتا ہو وہ آئین یا قانون کے ضمن میں مسلمان نہیں ہے''۔

دستور میں دفعہ ۱۰۶ کی شکل یوں بنی:

مت، پارسی فرقوں اور قادیانی گروہ یا لاہوری افراد (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) یا شیڈول کاسٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلوچستان ایک، سرحد ایک، سندھ دو، پنجاب تین۔

اس دستوری ترامیم کے علاوہ تین سفارشات بھی آئیں۔ پہلی سفارش یہ تھی، تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف میں حسب ذیل تشریح درج کی جائے:

کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ ۲۶۰ شق نمبر ۳ کی تصریحات کے مطابق محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے خلاف عقیدہ رکھے یا عمل اور تبلیغ کرے۔ وہ دفعہ ہذا کے مطابق مستوجب سزا ہوگا۔

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی آئینی ترامیم کے حق میں ایک سو تیں ووٹ آئے جبکہ مخالفت ایک ووٹ بھی نہ ڈالا گیا اس طرح ۷۔ستمبر ۱۹۷۴ء کو ۴ بجے کر ۳۵ منٹ وزیر اعظم نے مجلس عمل کے نمائندوں کے تجویز کردہ مسودہ پر دستخط کرکے وہ تاریخ ساز فیصلہ کیا جس کی رو سے مرزائیت کی دونوں شاخیں (قادیانی اور لاہوری) دائرہ اسلام سے خارج ہوگئیں اور پھر پارلیمنٹ کا اجلاس بلا کر اس مسودہ کو آئینی شکل دے دی گئی۔ پارلیمنٹ کے آئین سازی کے اس عمل کی خبر جب ذرائع ابلاغ سے نشر کی گئی تو مرزائیوں کے ہیڈ کوارٹر ربوہ میں صف ماتم بچھ گئی جبکہ دوسری طرف پاکستان سمیت پورے عالم اسلام میں خوشی اور مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔

مولانا مفتی محمود تو اپنے نظریے اور عہد پر پکے اور مسلسل کوشش کے ساتھ گیارہ سال کے بعد ۱۹۷۳ء میں دستور کو اسلامی بنانے میں کامیاب ہوگئے تھے اس طرح کہ جب وہ ۱۹۶۲ء میں دستور کو اسلامی بنانے کی کوشش کا اعلان کر رہے تھے تو وہ قومی اسمبلی کے صرف ممبر تھے لیکن جب اس کے ٹھیک گیارہ سال بعد ۱۹۷۳ء میں دستور ساز اسمبلی نے ملک کے مستقل دستور کی بنیادوں میں اسلام کو سرکاری مذہب قرار دینے کے ساتھ ساتھ ملک میں مکمل اسلامی قوانین و احکام کے عملی نفاذ اور قرآن وسنت کے منافی قوانین کو بتدریج ختم کرنے کی ضمانت کو شامل کر رہی تھی تو یہی مولانا مفتی محمود دستور ساز اسمبلی میں حزب اختلاف کی قیادت کر رہے تھے اور دستور کی منظوری میں ''کاسٹنگ پاور'' ان کے ہاتھ میں تھی۔ یہ ایک نظریاتی رہنما کا عہد تھا جو اپنے وعدے پر پکار ہا اور بالآخر اسے پورا کر دکھایا۔

حضرت مولانا شاہ احمد نورانیؒ (۱۹۲۶ تا دسمبر ۲۰۰۳)

آپ کا نام شاہ احمد تھا آپ اپریل ۱۹۲۶ء میں یوپی کے ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ الہ آباد یونیورسٹی سے فاضل عربی کیا۔ دار العلوم اسلامیہ عربیہ میرٹھ سے درس نظامی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۷۰ کے الیکشن میں کراچی سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ آپ نے اپنی ۳۵ سالہ سیاسی زندگی میں ہمیشہ ملی وحدت قرآن وسنت کے نفاذ پر مبنی قوانین اور پاکستان کے وقار کو پیش نظر رکھ کر جدوجہد کی۔

''۳۰۔جنوری ۱۹۷۲ء کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر خطاب کرتے ہوئے مولانا نورانی نے حکومت پر الزام عائد کیا کہ اس نے طے شدہ آئینی سمجھوتے کی خلاف ورزی کی ہے۔ آئینی کمیٹی نے متفقہ طور پر یہ شق تجویز کی تھی کہ قرآن

کے اصولوں (Principels of Policy) کے زمرے میں رکھا گیا جو کہ بعید از انصاف امر تھا۔ اس کے علاوہ آئینی مسودے میں اس قسم کی کوئی ضمانت نہیں دی گئی تھی کہ تمام قوانین قرآن وسنت کی روشنی میں مرتب کیے جائیں گے"۔ (۱)

"۱۹۷۳ء کے آئین کی دستور سازی کے مرحلہ میں آپ نے آئین میں اسلامی دفعات اور توہین رسالت پر سزاؤں کی شمولیت کے لئے بھرپور کردار ادا کیا۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے آپ نے اسمبلی کے فلور پر قرارداد پیش کی جس پر حکومت وقت نے آپ کو اس عمل سے روکنے کی بھرپور کوشش کی لیکن حکومت کا ہر حربہ ناکام رہا۔ آپ نے مسلمان کی تعریف میں نبی ﷺ کو آخری نبی ماننے کو شامل کرنے کے لئے بھرپور کردار ادا کیا۔ جمعۃ المبارک کی چھٹی اور شراب پر پابندی کے لئے دیگر علماء کرام کے ہمراہ پارلیمنٹ کے فورم پر بھرپور جدوجہد کی جو بالآخر کامیاب ہوئی۔ لفظ مسلمان کی تعریف کو آئین میں شامل کرنا بھی آپ کا اہم کارنامہ ہے"۔ (۲)

"۱۹۷۳ء کے آئین کی تشکیل اور ترامیم کے حوالے سے مولانا نورانی کی کاوشیں سنہری حروف سے لکھی جانے کے قابل ہیں۔ انہوں نے آئین کو اسلامی جمہوری اور پالیمانی بنانے کے لئے ۲۰۰ سے زائد ترامیم پیش کیں۔ وزیر اعظم اور صدر کے لئے مسلمان ہونے کی شرط کو لازمی قرار دیا گیا۔ بلوچستان سے میر غوث بخش بزنجو اور صوبہ سرحد سے خان عبدالولی خان جیسے قد آور سیکولر لیڈر قومی اسمبلی میں موجود تھے اور پھر بھٹو کی پیپلز پارٹی جو سوشلزم کے روٹی، کپڑے اور مکان کے نعرے پر اکثریت حاصل کر کے حکمران جماعت بن چکی تھی۔ اس کے بعد جب پارلیمنٹ میں ملک کے وزیر اعظم کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو ذوالفقار علی بھٹو کے مقابلے پر امیدوار بنے کا بھاری پتھر بھی مولانا نورانی نے ہی اٹھایا اور بھٹو کی بلا مقابلہ وزیر اعظم منتخب ہونے کی زبردست خواہش کو پورا نہ ہونے دیا۔ قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم قرار دلانے کے لئے مولانا نورانی نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی قرارداد بھی مولانا نورانی نے ہی پیش کی اور اسے منظور بھی کرا لیا۔ اس تحریک میں مولانا شاہ محمد نورانی کے ساتھ ان کی جماعت کے تین ارکان حضرت مولانا محمد ذاکر محمدی شریف (جھنگ) شیخ الحدیث مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری اور مولانا سید محمد علی رضوی نے بھرپور کردار ادا کیا۔ اس وقت قومی اسمبلی میں جمعیت علماء پاکستان کی یہی پارلیمانی پارٹی تھی"۔ (۳)

سانحہ ربوہ:

"۲۹۔ مئی کو چناب نگر ریلوے اسٹیشن پر نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء پر آہنی سلاخوں، لوہے کے تاروں سے بنائے ہوئے کوڑوں، آہنی پنجوں سے قادیانی غنڈوں نے ان طلباء کو مارا پیٹا اور زخمی کیا جن کا قصور صرف یہ تھا کہ

۱۔ مظہر حسین، پاکستان کے سیاسی اتحادوں میں مولانا شاہ احمد نورانی کا کردار۔ انٹرنیشنل غوثیہ فورم انوارِ رضا لائبریری۔ بلاک نمبر ۴، جوہر آباد۔ ضلع خوشاب۔ ص ۸۲
۲۔ سعیدی، غلام رسول، مقالات سعیدی، فرید بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار لاہور۔ جون ۲۰۰۵۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸
۳۔ قادری محبوب الرسول، ملک، انوار رضا (مجلّہ)۔ انوار رضا لائبریری۔ بلاک نمبر ۴، جوہر آباد ضلع خوشاب۔ ۱۸ جوری ۲۰۰۴۔ ص ۲۵۱۔ ۲۵۲

اترے تو قادیانیوں نے ان کو اپنے کفریہ عقائد پر مبنی لٹریچر دیا، اس زمانہ میں قادیانیوں کا معمول تھا کہ وہ چناب نگر سے گزرنے والی تمام ٹرینوں کے مسافروں میں اپنا کفریہ لٹریچر تقسیم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حسب معمول جب انہوں نے ان طلباء میں لٹریچر تقسیم کیا تو مسلمان طلباء بپھر گئے، انہوں نے ختم نبوت زندہ باد، مرزائیت مردہ باد کے نعرے لگائے۔ مسلمان طلباء کی اس جرأت رندانہ نے قادیانیوں کے ہوش وحواس اڑا دیئے۔ قادیانیوں کے سینے میں انتقام کی آگ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ ایک ہفتہ بعد جب یہ طلباء چناب ایکسپریس کے ذریعے چناب نگر (ربوہ) پہنچے تو اسٹیشن پر پہلے سے موجود قادیانی غنڈوں نے آنجہانی مرزا طاہر کی قیادت میں طلباء کے ڈبے کو ہر طرف سے گھیر لیا اور ڈبے کے اندر گھس کر بڑی بے دردی سے طلباء کو مارا پیٹا اور زخمی کیا، طلباء لہولہان ہوگئے، ان کے کپڑے پھٹ گئے، ان کے جسم زخموں سے چور ہوگئے، قادیانی غنڈوں نے ان کا سامان بھی لوٹ لیا''۔ (۱)

جماعت اسلامی اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی مہم

۳۱۔ مئی ۱۹۷۴ء کو جماعت اسلامی کے پارلیمانی لیڈر پروفیسر غفور احمد نے قومی اسمبلی میں سانحہ ربوہ کے بارے میں ایک تحریک التوا پیش کی ۔۳۔ جون ۱۹۷۴ء کو جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، جماعت اہلحدیث، مجلس احرار، خاکسار تحریک، جماعت اسلامی پاکستان، پاکستان جمہوری پارٹی اور مسلم لیگ کے نمائندوں کا ایک اجلاس ہوا۔ اس میں مطالبہ کیا گیا کہ آئین اسلام کے ذریعہ مطالبہ کے مطابق قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ ۹۔ جون کو ملک کی ۱۸ دینی وسیاسی جماعتوں کے اکابرین نے ''آل پاکستان مجلس عمل تحفظ ختم نبوت'' قائم کرنے کا اعلان کیا۔ جماعت اسلامی کی طرف سے پروفیسر غفور احمد اور چوہدری غلام جیلانی مجلس کے نمائندے نامزد کیے گئے۔ مولانا محمد یوسف بنوری مجلس کے کنوینئر مقرر کیے گئے۔ ۹۔۱۰ جون ۱۹۷۴ء کو متحدہ جمہوری محاذ نے اپنے اجلاس لاہور میں سانحہ ربوہ کے خلاف ایک قرارداد منظور کی۔ ۱۴۔ جون کو اس سلسلے میں ایک ملک گیر ہڑتال ہوئی۔

سانحہ ربوہ پر حکومت نے ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کیا۔ جماعت اسلامی نے کمیشن کے سامنے ایک مفصل بیان پیش کیا کہ ہر دور کے قادیانی اسلام دشمن طاقتوں کے ایجنٹ اور دائرہ اسلام سے خارج ایک سازشی گروہ ہیں۔ جماعت اسلامی نے بری، فضائی اور بحری فوج میں کلیدی آسامیوں پر موجود قادیانی افسران کا انکشاف کیا۔

یکم جولائی ۱۹۷۴ء کو اسمبلی میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی تحریک پیش ہونے کے بعد پریس پر سنسر لگا دیا گیا۔ حکومت نے یہ دلیل پیش کی کہ اس کا مقصد اسمبلی کمیٹی کو قادیانی مسئلہ پر آزادانہ غور وفکر کا موقع دینا تھا۔ یہ ملک کی پارلیمانی تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ قومی اسمبلی کے پورے ایوان کو خصوصی کمیٹی میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور اس کی پوری کارروائی کو صیغہ راز میں رکھنے کا فیصلہ ہوا تھا۔ [illegible] خاکسار اور چودھری رحمت الٰہی سیکرٹری جنرل جماعت اسلامی پاکستان نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا:

۱۔ ختم نبوت، ہفت روزہ۔ (تونسوی نذیر احمد، مولانا، ماہ ستمبر اور تاریخ ختم نبوت)۔ جلد ۲۲۔ شمارہ نمبر ۱۷۔ ۱۹ تا ۲۵ ستمبر ۲۰۰۳

مسئلہ کو عوام کی آرزوؤں کے مطابق نہیں بلکہ کسی اور طریقے سے نمٹانا چاہتی ہے لیکن حکمرانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اس طرح سے بند باندھ کر رائے عامہ کے سیلاب کو زیادہ عرصہ تک نہیں روک سکتے"۔ (۱)

یکم ستمبر ۱۹۷۴ء کو بادشاہی مسجد لاہور کے جمہوری مجلس عمل کے ایک جلسہ عام میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"حضور ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا ہر شخص جھوٹا ہے، کافر ہے اور اس پر ایمان لانے والا بھی کافر ہے۔ حتیٰ کہ ایسے مدعی سے اس کی نبوت کی دلیل پوچھنا بھی کفر ہے"۔ (۲)

اسی جلسہ عام میں مولانا مودودیؒ نے پاکستان کے دستور کی دفعہ نمبر ۲ میں دو شقوں کے اضافے کا مطالبہ کیا:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی توحید، تمام انبیاء کے بعد محمد ﷺ کو آخری نبی ماننا، تمام کتب الٰہیہ کے بعد قرآن کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب تسلیم کرنا اور آخرت پر ایمان رکھنا اسلام کے لازمی بنیادی عقائد ہیں جس میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔

۲۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد جو شخص نبی ہونے کے دعویٰ کرے اور ایسے مدعی کو جو شخص اپنا مذہبی پیشوا مانے وہ کافر ہے اور خارج از اسلام ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ مدعی اپنے آپ کو اس کا پیرو، یا امتی یا غیر تشریعی نبی کہے یا مسیح موعود، مجدد، محدث وغیرہ ناموں سے پکارے۔

سید مودودیؒ نے جلسہ عام میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ:

"حکومت اپنے تمام ملازمین سے ایک ڈیکلریشن فارم پر کرائے کہ وہ مرزا غلام احمد کا اپنا نبی مانتے ہیں یا نہیں۔ رائے دہندوں کی فہرست اور مردم شماری میں پیروکار مرزا غلام احمد کا الگ خانہ رکھا جائے۔ ان کے شناختی کارڈوں اور پارسپورٹوں پر ان کے مذہب کی تصریح کی جائے۔ ان کے علاوہ مولانا نے ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے اور مسلمانوں کو جائیداد حاصل کرنے اور وہاں کاروبار کرنے کے پورے مواقع دینے کا بھی مطالبہ کیا"۔

پاکستان کی قومی اسمبلی کا تاریخ ساز فیصلہ

"مجلس عمل تحریک ختم نبوت" کے پارلیمانی رہنماؤں نے ذیل کا خط اپنے دستخطوں سے سپیکر کو لکھا:

جناب سپیکر صاحب، قومی اسمبلی، پاکستان۔

جناب مکرم، ہم درج ذیل تحریک پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں:

"ہرگاہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے بعد اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور یہ کہ جھوٹ پر مبنی اس کا دعویٰ نبوت، قرآن کریم کی بے شمار آیات کو (نعوذ باللہ) جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش اور ترکِ جہاد کی تلقین اسلام کے اہم اور بنیادی ارکان سے اس کی کھلی غداری کے مترادف ہے، مسلمانوں کے اتحادِ ملی کو تباہ کرنے اور اسلام کو ایک جھوٹا مذہب ثابت کرنے کی کھلی سازش تھی۔ تمام امتِ مسلمہ کا اس امر میں

۱۔ طفیل محمد میاں، جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ ملتان روڈ، لاہور۔ ص ۲۵۰۔۲۵۱

۲۔ طفیل محمد میاں، جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد ایضاً۔ ص ۲۵۱، ۲۵۲

مذہبی رہنما مانتے ہیں، دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور یہ کہ مکہ مکرمہ کے مقدس شہر میں ۶، سے ۱۰ اپریل تک رابطہ عالمِ اسلامی کے تحت منعقدہ دنیائے اسلام کی مختلف تنظیموں کے اجلاس نے (جس میں دنیا کے ہر حصہ سے ... مسلمان، تنظیموں اور اداروں نے شرکت کی) متفقہ طور پر تسلیم کیا کہ قادیانیت اسلام اور دنیائے اسلام کے خلاف یکسر تخریبی تحریک ہے جو کذب بیانی اور فریب دہی سے اپنے آپ کو اسلام ہی کا ایک فرقہ ظاہر کرتی ہے۔ لہذا ... اسمبلی اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار (خواہ وہ کوئی سا نام بھی رکھتے ہوں) مسلمان نہیں اور یہ کہ قومی اسمبلی میں سرکاری طور پر ایک بل پیش کیا جائے جس سے آئین میں مناسب ترمیم ہو۔ تاکہ اس ترمیم کی رو سے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بطور غیر مسلم اقلیت اپنے حقوق و مفادات کا تحفظ حاصل ہو۔ (۱)

دستخط کنندگان

۱۔	مولانا مفتی محمود	۲۔	پروفیسر غفور احمد	۳۔	مولانا شاہ احمد نورانی
۴۔	پروفیسر غفور احمد	۵۔	مولانا سید محمد علی رضوی	۶۔	مولانا عبد الحق اکوڑہ خٹک
۷۔	چوہدری ظہور الٰہی	۸۔	سردار شیر باز خان مزاری	۹۔	مولانا ظفر احمد انصاری
۱۰۔	مسٹر عبد الحمید جتوئی	۱۱۔	صاحبزادہ احمد رضا خاں قصوری	۱۲۔	مسٹر محمود اعظم فاروقی
۱۳۔	مولانا صدر الشہید	۱۴۔	مولانا نعمت اللہ	۱۵۔	مسٹر عمر خاں
۱۶۔	مخدوم نور محمد	۱۷۔	مسٹر غلام فاروق	۱۸۔	مسٹر مولانا محمد بخش سومرو
۱۹۔	سردار شوکت حیات خاں	۲۰۔	مسٹر علی احمد تالپور	۲۱۔	راؤ خورشید علی خاں
۲۲۔	رئیس عطا محمد خاں				

"مندرجہ بالا تحریک کی بنیادوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے افہام و تفہیم کی مختلف مراحل بے کرنے کے بعد پیرزادہ عبد الحفیظ وزیر قانون نے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کے کل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی متفقہ طور پر طے کرتی ہے کہ حسب ذیل سفارشات قومی اسمبلی کو غور اور منظوری کے لئے بھیجی جائیں۔" (۲)

کُل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی اپنی رہنما کمیٹی اور ذیلی کمیٹی کی طرف سے اس کے سامنے پیش کردہ قومی اسمبلی کی طرف سے اس کو بھیجی گئی قراردادوں پر غور کرنے اور دستاویزات کا مطالعہ کرنے اور گواہوں بشمول سربراہانِ انجمن احمدیہ ربوہ اور انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور کی شہادتوں اور جرح پر غور کرنے کے بعد متفقہ طور پر قومی اسمبلی کو حسب ذیل سفارشات پیش کرتی ہے:

"(الف) کہ پاکستان کے آئین میں حسب ذیل ترمیم کی جائے۔

(اول) دفعہ ۱۰۶ (۳) میں قادیانی جماعت اور لاہور جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کا

۱۔ ارشد، عبد الرشید، ڈاکٹر، بیس مردان حق، مکتبہ رشیدیہ۔ ۲۵ لوئر مال، لاہور۔ ص ۴۱۷، ۴۱۸

۲۔ ارشد، عبد الرشید، ڈاکٹر، بیس مردان حق، ایضاً۔ ص ۴۱۸

(دوم) دفعہ ۲۶۰ میں ایک نئی شق کے ذریعے غیر مسلم کی تعریف کی جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔مذکورہ بالا سفارشات کے نفاذ کے لئے خصوصی کمیٹی کی طرف سے متفقہ طور پر منظور شدہ مسودہ قانون منسلک ہے۔

(ب) کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ کی شق (۳) کی تصریحات کے مطابق محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے خلاف عقیدہ رکھے یا عمل کرے، وہ دفعہ ہذا کے تحت مستوجب سزا ہوگا۔

(ج) کہ متفقہ قوانین مثلاً قومی رجسٹریشن ایکٹ، ۱۹۷۳ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد ۱۹۷۴ء میں منتج قانونی اور ضابطہ کی ترمیمات کی جائیں۔

(د) کہ پاکستان کے تمام شہریوں، خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں، کے جان و مال، آزادی، عزت اور بنیادی حقوق کا پوری طرح تحفظ اور دفاع کیا جائے گا، اور ان سفارشات کی اساس پر ذیل کا بل پیش ہوا''۔ (۱)

حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے:

۱۔ مختصر عنوان اور آغاز نفاذ:

(۱) یہ ایکٹ آئین (ترمیم دوم) ایکٹ ۱۹۷۴ء کہلائے گا۔

(۲)۔ یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

۲۔ آئین کی دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم:

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں جسے بعد ازاں آئین کہا جائے گا۔ دفعہ ۱۰۶ کی شقِ (۳) میں لفظ فرقوں کے بعد الفاظ اور قوسین ''اور قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) درج کئے جائیں گے۔

۳۔ آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں ترمیم

آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں شقِ (۲) کے بعد حسبِ ذیل نئی شق درج کی جائے گی۔ یعنی: (۳) جو شخص محمد ﷺ جو آخری نبی ہیں، خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد ﷺ کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے وہ قرآن وسنت اور پاکستان کے آئین وقانون کی رو سے مسلمان نہیں ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں ترمیم کا مقصد یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد ﷺ کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے اسے غیر مسلم قرار دیا جائے۔

۱۔ ارشد، عبدالرشید، ڈاکٹر، بیس مردان حق، ایضاً، ص ۴۱۸، ۴۱۹

پاکستان میں تشکیل پانے والے تین دساتیر اسلامی خصوصیات کے حامل رہے ہیں۔ دستور سازی کے عمل کا آغاز ہوا تو ۱۹۴۹ء میں وزیراعظم لیاقت علی خان نے قرارداد مقاصد منظور کروا کے اسلامی نظام کی بنیاد رکھ دی۔ ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء کے دساتیر میں مملکت کی اسلامی نوعیت کو تسلیم کیا گیا۔ ۱۹۷۳ء کا دستور مزید پیش رفت کا باعث بنا اسلامی روح کے حوالے سے موجودہ دستور پہلے دونوں دساتیر سے زیادہ اسلامی ہے۔

۱۹۷۳ء کے دستور کی اہم اسلامی دفعات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ دستور کا ٹائٹل

۱۹۷۳ء کے دستور کا نام ''دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان'' رکھا گیا جو اس امر کی واضح غمازی کرتا ہے کہ یہ ایک اسلامی مملکت کا دستور ہے اور یہاں سب سے اہم قوت نیز دستور کی بنیاد اسلام ہی ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ پاکستان کو مذہبی ریاست کا درجہ نہیں دیا گیا۔ اس کی ہیئت ویٹی کن سٹی سے بالکل مختلف ہے۔ پاکستان میں مخصوص مذہب کے رہنماؤں کی اجارہ داری کے لئے کوئی گنجائش پیدا نہیں کی گئی۔ اسلام تھیوکریسی کو تسلیم نہیں کرتا یہ پیشوائیت، یا پاپائیت کے انداز کا دستور نہیں ہے۔ اختیارات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی مرضی سے ان کا استعمال عوام کرتے ہیں نہ کہ مذہبی پیشوا۔ پاکستان کا دستور اسلامی تعلیمات، خیالات اور اصولوں پر مشتمل کیا گیا ہے اور یہاں عوام کی آراء کے مطابق جمہوری انداز میں حکومت کی تشکیل کا بندوبست کیا گیا ہے جو قرآن پاک اور سنت رسول ﷺ پر مبنی نظام کو چلانے کی ذمہ دار ہے، دستور کے مطابق پاکستان کو مملکت خداداد تسلیم کرتے ہوئے اسلام کے لئے ایک تجربہ گاہ کا درجہ دیا گیا۔

قرارداد مقاصد

۱۹۴۹ء میں پہلی دستور ساز اسمبلی نے ایک قرارداد ''قراردادِ مقاصد'' کے نام سے منظور کی تھی جس میں پاکستان کے قیام اور مستقبل کے دستور کے مقاصد کا حتمی خاکہ ترتیب دیا گیا تھا۔ یہ قرارداد اسلامی سوچ کی غماز ہے۔ ۱۹۷۳ء کا دستور بنا تو قرارداد مقاصد کو دستور کے افتتاحیہ کا درجہ دیا گیا۔ بعد ازاں دستور میں پہلی ترمیم کے ذریعے قرارداد مقاصد کو باقاعدہ دستور کا حصہ بنا دیا گیا۔ قرارداد مقاصد دستور کی اسلامی روح کو پوری طرح ثابت کرتی ہے۔

نظریہ پاکستان کا تحفظ

دستور میں نظریہ پاکستان کے تحفظ کی ضمانت صدر، وزیراعظم، وزراء ارکان پارلیمنٹ، گورنر اور کئی دوسرے عہدے داروں سے مخصوص الفاظ میں حلف اٹھوا کر لی جاتی ہے۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ نظریہ پاکستان کا دفاع کریں گے۔ نظریہ پاکستان درحقیقت نظریہ اسلام ہی ہے کیونکہ پاکستان کی اساس اسلام ہے۔ نظریہ پاکستان کا تحفظ پاکستان میں اسلامی روح کا تحفظ ہے۔

اسلام کو ۱۹۷۳ء کے دستور میں سرکاری مذہب کا درجہ دیا گیا ہے۔۱۹۶۲ء اور ۱۹۵۶ء کے دساتیر میں یہ شق شامل نہیں تھی۔اب اسلامی نظام کے فروغ اور ترویج کی ذمہ داری حکومت پاکستان پر عائد کی گئی ہے۔اس کا یہ بھی فرض ہے کہ پاکستان میں اسلام کے منافی اقدامات کو سختی سے ختم کردے۔پاکستان میں حکومت نے اسلامی انداز اپنانے کے لئے متعدد اقدام اٹھائے ہیں۔مثلاً اسلامیات کو بطور مضمون گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ سطح تک لازمی قرار دیا گیا ہے نیز ذرائع ابلاغ سے اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے مدد لی جارہی ہے۔

خدا تعالیٰ کی حاکمیت

دستور صرف اور صرف خدائے بزرگ و برتر کے اقتدار کو تسلیم کرتا ہے۔اسی ذات کو تمام اختیارات اور قوتوں کا سرچشمہ مانا گیا ہے۔حاکمیت اعلیٰ کا مالک وہی ہے۔البتہ اس کی مرضی کے مطابق حاکمیت اعلیٰ کا استعمال پاکستانی عوام کی ذمہ داری ہے۔خدا تعالیٰ کی منشا کا علم قرآن پاک اور احادیث نبوی ﷺ سے حاصل ہوتا ہے۔عوام اس عظیم ذات کے احکامات کی پابند ہے اور جو اختیارات وہ استعمال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ان کے پاس امانت ہیں۔

مسلمان کی تعریف

دستور میں مسلمان کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ مسلمان وہ فرد ہے جو خدائے بزرگ و برتر کی وحدت کو تسلیم کرتا ہے اور اس کے سوا کسی کو عبادت کے لائق نہیں سمجھتا، نیز رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا آخری پیغمبر مانتا ہے اور عقیدہ رکھتا ہے کہ ان کے بعد کوئی پیغمبر نبی یا مصلح نہیں آئے گا۔نیز تمام انبیاء آسمانی صحیفوں اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔

مسلمان کی تعریف دستور میں شامل کرکے دستور سازوں نے احمدی یا قادیانی فرقہ کے متعلق عوام کو مسلمان ماننے سے انکار کر دیا گیا۔۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء کے دساتیر میں احمدیوں یا قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیئے جانے کے متعلق کوئی شق شامل نہیں تھی۔۱۹۷۳ء کے دستور کے خالقوں کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ انہوں نے اتنا بڑا فیصلہ دستور کا حصہ بنا دیا۔

صدر اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا

دستور کے تحت صدر مملکت اور وزیر اعظم دونوں کے لئے مسلمان ہونا لازم ہے۔دونوں عہدوں پر فائز ہونے سے پہلے متعلقہ افراد کو حلف اٹھانا پڑتا ہے کہ وہ دستور میں دی گئی مسلمان کی تعریف کے مطابق پورے اترتے ہیں۔۱۹۵۶ء کے دستور میں صرف صدر کے لئے مسلمان ہونا ضروری تھا۔وزیر اعظم غیر مسلم بھی ہوسکتا تھا۔

دستور ۱۹۷۳ء میں صدر اور وزیر اعظم کے لئے مسلمان ہونے کی شرط ضروری ہے کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت قرار دیا ہے یوں بھی اگر یہ شرط دستور کا حصہ نہ بنتی تو کسی غیر مسلم کا دونوں میں سے کسی بھی اعلیٰ عہدے پر فائز ہونا قریب قریب ناممکن تھا کیونکہ پاکستان کی آبادی کا بہت بڑا حصہ مذہب اسلام سے وابستہ ہے۔یوں یہ شق شامل کرکے عوام کی بہت بڑی اکثریت کی امنگوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

(آرٹیکل ۴۲)

حلف نامہ برائے صدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں (نام)..................................بہ صمیم قلب حلف اٹھاتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور وحدانیت اور اللہ رب العزت کے ایک ہونے، کتابِ الٰہی قرآن پاک جن میں آخری، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت، کہ جن کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا، روز قیامت اور قرآن وسنت کی تمام تعلیمات پر ایمان رکھتا ہوں۔

کہ میں اخلاص سے پاکستان کا حامی اور وفادار رہوں گا۔

کہ بحیثیت صدر پاکستان، میں اپنے فرائض اور کارہائے منصبی دیانتداری سے اپنی حتی المقدور صلاحیت اور وفاداری کے ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان اور قانون کے مطابق اور ہمیشہ پاکستان کے اقتدارِ اعلیٰ، سالمیت، استحکام، بہتری اور خوشحالی کیلئے انجام دوں گا۔

کہ میں اسلامی نظریہ، جو قیام پاکستان کی بنیاد ہے، کے تحفظ کیلئے کوشاں رہوں گا۔

کہ میں اپنے نجی مفاد کو اپنے سرکاری کاموں یا سرکاری فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہونے دوں گا۔

کہ میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کو برقرار رکھوں گا اور اس کا تحفظ اور دفاع کروں گا۔

کہ میں تمام حالات میں لوگوں کے ساتھ بلا خوف ورعائت اور بلا رغبت وعناد قانون کے مطابق انصاف کروں گا۔

اور یہ کہ میں بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی شخص کو کوئی ایسی اطلاع نہیں دوں گا یا اس پر ظاہر کروں گا جو بحیثیت صدر پاکستان میرے سامنے غور کیلئے پیش کی جائے گی ماسوائے اس کے کہ بحیثیت صدر اپنے فرائض کی کماحقہ انجام دہی میں ایسا کرنا ناگزیر ہو۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ میری مدد اور رہنمائی فرمائے (آمین)

دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۹۷۳ء

(آرٹیکل (۲)۹۲)

حلف نامہ برائے وزیر اعظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں (نام)..................................بہ صمیم قلب حلف اٹھاتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور وحدانیت اور اللہ رب العزت کے ایک ہونے، کتاب الٰہی قرآن پاک جن میں آخری، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کہ جن کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا، روز قیامت اور قرآن وسنت کی تمام تعلیمات پر ایمان رکھتا ہوں۔

کہ بحیثیت وزیر اعظم پاکستان، میں اپنے فرائض اور کارہائے منصبی، دیانتداری سے اپنی حتی المقدور صلاحیت اور وفاداری کے ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان اور قانون کیمطابق اور ہمیشہ پاکستان کے اقتدار اعلیٰ، سالمیت، استحکام، بہتری اور خوشحالی کیلئے انجام دوں گا۔

کہ میں اسلامی نظریہ، جو قیام پاکستان کی بنیاد ہے، کے تحفظ کیلئے کوشاں رہوں گا۔

کہ میں اپنے نجی مفاد کو اپنے سرکاری کاموں یا سرکاری فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہونے دوں گا۔

کہ میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کو برقرار رکھوں گا اور اس کا تحفظ اور دفاع کروں گا۔

کہ میں تمام حالات میں لوگوں کے ساتھ بلا خوف و رعائت اور بلا رغبت و عناد قانون کے مطابق انصاف کروں گا۔

اور یہ کہ میں بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی شخص کو کوئی ایسی اطلاع نہیں دوں گا یا اس پر ظاہر کروں گا جو بحیثیت وزیر اعظم پاکستان میرے سامنے غور کیلئے پیش کی جائے گی، ماسوائے اس کے کہ بحیثیت وزیر اعظم اپنے فرائض کی کماحقہ انجام دہی میں ایسا کرنا ضروری ہو۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ میری مدد اور رہنمائی فرمائے (آمین)

اسلامی قوانین کی تشکیل

دستور میں فیصلہ کیا گیا کہ پاکستان میں قانون کا مکمل ڈھانچہ اسلامی قوانین کی روشنی میں ڈھالا جائے گا موجودہ قوانین کو قرآن وسنت نبوی ﷺ اور احادیث مبارکہ کے مطابق بدل دیا جائے گا اور آئندہ تمام قانون سازی اسلامی اصولوں کے مطابق کی جائے گی۔ دستور میں قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے نو سال کی مدت مقرر کی گئی۔

قانون سازی کے حوالے سے اقلیتوں کے متعلق یہ بات واضح کر دی گئی کہ غیر مسلموں کے لئے ان کا پرسنل لاء قائم رہے گا اور انہیں اپنے مذہبی و معاشرتی امور میں اسلامی قوانین کی بجائے پرسنل قوانین پر عمل کرنا ہوگا۔

اسلامی معاشرہ کا قیام

پاکستان میں اسلامی معاشرہ کے قیام کی کوششوں کو فروغ ملے گا اور ایسے اقدام اٹھائے جائیں گے کہ اسلامی انداز نمایاں طور پر ابھر سکے گا۔

۱۔ عصمت فروشی، جوا اور گھوڑ دوڑ پر پابندی لگا دی جائے گی۔

۲۔ اخلاق کے منافی لٹریچر کی اشاعت، تقسیم اور فروخت ممنوع ہوگی۔

۳۔ نشہ آور اشیاء مثلاً شراب، چرس وغیرہ کا استعمال ممنوع قرار پائے گا۔ شراب کا استعمال غیر مسلموں کے لئے خصوصی دنوں یا تہوار کے موقع پر ممنوع نہیں ہوگا۔

دستور میں آئین کی دفعہ ۲۲۸ کے تحت ایک مخصوص کونسل قائم کی گئی جس کی ذمہ داری ہے کہ ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے تحقیق کرنے کے بعد اپنی سفارشات حکومت کو پیش کرے۔ یہ کونسل ایک چیئرمین اور چند دوسرے ارکان پر مشتمل ہے۔ ان کی تعداد ۸ سے ۱۵ تک ہو سکتی ہے۔ کونسل کے ارکان میں ایک خاتون ہوتی ہے۔ ارکان اسلامی قوانین اور معاشرتی علوم کے ماہرین میں سے چنے جاتے ہیں۔ کم از کم ایسے ارکان لئے جاتے ہیں جو سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے جج رہ چکے ہوں اور اور کم از کم چار ایسے ہوں جو اسلامی قوانین کے بارے میں تحقیق کا چار سالہ تجربہ رکھتے ہوں۔ کونسل کی تشکیل صدر مملکت کے حکم کے تحت ہوتی ہے۔ تمام ارکان کی معیاد تین سال رکھی گئی۔ کوئی رکن معیاد پوری کرنے سے پہلے ریٹائر ہو سکتا ہے۔ کس رکن کو عہدے سے ہٹانے کا اختیار صدر یا کسی اور عہدیدار کو نہیں ہے۔ البتہ اگر کونسل کے اپنے ممبران کی اکثریت کسی رکن کے خلاف قرارداد منظور کر لے تو اسے عہدے سے برطرف کر دیا جاتا ہے۔

اقلیتوں کے حقوق

دستور ۱۹۷۳ء تشکیل پایا تو اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا بندوبست کیا گیا اور دستور میں متعدد شقیں اس حوالے سے شامل کی گئیں۔

سود کا خاتمہ

پاکستان کے بینکاری نظام اور عام کاروبار میں سود کا لین دین بتدریج ختم کر دیا جائے گا۔ حکومت سود کے خاتمہ کے لئے مناسب اقدام اٹھائے گی۔

انفرادی و اجتماعی زندگی

حکومت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کے اصولوں کے مطابق گزارنے کے لئے مناسب مواقع فراہم کرے گی۔ قرآن پاک اور احادیث نبوی ﷺ سے مسلمانوں کو بہرہ ور کرنے کے لئے مناسب فیصلے کیے جائیں تاکہ مسلم آبادی صحیح اسلامی معاشرہ میں سانس لے سکے۔

اسلامی اقدار

اسلام جمہوریت رواداری، معاشرتی انصاف اور جمہوریت پر یقین رکھتا ہے۔ دستور کے تحت ان اقدار کے فروغ کا سامان کیا جائے گا۔ اور مثالی مملکت کے قیام کے لئے ان قدروں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

قرآن پاک کی طباعت

قرآن پاک کو غلطیوں سے پاک کر کے طبع کروانا حکومت کا فرض ہوگا۔ حکومت اس امر کا بندوبست کرے گی کہ قرآن پاک

مسلمانوں تک پہنچنے والے نسخے غلطیوں سے مبرا ہوں۔

اسلامی تعلیم

نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لئے حکومت مناسب بندوبست کرے گی۔حکومت نے ڈگری لیول تک اعلیٰ سطح کی ہر تعلیم کے لئے اسلامیات کا مضمون لازمی قرار دے دیا ہے۔اسی طرح عربی زبان کی تعلیم کے لئے متعدد اقدام اٹھائے گئے ہیں قرآن پاک کی تدریس کا انتظام حکومتی سطح پر کیا جائے گا اور ابلاغ عامہ کے ذرائع کو اس مقصد کے لئے استعمال میں لایا جائے گا۔

اوقاف اور زکوٰۃ

دستور نے پابند کیا ہے کہ حکومت پاکستان ملک میں اوقاف اور زکوٰۃ کا ایک باقاعدہ نظام نافذ کرے گی اور ان ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدن کو اسلام کے فروغ اور دینی تعلیم کے اجراء کے لئے صرف کیا جائے گا۔

اسلامی ممالک سے روابط

دستور میں پالیسی کے اصول حکومت کی راہنمائی کے لئے درج کئے گئے ہیں۔ایک یہ ہے کہ حکومت پاکستان دنیا بھر کے مسلم ممالک سے قریبی دوستانہ تعلقات قائم کرے گی اور دنیا کے اتحاد کے لئے کوشاں رہے گی۔اس اقدام سے اسلامی دنیا میں اسلامی نظریہ حیات کی قوت میں اضافہ ہوگا۔

دولت کی منصفانہ تقسیم

اسلام میں عدل وانصاف کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔معاشی ناانصافیوں کو اسلام پسند نہیں کرتا اور نہ دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز دیکھنا چاہتا ہے۔دستور پاکستان میں حکومت کے لئے لازم کیا گیا ہے کہ وہ معاشی ناہمواریوں کو ختم کرے عوام کی بنیادی ضروریات کو پورا کرے اور ناانصافیوں کے خاتمے کے لئے کوشاں رہے۔دستور نے غلامی اور جبری مشقت کو ممنوع قرار دیا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کا قیام

۱۹۷۳ء کے دستور کی اسلامی دفعات میں دفعہ C-۲۰۳ کے تحت وفاقی شرعی عدالت کا قیام عمل میں لایا گیا یہ عدالت ایک چیئرمین اور چار دوسرے ارکان پر مشتمل ہے۔چیئرمین ایسا شخص ہوتا ہے جو سپریم کورٹ کا جج بننے کا اہل ہو دوسرے ارکان میں ایسے جج لئے جاتے ہیں جو کم از کم ہائی کورٹ کے جج رہ چکے ہوں یا جج بننے کے اہل ہوں۔یہ ارکان اسلامی قوانین کے ماہرین میں سے چنے جاتے ہیں تا کہ لوگوں کے درمیان تنازعات کا فیصلہ قرآن وسنت کے قوانین کے مطابق ہو سکے۔

دفعہ D-۲۰۳ میں وفاقی شرعی عدالت کے عدالتی اختیارات کا تعین کیا گیا ہے۔

۱۹۷۳ء کے دستور میں اسلامی دفعات کی شمولیت کے ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً اسلامی قانون سازی کا سلسلہ جاری رہا۔

۲۵۔ مارچ ۱۹۶۹ء کو یحییٰ خان نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا اور خود بحیثیت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ملک کی باگ دوڑ سنبھال لی۔ ۱۹۶۲ء کا آئین منسوخ کر دیا گیا۔ قوم کے نام خطاب میں جنرل یحییٰ خان نے وعدہ کیا کہ حالات کو درست کر کے فوج جلد ہی اپنی بیرکوں میں واپس چلی جائے گی۔ یحییٰ خان نے دستوری نظام کو جاری رکھنے کے لیے ایک پی۔سی۔او (Provisinal Constitutional Order) جاری کیا کیونکہ ۱۹۶۲ء کے آئین کی تنسیخ کے بعد پیدا ہونے والے خلاء کو پُر کرنا ضروری تھا۔ اس آرڈر کے تحت نبیادی حقوق کو معطل رکھا گیا اور عدالتوں کو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے احکامات کے خلاف فیصلہ دینے سے روک دیا گیا۔

۲۹۔ مارچ ۱۹۷۰ء کو صدر پاکستان جنرل یحییٰ خان نے ایک صدارتی حکم کے ذریعے ایک آئینی ڈھانچے کا اعلان کیا یہی آئینی ڈھانچہ لیگل فریم ورک آرڈر انتخابات کے لئے رہنما ثابت ہوا۔ جنرل یحییٰ خان نے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات دسمبر ۱۹۷۰ء کو منعقد کروائے۔ ماہرین نے فوج کی نگرانی میں منعقد ہونے والے انتخابات کو منصفانہ اور آزادانہ قرار دیا۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں شیخ مجیب الرحمٰن کی پارٹی عوامی لیگ نے چھ نکات کی بنیاد پر سب سے زیادہ نشستیں جیت لی تھیں۔ عوامی لیگ نے پاکستان کی کل نشستوں میں سے قریباً ستاون فیصد نشستیں جیت لی تھیں اور پاکستان پیپلز پارٹی نے قریباً اٹھائیس فیصد نشستیں حاصل کی تھیں۔ یحییٰ خان نے دونوں بڑی سیاسی جماعتوں سے مستقبل میں حکومت سازی کے لئے صلاح مشورہ کے لیے شیخ مجیب الرحمٰن اور ذوالفقار علی بھٹو سے فرداً فرداً ملاقات کی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ عوامی لیگ اور پاکستان پیپلز پارٹی باہمی طور پر ملکی مفاد میں کوئی سمجھوتہ کر لیں۔ عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن کے پرزور مطالبے پر صدر یحییٰ خان نے ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا لیکن دونوں پارٹیوں میں مفاہمت نہ ہونے پر ملکی سالمیت کے پیش نظر صدر یحییٰ نے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا۔

۳۔ مارچ ۱۹۷۱ء کو قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی ہونے پر مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ نے شدید احتجاج کیا اور سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی اور کسی قسم کی مفاہمت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس صورت حال میں مشرقی پاکستان کی انتظامیہ بے بس ہو کر رہ گئی۔ ان نازک حالات میں صدر یحییٰ نے کسی سیاسی جماعت اور قومی رہنماؤں سے مشورہ کئے بغیر مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ فوجی کاروائی سے ہزاروں بنگالی نوجوان بھارت کی سرحد عبور کر گئے اور وہاں سے فوجی تربیت حاصل کر کے پاکستانی فوج کے خلاف گوریلا کارروائیاں شروع کر دیں۔ جب حالات بہت زیادہ بگڑ گئے تو بھارت نے ۲۱۔ نومبر ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ پاکستانی فوج نے بڑی بہادری سے نامساعد حالات میں بھی دشمن کا بھرپور مقابلہ کیا لیکن جنرل یحییٰ اور اس کے ساتھی جرنیلوں نے حوصلے ہار دیئے اور ۱۶ دسمبر کو جنرل نیازی کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دے دیا۔ بنگلہ دیش بن گیا اور پاکستان کے ۹۳ ہزار فوجی جنگی قیدی بنا لئے گئے۔

ذوالفقار علی بھٹو نے ۲۰ دسمبر کو پاکستان کے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالا۔ ۲۱ اپریل ۱۹۷۲ء کو ایک عبوری دستور نافذ کر کے مارشل لاء ہٹا لیا گیا۔ ۱۴۔ اگست ۱۹۷۳ء کو ملک کا تیسرا دستور نافذ ہوا تو بھٹو نے عہدہ صدارت چھوڑ کر وزارت عظمیٰ کا

۱۹۷۳ء کی اسلامی دستوری مہم میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام نے اسمبلی کے فلور پر بھرپور حصہ لیا جو علماء کرام قومی اسمبلی کے رکن نہ بن سکے انہوں نے بھی ۱۹۷۳ء کے دستور کو اسلامی اصولوں کے عین مطابق بنانے کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک بھی ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔قومی اسمبلی میں مولانا نے تمام وقت قرآن وسنت کی بالادستی اور شریعت بل منظور کرانے کی جدوجہد میں گزارا۔سود کی لعنت، خاندانی منصوبہ بندی، عائلی قوانین، اسمبلیوں میں عورتوں کی نشستیں، ذرائع ابلاغ کی گمراہیوں اور بے ہودگیوں کے خلاف انہوں نے بھرپور آواز بلند کی۔شریعت بل کی منظوری کے لیے انہوں نے ارکان اسمبلی کے سامنے اپنا مدلل مؤقف پیش کیا اور ایوان کو اسلامی نقطہ نظر سے بھرپور رہبری عطا کی۔مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کے مسئلہ پر مسٹر بھٹو اور ارکان اسمبلی کی بڑی تعداد مسئلہ ختم نبوت کی اساسی اہمیت سے پوری طرح آگاہ نہیں تھی اس موقع پر مولانا عبدالحق نے پارلیمنٹ میں مرزائیوں کے آنجہانی پیشوا مرزا ناصر احمد پر کانٹے دار سوالوں سے جرح کی جس سے پورے ایوان پر مرزائیت کی قلعی کھل گئی اور مرزائیت کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا۔حضرت مولانا مفتی محمود کی ۱۹۷۳ء کے دستوری اسلامی دستوری مہم میں خدمات ناقابل فراموش ہیں۔۱۹۷۳ء کی اسلامی دستور سازی کے لیے مختلف پارلیمانی پارٹی کے لیڈروں کی ایک کانفرنس میں ایک سمجھوتہ ہوا جس میں ارباب اقتدار پر واضح کیا گیا کہ مسودہ دستور میں اسلامی دفعات کو شامل کیئے بغیر دستوری منظوری کی ضمانت نہیں دی جائے گی۔

''یکم مئی ۱۹۷۲ء کو مولانا مفتی محمود نے وزارت اعلیٰ کا حلف اٹھانے کے فوراً بعد صوبہ بھر میں شراب کی خرید وفروخت پر پابندی عائد کردی۔یہ پہلا خوشگوار تاثر تھا جو سرحد کی عوام کو ملا۔اس کے علاوہ مفتی محمود نے صوبہ سرحد میں امن وامان کی ابتری کے اسباب معلوم کرنے کے لئے ۳ مئی کو ایک کمیشن کے قیام کا اعلان کیا جس کی سربراہی کے لئے ہائی کورٹ کے جج کی تقرری کا اعلان ہوا''۔ (۱)

۳۰۔جون ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کو کافر قرار دینے کے لیے ایوان میں حزب اختلاف کے جن ۳۷ ارکان نے قرارداد پیش کی ان میں مفتی محمود کا نام سرفہرست تھا۔مولانا مفتی محمود اور دیگر علماء کرام کی بھرپور آئینی جدوجہد سے ۱۹۷۳ء کے دستور میں مرزائیت کو اقلیت قرار دینے کی دفعات شامل کردی گئیں۔مرزائیت کو اقلیت قرار دینے کی قرارداد ایوان نے متفقہ طور پر منظور کی جس سے یہ آئینی ترمیم آئین کا حصہ بن گئی۔آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں شق (۲) کے بعد نئی شق (۳) کا اضافہ کیا گیا۔اس کے مطابق جو شخص محمد ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا جو محمد ﷺ کے بعد کسی بھی مفہوم یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے وہ آئین یا قانون کی رو سے مسلمان نہیں ہے۔

مولانا مفتی محمود نے آئین کی غیر اسلامی دفعات پر ارباب اقتدار کی توجہ مبذول کرانے کے لیے اسمبلی میں ان پر زبردست تنقید کی اور اُن دفعات کی موجودگی میں آئین کو اسلامی ماننے سے انکار کردیا۔آئین میں سود، پیشے کی آزادی، شراب فروشی، جوا، قحبہ خانہ و

۱۔قریشی، نورالحق، ایڈووکیٹ مفتی محمود کی سیاست، مکتبہ جامعہ ربانیہ، بیرون لوہاری دروازہ ملتان، ۱۹۷۴ء۔ص ۸۷

خارج کرنا لازمی قرار دیا گیا۔

مولانا شاہ احمد نورانی ۱۹۷۰ء میں کراچی سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کو سوشلسٹ قیادت کے ہاتھوں سے ہی اسلامی بنانے کے لیئے بھرپور کردار ادا کیا۔ توہین رسالت پر سزاؤں کو آئین میں شامل کرنے کے لیئے آپ نے انتھک جدوجہد کی۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیئے قومی اسمبلی میں پیش کردہ قرارداد میں آپ بھی پیش پیش تھے۔

یکم ستمبر ۱۹۷۴ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں جمہوری مجلس عمل کے ایک جلسہ عام میں مولانا مودودیؒ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

> ''حضور ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا ہر شخص جھوٹا ہے، کافر ہے اور اس پر ایمان لانے والا بھی کافر ہے حتیٰ کہ ایسے مدعی نبوت سے اس کی دلیل پوچھنا بھی کفر ہے''۔ سید مودودیؒ نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے تمام ملازمین سے ایک ڈیکلریشن فارم پر کرائے کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں یا نہیں۔ ووٹروں کی فہرست اور مردم شماری میں مرزا غلام احمد کے ماننے والوں کا الگ خانہ رکھا جائے۔ شناختی کارڈ یا پاسپورٹ پر مذہب کی وضاحت کی جائے۔ مولانا نے ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے اور مسلمانوں کو وہاں کاروبار کے پورے مواقع دیئے جائیں''۔ (۱)

۱۹۷۳ء کے دستور میں دستور کی بنیاد اسلام ہی ہے۔ اختیارات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ یہاں عوام کی رائے کے مطابق جمہوری حکومت کی تشکیل کا بندوبست کیا گیا۔ جو قرآن وسنت پر مبنی نظام چلانے کی ذمہ دار ہے۔ قرارداد مقاصد کو دستور کا باقاعدہ حصہ بنا دیا گیا ہے۔ دستور میں نظریہ پاکستان کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔ نظریہ پاکستان درحقیقت نظریہ اسلام ہی ہے۔ اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔ مسلمان کی تعریف دستور میں شامل کر کے دستور سازوں نے احمدی یا قادیانی فرقہ کے متعلق عوام کو مسلمان ماننے سے انکار کر دیا۔ دستور میں صدر اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا۔ دستور میں فیصلہ کیا گیا کہ موجودہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بدل دیا جائے گا اور آئندہ قانون سازی اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگی۔ ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے حکومت کو اپنی سفارشات پیش کرنے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی۔ سود کے خاتمے، اسلامی اقدار کا تحفظ اور قرآن پاک کو غلطیوں سے پاک کر کے طبع کروانا حکومت کا فرض قرار دیا گیا۔

عالمی طاقتوں کا ایجنڈا مذہب کے مقابلہ میں مادیت کی تحریک کو فروغ دینا ہے۔ عالمی سیاست پر بے دین اور مذہب بیزار لوگوں کی حکمرانی ہے۔ اس لئے وہ اسلامی ممالک میں بھی ایسے ہی حکمرانوں کی بھرپور مدد کرتے ہیں۔ مصر، شام، عراق، فلسطین، لیبیا، اور تیونس وغیرہ میں سیکولرازم کے اثرات اتنے گہرے ہوئے کہ وہاں کے عوام کے لئے اپنا اسلامی تشخص قائم رکھنا مشکل ہو گیا۔ پاکستان میں ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین میں علماء کی کاوشوں سے اسلامی دفعات کے شامل ہونے سے سیکولرازم کی سازشیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ ان دفعات کی وجہ سے پارلیمنٹ بھی قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی کرنے کی پابند ہوگئی۔ علماء کی کاوشوں سے ۱۹۷۳ء کے آئین میں ترمیم کے ذریعے مسلمانانِ پاکستان کو فتنہ قادیانیت سے محفوظ کر دیا گیا۔

اسلامی قانون سازی کے ذریعے مملکت کا سرکاری مذہب اسلام قرار دینے کے ساتھ ساتھ ملک کا نام بھی اسلامی جمہوریہ

۱۔ طفیل محمد، میاں، جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد، ادارہ معارف اسلامی منصورہ پاکستان۔ ص ۲۵۱، ۲۵۲

پابندیاں لگیں۔ اِن اداروں کے ذریعے پاکستانی عوام کے اندر مذہبی شعور پیدا ہوا۔ اس کے برعکس ترکی، مصر، عراق جیسے اسلامی ممالک میں لوگوں کو داڑھی رکھنے کے لئے بھی پرمٹ لینے کی ضرورت ہے۔ وہاں قرآن وسنت کی تشریح کی اجازت نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کے آئین میں پاکستان کے آئین کی طرح اسلامی دستور سازی نہیں ہے۔

اسلام میں فضیلت و برتری محض تقویٰ کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہندوستان میں جب تک مسلمانوں کی حکومت رہی تمام مذاہب کے لوگوں کو یکساں بنیادی انسانی حقوق اور مراعات حاصل تھیں۔

حضور اکرم ﷺ دوقومی نظریے کے اولین داعی تھے، حضور اکرم ﷺ نے روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کو دو حصوں اور دوملتوں میں تقسیم فرمایا ایک ملت اسلام اور دوسری ملت کفر۔

۲۷۔دسمبر ۱۸۸۵ء کو سنسکرت کالج بمبئی کے ہال میں بنگالی عیسائی مسٹر سریندر ناتھ بینرجی کی صدارت میں منعقدہ اجلاس میں انڈین نیشنل کانگرس کے قیام کا اعلان کیا تا کہ ہندوستان کے لوگ انگریزوں سے آزادی کے لئے لائحہ عمل طے کریں۔ مسلمانوں نے بھی اپنی سیاسی قوت کو مجتمع کرنے کے لیے ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ کے مقام پر منعقدہ اجلاس میں ایک سیاسی جماعت مسلم لیگ کے قیام کا اعلان کیا۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقدہ ہوا جس میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی۔ اس قرارداد میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا گیا۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کی سیاسی طاقت عیاں کرنے کے لیے بھرپور حصہ لیا اور زبردست کامیابی حاصل کی اس کامیابی کی بنیاد پر برصغیر میں ایک آزاد مسلم ریاست کی بنیاد پڑی۔

برصغیر میں مسلمانوں کے جداگانہ قومی تشخص کو پروان چڑھانے کے لیے علماء کرام نے انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ اس سلسلہ میں مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع، مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا مودودی نے اہم کردار ادا کیا۔ علمائے کرام کے ساتھ ساتھ مشائخ عظام نے بھی باقاعدہ کنونشن منعقد کر کے مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کا اعلان کیا۔ مولانا مودودی تقسیم ہند کے خلاف تھے لیکن انہوں نے دوقومی نظریے کی حمایت کر کے بالواسطہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔ اس طرح مولانا داؤد غزنوی، مولانا سید اسماعیل غزنوی اور دیگر بہت سے اکابر اہل حدیث علماء نے بھی تحریک پاکستان میں سرگرم کردار ادا کیا۔

اس کے برعکس تحریک پاکستان کے مخالف علمائے کرام میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور مولانا حفیظ الرحمٰن وغیرہ نے آخری وقت تک متحدہ قومیت کا پرچار کیا اور تقسیم ہند کی مخالفت کی انہیں نیشنلسٹ علمائے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد تمام علماء کرام نے ملک کو اسلامی درجہ دینے کا مطالبہ کیا۔

”۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں سب یہی سمجھتے تھے کہ اب ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہیں مسلمانوں کی تاریخ میں یہ ایک ایسا دور تھا جب مسلمانوں اور اسلام کی بقا کا سوال تھا۔ مولانا حسین احمد مدنی نے کہا مسلمانوں کا یہاں سے نکلنا صحیح نہیں، اگر تم مشورہ چاہتے ہو تو ہم مشورہ دیتے ہیں اگر فتویٰ چاہتے ہو تو ہم فتویٰ دینے کو تیار ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ اسلام کو یہاں رہنا ہے اور رہے گا“۔ (۱)

پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے کام شروع کیا تو قائداعظم کے قریبی ساتھی ممتاز عالم دین مولانا شبیر احمد عثمانی نے ایوان

ا۔ابوالحسن، بارہ بنکوی، مولانا، شیخ الاسلام (مولانا حسین احمد مدنی) کے حیرت انگیز واقعات، مکتبہ دینیہ دیوبند، ۱۹۷۵ء، ص ۲۱۹

نے مستقبل کے دستور کے مقاصد کو اسلام سے ہم آہنگ کر دیا اور پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا، دستور ساز ارکان اسمبلی کا قرارداد مقاصد کو منظور کروانا علمائے کرام کا عظیم کارنامہ ہے۔

پاکستان کی اسلامی آئین سازی میں قرارداد مقاصد ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں اقتدار اعلیٰ کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کی ذات کو تسلیم کیا گیا ہے۔ قرارداد مقاصد منظور ہو جانے کے بعد ملک میں آئین سازی کے کام کو مکمل کرنے کیلئے پچیس اراکین پر مشتمل ماہرین کی ایک کمیٹی بنا دی گئی جس نے آئین کے بارے میں قرارداد مقاصد کی روشنی میں غور وفکر کے بعد رپورٹ پیش کرنا تھی۔ اس رپورٹ کے ناقص ہونے پر سیاسی اور مذہبی حلقوں نے اس پر سخت تنقید کی۔

۱۹۵۱ء کے علماء کنونشن میں ۲۲ نکات پر مبنی ایک دستاویز تیار کی گئی جس پر تمام مکاتبِ فکر کے علمائے کرام متفق تھے۔ اگر ان نکات کو دستور کا درجہ دیا جاتا تو اسلامی قانون سازی کا مسئلہ حل ہو جاتا۔ مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری صدر جمعیت علمائے پاکستان نے ۱۹۵۳ء کی انکوائری کورٹ کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہمارا قانون مکمل ہے اور ایسے افراد کی رہنمائی کی ضرورت ہے جو قرآنی قانون کے ماہر ہوں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا۔ مولانا مودودی نے کہا جن معاملات میں قرآن وسنت سے رہنمائی نہ مل رہی ہو اُن میں فقہاء کی راہنمائی سے قانون سازی کی جاسکتی ہے۔

۱۹۵۶ء کی دستور سازی میں علماء کنونشن ۱۹۵۱ء کے ۲۲ دستوری نکات اور علماء کنونشن ۱۹۵۳ء ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۷ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو محمد علی بوگرہ نے ایک آئینی فارمولہ پیش کیا۔ اس فارمولا کی تصدیق ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو پاکستان کی آئین ساز اسمبلی نے کردی تھی۔ چوہدری محمد علی کے دور کا شاندار کارنامہ ۱۹۵۶ء کے دستور کی تشکیل تھا۔

> "۱۲۔ فروری ۱۹۵۶ء کو مشرقی پاکستان میں اسلامی آئین کی کل جماعتی کمیٹی کے زیر اہتمام جلسہ میں مولانا راغب احسن نے مطالبہ کیا کہ مصر وشام کی طرح پاکستان میں اسلام کو سرکاری مذہب کا درجہ دیا جائے اور مولانا عبدالسلام اور مولانا امین الاسلام نے حکومت پر واضح کیا کہ مشرقی پاکستان کی نوے فیصد آبادی اسلامی آئین چاہتی ہے اور حکومت کو متنبہ کیا کہ آئین میں اسلامی دفعات شامل نہ کرنے کے نتائج انتہائی خطرناک ہوں گے۔ بہر حال علماء کرام کی زبردست کاوشوں سے ارباب اقتدار جو پہلے اسلامی دستور کے قائل ہی نہ تھے اسلامی دستور پاس کرنے میں بڑی دلچسپی لیتے رہے بالآخر مورخہ ۲ مارچ ۱۹۵۶ء کو ایک شاندار اور پروقار تقریب میں آئینی بل پر دستخط کرکے گورنر جنرل نے اسے قانونی شکل دے دی اور ۲۳۔ مارچ ۱۹۵۶ء کو پورے ملک میں نافذ کر دیا گیا۔" (۱)

۲۷۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو فوج نے ایوب خان کی قیادت میں ملک کا پورا نظام اپنے ہاتھ میں لے کر اسکندر مرزا کو صدارت سے علیحدہ کر دیا اور ۱۷۔ فروری ۱۹۶۰ء کو جسٹس شہاب الدین کی سربراہی میں ایک دستور ساز کمیشن تشکیل دے دیا جس نے پارلیمانی نظام کا جائزہ لے کر مئی ۱۹۶۱ء میں رپورٹ صدر مملکت کو پیش کر دی۔ ایوب خان نے کمیشن کی سفارشات میں ترامیم کر کے یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو

---

۱) عبدالرحمٰن خاں، منشی، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور، ص ۲۲۳

کی فہرست دستور کا حصہ بنی۔ پاکستان کے اس دوسرے دستور میں پارلیمانی طرز کی بجائے صدارتی نظام رائج کرنے کا تجربہ کیا گیا ہے۔ ۱۹۶۲ء کا دستور وفاقی دستور تھا۔ دستور کے تحت دونوں صوبوں کو مساوی حیثیت حاصل تھی۔

علماء نے ۱۹۶۲ء کی دستور سازی میں اسلامی دفعات کو شامل کرانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے غیر مسلموں کو فوج اور عدلیہ میں لیئے جانے کو عملاً ممنوع قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ ۱۹۶۲ء کے دستور میں علماء کے پرزور مطالبہ پر دستور میں ترمیم کے ذریعے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ ایوب خان حکومت کی غیر اسلامی قانون سازی کے خلاف مزاحمت میں جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان اور جماعت اسلامی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

مولانا غلام غوث ہزاروی نے مغربی پاکستان اسمبلی کے پلیٹ فارم سے ایوب خان حکومت کی طرف سے قرآن وسنت سے متصادم عائلی قوانین کے نفاذ کے خلاف تنقید کی اور اسے اسلامی تعلیمات کی رو سے ناقابل عمل قرار دیا۔ مولانا مفتی محمود نے عائلی قوانین سے متعلق قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ مارشل لاء حکومت نے عوام کی رائے کی پروانہ کرتے ہوئے بالکل غیر جمہوری طریقہ سے قرآن وسنت کے منافی ایک آرڈیننس ملک میں نافذ کر دیا۔

۱۹۶۲ء کے آئین کے مسودہ دستور میں جو اہم خامیاں اسلامی نقطہ نظر سے باقی رہ گئی تھیں۔ اُن کی جانب دستور سازوں کو متوجہ کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ تمام مکاتب فکر کے علماء کرام اس سلسلہ میں ارباب اقتدار پر مسلسل دباؤ بڑھاتے رہے۔ جس کی وجہ سے سیکولر عناصر اپنے مذموم عزائم میں کامیاب نہ ہو سکے۔

۱۹۶۲ء کا دستور ایوب خان حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی منسوخ ہو گیا۔ ۲۵۔ مارچ ۱۹۶۹ء کو یحییٰ خان نے ملک کی باگ دوڑ سنبھال لی۔ قوم کے نام خطاب میں جنرل یحییٰ خان نے وعدہ کیا کہ حالات درست کر کے فوج جلد ہی اپنی بیرکوں میں واپس چلی جائے گی۔ یحییٰ خان کے دستوری نظام کو جاری رکھنے کے لیے ایک پی سی او (Provisional Constitutional Order) جاری کیا کیونکہ ۱۹۶۲ء کے آئین کی تنسیخ کے بعد پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرنا ضروری تھا۔

۲۹۔ مارچ ۱۹۷۰ء کو صدر پاکستان جنرل یحییٰ خان نے صدارتی حکم کے ذریعے ایک آئینی ڈھانچے کا اعلان کیا یہ آئینی ڈھانچہ ''لیگل فریم ورک آرڈر'' انتخابات کے لیے رہنما ثابت ہوا۔ جنرل یحییٰ خان نے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات دسمبر ۱۹۷۰ء کو منعقد کروائے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ نے چھ نکات کی بنیاد پر پاکستان کی کل ستاون فیصد نشستیں جیت لیں تھیں۔ جنرل یحییٰ خان کی طرف سے اکثریتی پارٹی شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ کو اقتدار کی منتقلی میں تاخیر سے مشرقی پاکستان کے حالات انتہائی نازک صورت اختیار کر گئے۔ اِن نازک حالات میں حکومت نے حالات کنٹرول کرنے کے لیے فوجی کاروائی کرنے کا فیصلہ کیا جس سے حالات بہت زیادہ بگڑ گئے تو بھارت نے ۲۱ نومبر ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ پاکستانی فوج نے دشمن کا بھرپور مقابلہ کیا لیکن ۱۶ دسمبر کو جنرل نیازی نے ہتھیار ڈال دیئے اور پاکستان کے ۹۳ ہزار فوجی جنگی قیدی بنائے گئے۔

اپریل ۱۹۷۲ء کو ایک عبوری دستور نافذ کر کے مارشل لاء ہٹا لیا گیا۔ ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو ملک کا تیسرا دستور نافذ ہوا تو بھٹو نے عہدہ صدارت چھوڑ کر وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھال لیا۔ فضل الٰہی چوہدری اُن کی جگہ صدر منتخب کر لیے گئے۔

۱۹۷۳ء کی اسلامی دستوری مہم میں مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام نے قومی اسمبلی میں بھرپور حصہ لیا جو علمائے کرام قومی اسمبلی کے رکن نہ بن سکے۔ انہوں نے بھی ۱۹۷۳ء کے دستور کو اسلامی اصولوں کے عین مطابق بنانے کیلئے بھرپور کردار ادا کیا۔

مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک نے قومی اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے قرآن وسنت کی بالا دستی اور شریعت بل منظور کروانے کی جدوجہد میں بھرپور کردار ادا کیا۔ سود کی لعنت، خاندانی منصوبہ بندی، عائلی قوانین، اسمبلیوں میں عورتوں کی نشستیں، ذرائع ابلاغ کی گمراہیوں اور بیہودگیوں کے خلاف انہوں نے بھرپور طریقہ سے آواز بلند کی۔ شریعت بل کی منظوری کیلئے انہوں نے ایوان کو اسلامی نقطہ نظر سے بھرپور رہبری عطا کی۔ مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کے مسئلہ پر مولانا عبدالحق نے پارلیمنٹ میں مرزائیوں کے آنجہانی پیشوا مرزا ناصر احمد پر کانٹے دار سوالوں سے جرح کی جس سے پورے ایوان پر مرزائیت کی قلعی کھل گئی اور مرزائیت کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا۔

حضرت مولانا مفتی محمود کی خدمات ۱۹۷۳ء کے آئین کی اسلامی دستوری مہم میں ناقابل فراموش ہیں۔ ۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کو کافر قرار دینے کے لیے ایوان میں حزب اختلاف کے جن ۳۷ ارکان نے قرارداد پیش کی اُن میں مفتی محمود کا نام سرفہرست تھا۔ مولانا مفتی محمود اور دیگر علمائے کرام کی بھرپور آئینی جدوجہد سے ۱۹۷۳ کے دستور میں مرزائیت کو اقلیت قرار دینے کی دفعات شامل کردی گئیں۔ مولانا مفتی محمود نے آئین کو اسلامی ماننے سے انکار کردیا۔ اس کے علاوہ تمام مکاتب فکر کے نزدیک غیر اسلامی قرار دیے جانے والے عائلی قوانین کو بھی آئین سے خارج کرنا لازم قرار دیا گیا۔

مولانا شاہ احمد نورانی ۱۹۷۰ء میں کراچی سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ توہین رسالت پر سزا کو آئین میں شامل کرنے کے لیے آپ نے انتھک جدوجہد کی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے قومی اسمبلی میں پیش کردہ قرارداد میں آپ پیش پیش تھے۔

اسلام کو ۱۹۷۳ء کے دستور کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ تمام اختیارات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ جمہوری حکومت قرآن وسنت پر مبنی نظام چلانے کی ذمہ دار ہے۔ قرارداد مقاصد کو دستور کا باقاعدہ حصہ بنا دیا گیا ہے۔ دستور میں نظریہ پاکستان کے تحفظ کی ضمانت دی گئی۔ صدر اور وزیراعظم کا مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا۔ دستور کا فیصلہ کیا گیا کہ موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق بدل دیا جائے گا اور آئندہ قانون سازی اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگی۔ ملکی قوانین کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی۔ سود کے خاتمے، اسلامی اقدار کا تحفظ اور قرآن پاک کو غلطیوں سے پاک کر کے طبع کروانا حکومت کی ذمہ داری قرار دی گئی۔

یکم ستمبر ۱۹۷۴ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں جمہوری عمل کے جلسہ عام میں مولانا مودودی نے فرمایا۔

''حضور ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا ہر شخص جھوٹا ہے۔ کافر ہے اور اس پر ایمان لانے والا بھی کافر ہے

مرزا غلام احمد کے ماننے والوں کا الگ خانہ رکھا جائے۔ شناختی کارڈوں اور پاسپورٹوں پر مذہب کی وضاحت کی جائے اور ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے"۔ (۱)

۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کی اسلامی دستور سازی کے ملک کے باشندوں پر عمومی اور سلطنت کے حکام پر خصوصی اثرات پڑے۔ اسلامی دستور سازی سے عوام میں اسلامی مالیاتی واقتصادی نظام کے بارے میں تجسس پیدا ہوا اور اس کے فوائد وثمرات عوام پر کھلے تو عوام کے ایک بڑے طبقے نے اسلامی مالیاتی نظام کی طرف رجوع کیا۔ علماء کرام کی کاوشوں سے ارباب اقتدار میں دینی حمیت وغیرت کا جذبہ کسی نہ کسی حد تک برقرار رہا۔ جو حکومتی ذمہ داران امور سلطنت میں اسلامی رہنمائی کے قائل نہ تھے علماء کے پر مغز دلائل پر انہوں نے نہ صرف پرانے موقف سے رجوع کر لیا بلکہ اسلامی دفعات کو منظور کروانے میں پیش پیش رہے۔ اسلامی قانون سازی کی وجہ سے لوگوں میں اسلامی احکامات کی تعمیل کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب وثقافت کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہوا۔ ۱۹۵۶ء کی اسلامی دستور سازی سے لوگوں کے دلوں میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے جذبہ میں گراں قدر اضافہ ہوا جو ہر کلمہ گو صاحب علم مسلمان کی ختم نبوت کی وجہ سے ذمہ داری بھی ہے اس کے علاوہ دینی تعلیم کے حصول میں غرباء کے ساتھ ساتھ امراء کے بچوں کی تعداد میں گراں قدر اضافہ ہوا۔

اسلامی دستور سازی سے کے ملک کی سیاسی، معاشرتی اور مذہبی اقدار پر گہرا اثر پڑا اور اس کے اثرات زندگی کے ہر گوشہ پر مرتب ہوئے۔ ارباب اختیار نے جب بھی غیر اسلامی قانون سازی کرنے کی کوشش کی تو اُن کو اپنے عزائم پورا کرنے سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ معاشرہ بہت ساری خرافات سے بچ گیا کیونکہ معاشرتی زندگی سے مذہبی عمل دخل ختم کرنے سے یورپ کے بہت سے لوگ بے راہ روی کا شکار ہو چکے ہیں۔ پاکستانی معاشرہ میں بہن بھائی بیٹی اور والدین جیسے بنیادی رشتوں کو جو تقدس حاصل ہے اس کی وجہ سے بھی اِسلامی قانون سازی کے ذریعہ مادر پدر آزادی پر مبنی قانون سازی کا راستہ روکنا ہے۔ پاکستان معاشرہ میں مذہب کی گہری چھاپ موجود ہے۔ لوگوں کے اندر اسلامی اقدار کو دل وجان سے اپنانے کا جذبہ موجود ہے۔

عالمی طاقتوں کا ایجنڈا مذہب کے مقابلہ میں مادیت کی تحریک کو فروغ دینا ہے۔ اسی لئے عالمی سیاست پر بے دین اور مذہب بیزار لوگوں کی حکمرانی ہے اس لئے وہ اسلامی ممالک میں بھی ایسے ہی حکمرانوں کی بھرپور مدد کرتے ہیں۔ مصر، شام، عراق، فلسطین، لیبیا اور تیونس جیسے اسلامی ممالک میں سیکولرازم کے اثرات اتنے گہرے ہیں کہ وہاں کی عوام کو اپنا اسلامی تشخص قائم رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ پاکستان میں ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین میں علماء کی کاوشوں سے اسلامی دفعات کے شامل ہونے سے سیکولرازم کی سازشیں کامیاب نہ ہوسکیں۔ اِن دفعات کی وجہ سے پارلیمنٹ قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی کرنے کی پابند ہوگی۔ اسلامی دفعات کی بدولت پاکستان میں اسلامی اقدار، اسلامی شعار اور مدارس دینیہ کو آئینی تحفظ حاصل ہوگیا۔ پاکستان کے آئین میں دفعہ ۲۹۵ اے اور ۲۹۵ سی کے ذریعے انبیاء کرام کی ناموس کو قانونی تحفظ دے کر ملک میں مذہبی قتل وغارت کا راستہ بند کر دیا گیا۔

۱۔ طفیل محمد، میاں، جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد، ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور، پاکستان۔ ص ۲۵۱،۵۲

روی سے بچ گیا۔شادی کے بغیر فرینڈز کے نام پر جنسی تعلقات آج یورپی ممالک میں فیشن بن چکے ہیں۔اِن ممالک میں رشتوں کا تقدس بری طرح مجروح ہو چکا ہے۔اسلامی آئین سازی کی وجہ سے ہماری مساجد، مدارس اور دیگر مراکز اسلامیہ کو قائم کرنے والے لوگوں پر کم سے کم پابندیاں لگیں۔اِن اداروں کے ذریعے پاکستانی عوام کے اندر مذہبی شعور پیدا ہوا ہماری مساجد میں نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اوران گنت گھرانے مذہبی تبلیغ کی بدولت اسلامی زندگی گزار رہے ہیں۔اس کے برعکس ترکی، مصر اور عراق جیسے اسلامی ممالک میں لوگوں کو داڑھی رکھنے کے لیے بھی اجازت نامہ لینے کی ضرورت ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کے آئین میں پاکستان کے آئین کی طرح اسلامی دستور سازی نہیں ہے۔

تنقیدی جائزہ

جید اور مستند علمائے کرام نے پاکستان کی دساتیر سازی کی تاریخ میں سرگرم کردار ادا کیا۔۱۹۵۶ء،۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کی دساتیر سازی کے دوران ارباب اختیار کی طرف سے اسلامی دفعات کی شمولیت علمائے کرام کی کاوشوں کا ثمر ہے لیکن پاکستان کی سیاسی تاریخ کے مختلف ادوار میں غیر آئینی اقدامات کا سہارا لے کر فوجی سربراہ اقتدار پر قابض ہوتے رہے۔فوجی دورِ حکومت میں علمائے کرام نے غیر آئینی حکمرانوں کے خلاف احتجاج کرنے کی بجائے انہیں سہارا دیا۔فوجی حکمرانوں کے دور میں علماء کرام اپنے اصل مقصد یعنی قرآن وسنت کی بالادستی سے ہٹ کر وزارتیں اور دیگر مراعات حاصل کرتے رہے۔علمائے کرام کی اس مصلحت کوشی سے اسلامی دفعات کا صحیح اسلامی روح کے مطابق نفاذ ممکن نہ ہو سکا جس سے عوام علمائے کرام سے بدظن اور مایوس ہو گئے۔عوام کا اعتماد حاصل نہ ہونے کی وجہ سے علماء اسمبلیوں میں عوامی نمائندگی سے محروم ہو گئے جس سے اسلامی نظام کے نفاذ کی جدوجہد بری طرح متاثر ہوئی۔

اس مقالہ میں پاکستان کی اسلامی دساتیر سازی کے ضمن میں علمائے کرام کی کاوشوں سے راقم نے درج ذیل نتائج اخذ کیے ہیں۔

۱۔ قرارداد مقاصد جس میں قرآن سنت کو سپریم لاء قرار دیا گیا۔ علمائے کرام کی اسلامی دستوری جدوجہد کا مظہر تھی علمائے کرام کی زبردست دستوری جدوجہد کی وجہ سے پاکستان کی پہلی دستور اسمبلی نے قرارداد مقاصد منظور کی اور اسے مستقبل کی آئین سازی کے لئے رہنما اصول کے طور پر تسلیم کرلیا گیا۔

۲۔ ۱۹۵۶ء کے دستور میں قرارداد مقاصد کو دیباچہ کے طور پر شامل کیا گیا۔

۳۔ عوام الناس کی حمایت سے علمائے کرام نے ۱۹۵۶ء کی دستور کی تدوین کے دوران دستوری سفارشات پیش کیں۔ ان سفارشات کی روشنی میں ارباب اقتدار ۱۹۵۶ء کے دستور کو اسلامی خطوط پر استوار کیا۔

۴۔ ۱۹۶۲ء کے دستور میں ملک کا نام جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ اسلامی کا لفظ ہٹا دیا گیا جس پر عوام الناس اور علمائے کرام کے پرزور احتجاج پر ۱۹۶۲ء کے آئین میں پہلی ترمیم کے ذریعہ ملک کا نام پھر سے اسلامی جمہوریہ پاکستان قرار دیا گیا۔

۵۔ ۱۹۷۳ء کی دستور کی دفعہ 2-A کے تحت قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنا دیا گیا ہے اور آئین سازی کے لئے قرارداد مقاصد کو بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

۶۔ دستور کی دفعہ 203-C کے تحت وفاقی شرعی عدالت کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ یہ عدالت ایک چیئرمین اور چار دوسرے ارکان پر مشتمل ہے۔ دفعہ 203-D کے تحت وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات کا تعین کیا گیا ہے۔

۷۔ آئین کی دفعہ 227 کے تحت تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھالا جائے گا اور قرآن وسنت کے خلاف کسی قانون کو برقرار نہیں رکھا جائے گا۔

۸۔ ۱۹۷۳ء کے دستور کی دفعہ 228 کے تحت اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی ہے جس کی ذمہ داری ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے اپنی سفارشات حکومت کو پیش کرنا ہے۔ یہ کونسل ایک چیئرمین اور چند دوسرے ارکان پر مشتمل ہے۔ ان کی تعداد ۸ سے ۱۵ تک ہوسکتی ہے۔ کم ازکم ۲ ایسے ارکان لئے جاتے ہیں جو ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کے جج رہ چکے ہوں۔ کم ازکم چار ایسے ہوں جو اسلامی قوانین کے بارے میں تحقیق کا ۱۵ سالہ تجربہ رکھتے ہوں۔

۹۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور میں دوسری ترمیم ۱۹۷۴ء کے ایکٹ کی صورت میں وجود میں آئی۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی دفعہ 106 کی شق تین میں لفظ فرقوں کے بعد الفاظ اور قوسین اور قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) درج کئے گئے۔

۱۰۔ "دستور کی دفعہ 260 کی شق تین میں ایک ذیلی شق (a) کی صورت میں یوں تاریخی اضافہ کیا گیا۔"

"جو شخص خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت پر مکمل اور غیر مشروط ایمان نہ رکھتا ہو اور محمد ﷺ کے بعد کسی بھی معنی یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبری کا دعویدار ہو یا اس قسم کا دعویٰ کرنے والے کو پیغمبر یا مصلح مانتا ہو وہ آئین یا قانون کی رو سے مسلمان نہ ہے۔"

بینکاری کے نام سے بہت سے ادارے وجود میں آ چکے ہیں۔

۱۲۔ اسلامی قانون سازی کے ذریعے آئینی طور پر دستور ۱۹۷۳ء میں اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا اور ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ پاکستانی بچوں کو نرسری سے لے کر اعلیٰ تعلیم کے اصول تک نصاب تعلیم میں مذہب اسلام کا خوبصورت تصور اور رہنمائی دی گئی ہے۔

۱۳۔ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ / ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو صدر پاکستان نے وفاقی کابینہ کی منظوری سے حدود آرڈیننس جاری کیا۔ اس قانون کے اجراء سے انسانی جان کے احترام، عورت، خاندان اور معاشرے کے تحفظ کے لئے زنا، شراب، جوا اور قذف جیسے جرائم کے سدِ باب کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

۱۴۔ علماء کرام کی اسلامی دستوری جدوجہد سے شراب اور جوا وغیرہ پر پابندی لگا دی گئی جو بھی شراب نوشی اور جوا وغیرہ کھیلتے پکڑا جاتا اس کو قانون کے مطابق سزا دی جاتی ہے۔ حدود آرڈیننس کی دفعہ ۳ کے مطابق اگر کوئی شخص شراب یا دیگر نشہ آور چیز تیار کرتا درآمد یا برآمد کرتے پکڑا جاتا ہے تو اسے پانچ سال قید اور تیس کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور اسے جرمانہ بھی عائد کیا جائے گا۔

۱۵۔ اس قانون کی دفعہ ۴ کے مطابق اگر کسی شخص سے شراب یا نشہ آور چیز برآمد ہوتی ہے تو دو سال قید یا تیس کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور اسے جرمانہ بھی عائد کیا جائے گا۔

۱۶۔ اس قانون کی دفعہ ۵ کے تحت زنا کا مرتکب مرد یا عورت اگر شادی شدہ ہے تو جرم ثابت ہونے پر ان کو سنگسار کرنے کی سزا دی جائے گی۔ اور اگر مرد یا عورت غیر شادی شدہ ہیں تو ان کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔ سزا پر عمل درآمد عدالت کے تصدیقی سرٹیفکیٹ کے بغیر نہیں ہوگا۔

۱۷۔ اس قانون کی دفعہ ۶ کے مطابق جو کوئی بالغ شخص ارادۃً یا بد نیتی سے زنا کی تہمت لگاتا ہے تو ایسے شخص کو اس آرڈیننس کی دفعات کے تحت قذف کے جرم کا مرتکب ہونے کی وجہ سے حد قذف لگائی جائے گی۔

۱۸۔ اس قانون کے مطابق حد جاری کرنے کے لئے قذف کے ثبوت کے لئے درج ذیل طریقہ کار ہے:۔

ملزم عدالت کے روبرو قذف کے جرم کا اقرار کرے گا۔ دو مسلمان گواہ اپنے دعویٰ کی حقانیت کے لئے عدالت میں پیش کرے گا۔ ملزم غیر مسلم ہے تو گواہ بھی غیر مسلم پیش کرے گا۔

گواہوں کے بیانات ریکارڈ کرنے کے لئے مجاز اتھارٹی کے روبرو گواہوں کو پیش کیا جاتا ہے۔

اس قانون کی دفعہ 7 کے مطابق جرم ثابت ہونے پر ملزم کو ۸۰ کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے۔

نتائج تحقیق میں مزید بہتری کے لئے چند تجاویز درج ذیل ہیں:۔

۱۔ اراکین پارلیمنٹ کی اہلیت کے لئے بنیادی اوصاف کا اہتمام کرنا انتہائی ضروری ہے۔اس ضمن میں دستور کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳ کی رو کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ممبران دستور ساز اسمبلی پر یہ بھی لازمی شرط عائد کر دی جائے کہ وہ اسلامی قوانین ، غیر ملکی قوانین اور دوسرے ممالک کے دساتیر پر بھی دسترس رکھتے ہوں۔

۲۔ دستور کی دفعہ 65 میں حلف کے آخری الفاظ یعنی "میں دستور کو باقی اور قائم رکھوں گا" میں اس شق کا اضافہ کر دیا جائے۔میں اِن جملہ خرابیوں اور خامیوں کو جو کہ کتاب وسنت یا جمہوری لحاظ سے اس میں ہوں ان میں ترمیم و تنسیخ کروں گا۔اس سے قرآن وسنت کے سپریم لاء ہونے کا تاثر واضح ہوگا۔

۳۔ دستور کی دفعہ 202 میں شق 202-A کا اضافہ کیا جائے اس کی رو سے عدالتی نظام کو قرآن وسنت کی تعلیمات سے ہم آہنگ کیا جائے۔عدالتی کاروائی کو قومی زبان اُردو میں لانا تاکہ مدعی و مدعیہ عالیہ کے لئے آسانی ہو سکے۔وکلا کے لئے ضابطہ اخلاق مقرر کیا جائے اس سے جرائم کی سرپرستی اور رشوت وبدعنوانی کے خاتمہ میں مدد ملے گی۔

۴۔ دستور کی دفعہ 203-C اور 203-D کے تحت قائم کردہ وفاقی شرعی عدالت اور دستور کی دفعہ 228 کے تحت قائم کردہ اسلامی نظریاتی کونسل کی تجاویز کی روشنی میں حکومتی سطح پر سودی نظام کے خاتمے اور بیت المال کا قیام عمل میں لایا جائے۔اسلامی بینکاری کو فروغ دیا جائے۔

۵۔ دستور کی دفعہ 227 شق 227-A کا اضافہ کیا جائے۔اس شق کی رو سے وزارت مذہبی امور میں شعبہ دعوت وارشاد قائم کیا جائے جس کی نگرانی میں صحیح اسلامی لٹریچر کی اشاعت سے اسلام دشمن سرگرمیوں کے سدباب میں مدد ملے گی۔

۶۔ دستور کی دفعہ 228 میں ایک شق اے کا اضافہ کیا جائے اس کی رو سے جید اور مستند علماء کی ایک کونسل مقرر کی جائے جو بیک وقت قیاس سے فائدہ اُٹھا کر اجتہاد کی مدد سے قانون سازی کرے۔اس سے قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی کی روک تھام کو یقینی بنانے میں مدد ملے گی۔

۷۔ دستور کی دفعہ 231 میں ایک شق 231-A کا اضافہ کیا جائے اس کی رو سے اسلامی نظریاتی کونسل صدر کی منظوری سے ضابطہ کی کاروائی نظریاتی کونسل کی کاروائی سے ہم آہنگ کرنے کے ساتھ قرآن وسنت کے آفاقی اصولوں کے تابع کرے گی۔اس سے قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی پر قابو پانے میں مدد ملے گی۔

۸۔ دستور کی دفعہ 227 میں شق 227-B کا اضافہ کیا جائے۔اس کی رو سے عائلی وخاندانی قوانین (Family Laws) میں ترمیم کر کے غیر شرعی دفعات کو ختم کیا جائے۔عائلی قوانین کی دفعہ 4 میں یتیم پوتے کی وراثت کو بیٹے کی وراثت کے برابر قرار دیا گیا ہے۔دفعہ 5 میں نکاح کی رجسٹریشن کی پابندی، دفعہ 6 میں تعدد ازواج کے ضمن میں دوسری شادی کے لئے پہلی

ہیں۔ یہ تمام شرائط شرعی قوانین کے خلاف ہیں۔ ان دفعات میں ترمیم کر کے تمام شرائط کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کیا جائے تاکہ مسلمانوں میں خلاف شرع قانون کی وجہ سے بے چینی کو ختم کیا جا سکے اور مسلمانوں کے پرسنل معاملات میں عائلی قوانین کے ذریعے سرکاری مداخلت ختم کی جا سکے۔

۹۔ دستور کی دفعہ 295 کی شق (C) میں ایک ذیلی شق کا اضافہ کیا جائے۔ اس کی رو سے مقدمہ توہین رسالت کا اندراج آسان کیا جائے تاکہ توہین رسالت کے سدباب کے لئے قانون توہین رسالت پر عمل درآمد یقینی بنایا جا سکے۔

۱۰۔ دستور کی اسلامی دفعات میں ایک دفعہ کا اضافہ کرنے کے لئے قانون سازی کی جائے اس شق کی رو سے معاشرے میں افراد کی اصلاح کے لئے شعبہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اس سے معاشرے میں نیکی کے پھیلاؤ اور برائی کے سدباب میں مدد ملے گی۔

۱۱۔ دستور میں ترمیم کے ذریعے 1/2 یعنی کل تعداد کی نصف نشستیں علماء اکرام کے لئے مخصوص کرنی چاہیے تاکہ کوئی بھی قانون قرآن وسنت کے خلاف پاس نہ ہو سکے۔

اشاریہ

قرآنی آیات

احادیث و آثار

اعلام

اماکن

نمبر شمار	آیات	سورت / آیت نمبر	صفحات
۱	رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّفِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ	البقرہ:۲، آیت [illegible]	
۲	كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۚ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيۡنَ وَ مُنۡذِرِيۡنَ ۖ وَاَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ۔	البقرہ:۲، آیت [illegible]	
۳	وَلَا یَزَالُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ حَتّٰی یَرُدُّوۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِکُمۡ اِنِ اسۡتَطَاعُوۡا	البقرہ:۲، آیت [illegible]	
۴	وَاَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا	البقرہ:۲، آیت [illegible]	
۵	فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ	البقرہ:۲، آیت [illegible]	[illegible]
۶	فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ......	النساء:۴، آیت [illegible]	-
۷	یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰہِ شُہَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ ...	المائدہ:۵، آیت [illegible]	-
۸	رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ	المائدہ:۵، آیت [illegible]	[illegible]
۹	اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ.......	النحل:۱۶، آیت [illegible]	-
۱۰	وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَسَآءَ سَبِیۡلًا	بنی اسرائیل:۱۷، آیت [illegible]	[illegible]
۱۱	وَلَا تَاۡخُذۡکُمۡ بِہِمَا رَاۡفَۃٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ......	النور:۲۴، آیت [illegible]	[illegible]
۱۲	وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ	النور:۲۴، آیت [illegible]	[illegible]
۱۳	مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ	الاحزاب:۳۳، آیت [illegible]	-
۱۴	اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا	فاطر:۳۵، آیت [illegible]	
۱۵	قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ.........	الزمر:۳۹، آیت [illegible]	
۱۶	اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ	الحجرات:۴۹، آیت [illegible]	-
۱۷	وَمَاۤ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ وَ مَا نَہٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا	الحشر:۵۹، آیت [illegible]	[illegible]

فہرست احادیث و آثار

ن و ہ ء ی ے

۱۔ آزاد، ابوالکلام، مولانا۔ انڈیا ونز فریڈم، مکی دارالکتب ۳۷۔ مزنگ روڈ، بک سٹریٹ لاہور، س ن،

۲۔ ابوالحسن، بارہ بنکوی، مولانا، شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات، مکتبہ دینیہ دیوبند، ۱۹۷۵

۳۔ احمد، وصی، مطالعہ تاریخ پاکستان، ناشر سید مصطفیٰ علی بریلوی (علیگ) آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، س ن

۴۔ ادارہ تالیف وتصنیف، انقلابات عالم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز، کشمیری بازار لاہور، ۱۹۶۰ء

۵۔ ارشد، عبدالرشید، ڈاکٹر، بیس بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ، ۳۲۔ اے، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور۔ س ن

۶۔ ارشد، عبدالرشید۔ بیس مردانِ حق۔ مکتبہ رشیدیہ ۲۵۔ لوئر مال لاہور۔ اکتوبر ۱۹۹۶

۷۔ اللہ وسایا، مولانا تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان۔ ۱۹۹۱ء

۸۔ اللہ وسایا، مولانا۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء۔ جلد اول۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان۔ جولائی ۱۹۹۳ء۔

۹۔ انور علی، سید، ایڈووکیٹ تقویم تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

۱۰۔ ایچ بی خان، ڈاکٹر تحریک پاکسان میں علماء کا سیاسی وعلمی کردار۔ الحمد اکادمی ناظم آباد کراچی ۱۹۹۵ء

۱۱۔ بخاری، محمد اکبر شاہ، سید، ۔ ۴۰ بڑے مسلمان، جلد اول، ناشر ادارۃ القرآن، کراچی، نومبر ۲۰۰۱۔

۱۲۔ پیر پور رپورٹ۔ شائع کردہ نواب زادہ لیاقت علی خان، آنریری سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ

۱۳۔ تبریزی، الخطیب محمد بن عبداللّٰہ ابو عبداللّٰہ، ولی الدین شیخ مشکوٰۃ المصابیح، باب العلم، قدیم کتب خانہ، مقابل آرام باغ، کراچی۔ س ن

۱۴ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسی، جامع الترمذی باب الحدود (باب ما جاء فی المرتد) جلد اول، مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر غزنوی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ س ن

۱۵۔ جلال الدین، علامہ ڈیروی۔ تحریک پاکستان میں علماء کا کردار۔ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور۔ فروری ۲۰۱۰ء

۱۶۔ چراغ محمد علی۔ پاکستان تاریخ جمہوریت، سیاست آئین۔ سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور ۱۹۹۳ء

۱۷۔ چوہدری، ایم۔ اے۔ کے، مارشل لاء کا سیاسی انداز، لاہور، جنگ پبلشرز ۱۹۸۸ء

۱۸۔ حالی، الطاف حسین، مولانا، حیاتِ جاوید، پولیمر پبلیکیشنز راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ س ن،

۱۹۔ حبیب احمد، چوہدری۔ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء۔ محمد حنیف رامے۔ البیان چوک انارکلی لاہور۔ فروری ۱۹۶۶ء

۲۰۔ حقانی، عبدالحق، مولانا۔ قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ۔ مطبوعات موتمر المصنفین۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور س ن

۲۱۔ حمید اللہ، ڈاکٹر (مترجم پروفیسر خالد پرویز)، رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی و جانشینی، بیکن بکس، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور، ۲۰۰۶۔

۲۳۔ رزاق، ایم۔اے، ڈاکٹر۔ پاکستان کا نظام حکومت اور سیاست، ناشر مکتبہ فریدی، وفاقی اردو کالج، بابائے اردو روڈ کراچی نمبر، ۱۹۸۷ء

۲۴۔ ریاض جمیل، مولانا۔ حدود آرڈیننس اصل حقائق کیا ہیں؟ ناشر مکتبہ الحسن ۳۳۔حق سٹریٹ اُردو بازار، لاہور، س ن

۲۶۔ سعیدی، غلام رسول مولانا۔ مقالاتِ سعیدی۔ فرید بکس سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور۔ جون ۲۰۰۵ء

۲۶۔ شاہجہان پوری، پیام۔ تاریخ نظریہ پاکستان مکتبہ اسلامیہ ریلوے روڈ جھنگ، س ن

۲۷۔ شرف، عبدالحکیم، مولانا۔ تذکرہ اکابر اہلسنت، فرید بکسٹال ۳۸۔ اُردو بازار لاہور۔ جون ۲۰۰۵

۲۸۔ طفیل محمد، میاں۔ جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد۔ مکتبہ معارف اسلامی، منصورہ ملتان روڈ لاہور، س ن

۲۹۔ ظفر، ایس ایم، عوام۔ پارلیمنٹ اسلام۔ برائٹ بکس، اقراء سنٹر۔ عزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، س ن

۳۰۔ عبدالرحمٰن خان، منشی۔ تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور۔ جولائی ۱۹۹۲ء

۳۱۔ عبدالرشید، میاں۔ پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر۔ ادارہ تحقیقاتِ پاکستان دانش گاہ لاہور، س ن

۳۲۔ قریشی، اشتیاق حسین، ڈاکٹر۔ مقدمہ ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ، جلد اول، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۷ء

۳۳۔ قریشی، نورالحق، ایڈووکیٹ، مفتی محمود کی سیاست۔ مکتبہ جامعہ ربانیہ۔ بیرون لوہاری دروازہ ملتان، ۱۹۷۴ء

۳۴۔ قصوری محمد صادق۔ تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، ریاض برادرز ۴۰۔ اردو بازار لاہور، س ن

۳۵۔ مجاہد الحسینی۔ محمد یوسف۔ علماء دیوبند۔ سیرت مرکز ۶۵ بی، پیپلز کالونی فیصل آباد، س ن

۳۶۔ مظفر مرزا تحریک پاکستان اور آئین پاکستان۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ ادبی مارکیٹ چوک انارکلی، لاہور۔ س ن

۳۷۔ مظہر حسین۔ پاکستان کے سیاسی اتحادوں میں مولانا شاہ احمد نورانی کا کردار۔ انٹرنیشنل غوثیہ فورم [illegible]
بلاک نمبر ۴ جوہر آباد۔ ضلع خوشاب۔ س ن

۳۸۔ ملک فاروق۔ پاکستان نظریہ حکومت اور سیاست۔ خرم بکس ۴۰۔ اردو بازار لاہور، س ن

۳۹۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، سید تحریک آزادی ہند اور مسلمان، حصہ دوم۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، اپریل ۱۹۸۰ء

۴۰۔ مصباح الحسن، خطبہ صدارت، جمہوریت اسلامی، مطبوعہ مراد آباد، ۱۹۴۶ء،

۴۱۔ ندوی، ابوالحسن علی۔ حیات شیخ الاسلام (علامہ شبیر احمد عثمانی) مکتبہ دینیہ دیوبند۔ س ن

۱۔ افق ہفت روزہ، کراچی، جلد نمبر ۱۲، شمارہ نمبر ۳۰۔ ۲۳ جولائی تا ۲۹ جولائی ۱۹۷۹۔

۲۔ الرشید، ماہنامہ، دارالعلوم۔ دیوبند نمبر، پرنٹر کنول آرٹ پریس جان محمد روڈ، لاہور، فروری مارچ ۱۹۷۶ء

۳ ترجمان القرآن، ماہنامہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور، جولائی ۱۹۵۰ء

۴ ترجمان اسلام لاہور، ہفت روزہ (مولانا مفتی محمود نمبر) جلد نمبر ۲۳ شمارہ نمبر ۱۶، ۱۷، ۱۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء

مقام اشاعت، چوک رنگ محل لاہور

۵۔ چراغ راہ، کراچی، ماہنامہ، ج ۴، شمارہ ۱۔ جنوری ۱۹۵۱ء

۶۔ چراغ راہ، کراچی، ماہنامہ (تھانوی، احتشام الحق، مولانا، اسلامی مملکت کے بنیادی اصول)، جلد نمبر ۴، شمارہ نمبر ۳

مارچ ۱۹۵۱ء،

۷۔ حمایت اسلام لاہور، ہفت روزہ، جلد نمبر ۹، شمارہ نمبر ۲۰، ۲۵ مئی ۱۹۳۹ء

۸۔ ختم نبوت، ہفت روزہ، (تونسوی نذیر احمد، مولانا، ماہ ستمبر اور تاریخ ختم نبوت) جلد ۲۲، شمارہ نمبر ۱۷، ۱۹ تا ۲۵ ستمبر ۲۰۰۳

۹ خدام الدین انٹرنیشنل ہفت روزہ، لاہور جلد نمبر ۴۴، شمار نمبر ۱۸، ۶ مئی تا ۱۲ مئی ۲۰۰۰ء

۱۰۔ قادری محبوب الرسول ملک انوار رضا (مجلّہ)۔ انوار رضا لائبریری۔ بلاک نمبر ۴ جوہر آباد ضلع خوشاب۔ ۱۸ جنوری ۲۰۰۴

۱۱۔ معارف، سلیمان نمبر، دارالمصنفین اعظم گڑھ، بھارت،

۱۲۔ ندائے خلافت، ہفت روزہ (استحکامِ پاکستان نمبر)، جلد نمبر ۱۶، شمارہ ۳۰، ۸ تا ۱۴ اگست ۲۰۰۷ء، مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

ENGLISH BOOKS

Choudhury, G.W. Constituational Development in pakistan, Lahore.

2. Report of the Basic Principals Committee by the Manager of Pakistan Publications Government of Pakistan Press, Karachi 1952.

3. Rizwi Hasan Askari, the military and politics in pakistan, progressive publishers Lahore 1974

4. Safdar Mehmood, Dr, The constitutional foundations of Pakistan, Lahore 1975.

5. Sonnet, Rimmy, The speeches and writings of Mr. Jinnah The Pakistan exeperiche Zed Books Ltd. London 1985.

6. Lawrence Ziring, pakistan, The Enigma of political development, Win Dawson & sons Ltd. Cannon House England, 1980

علماء نے اس رپورٹ کو سخت ناپسند کیا کیونکہ آئندہ کی وفاقی حکومت کا جو ڈھانچہ پیش کیا گیا وہ ان کے خیال میں قرارداد مقاصد کے مطابق نہ تھا اور اسلامی رو سے عاری تھا اس میں علماء کو ایک باضابطہ وفاقی اسلامی ریاست کے کوئی آثار نظر نہ آئے سفارشات میں اسلامی کردار کی ان کے نزدیک اس کے سوا کوئی حیثیت نہ تھی کہ قرارداد مقاصد کو آئین میں داخل کر لیا گیا تھا اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ بنیادی حقوق متاثر نہ ہوں۔ اس میں قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون بنانے کے متعلق بھی کوئی دفعہ شامل نہ تھی اور نہ اس کی ضمانت دی گئی تھی کہ سربراہ مملکت صرف مسلمان ہوگا۔

دستور ساز اسمبلی نے دستور سازی میں پیشرفت کے لئے ایک ادارہ بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ بھی قائم کیا جو جید علماء پر مشتمل تھا۔ اس میں سید سلیمان ندویؒ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مولانا ظفر احمد انصاریؒ مفتی محمد شفیعؒ اور مفتی جعفر حسین شامل تھے۔ بورڈ کی یہ ذمہ داری تھی کہ قانون سازی میں معاونت کرے اور بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کا جواب دے لیکن بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے اپنی سفارشات مرتب کرنے کے لئے بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ سے کبھی مشاورت و رہنمائی حاصل نہ کی۔ اس لئے یہ رپورٹ اسلامی قانون سازی کے حوالے سے نامکمل تھی۔ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی عبوری سفارشات کو کسی بھی حلقہ سے پذیرائی حاصل نہ ہوئی۔ تمام مذہبی اور سیاسی حلقوں نے اس پر شدید تنقید کی اور اسے مسترد کر دیا۔ ان حالات میں وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علی خان نے کمیٹی کو حتمی رپورٹ پیش کرنے کے لئے کہا۔

According to G.W. Chaudhry,

"Due to publicawareness and desires constituent assembly directly demanded suggestions from the public and further asked to provide these suggestions till 1951. The constituent assembly framed a sub -committe to check these suggestions". (1)

مسٹر جی ڈبلیو چوہدری کے مطابق ''عوامی بیداری اور عوامی خواہشات کی وجہ سے دستور ساز اسمبلی نے عوام سے براہ راست تجاویز طلب کیں اور یہ بھی کہا کہ تجاویز ۱۹۵۱ تک دے دی جائیں۔ دستور ساز اسمبلی نے ان تجاویز کی چھان پھٹک کے لئے ایک ذیلی کمیٹی قائم کی۔

بنیادی اصولوں کی عبوری کمیٹی کی سفارشات پر علماء کرام نے سخت تنقید کی اس رپورٹ پر سیاسی رہنماؤں نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اسے ہر طبقہ زندگی نے مسترد کر دیا۔ ماہنامہ چراغ راہ کراچی میں بنیادی اصولوں کی عبوری کمیٹی کی سفارشات پر تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

---

1. Choudhury, G.W, Constitutional Development in Pakistan, Lahore. P # 73

متحدہ ہندوستان کے آخری انتخابات اور صوبہ سرحد و سلہٹ کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کو جو تاریخی فتح حاصل ہوئی اس کا سبب یہ نعرہ تھا۔

پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

چونکہ پاکستان کی بنیاد ہی لا الہ الا اللہ کے اصول پر رکھی جا رہی تھی اس لیے اس نعرہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے لاہور میں مجلس علماء کے نام سے علماء کی ایک جماعت قائم کر دی گئی جس کا پہلا کام یہ تھا کہ قیام پاکستان کے بعد پہلی قومی حکومت سے تعاون کر کے ایک ایسی مجلس قائم کرائے جو جدید آئین کی بنیادی شکل کے لیے قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں مجلس دستور ساز کے لیے ایک لائحہ عمل مرتب کر دے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی اور اُن کے رفقاء نے مذکورہ بالا نعرہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں۔

فروری ۱۹۴۸ء میں ایک ریڈیائی نشریے میں خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم محمد علی جناح بڑے واضح الفاظ میں پاکستان کے آئین کیلئے نظریاتی اساس فراہم کر دی تھی۔ اس نشریے میں انھوں نے فرمایا کہ:

''پاکستان کا آئین ابھی تشکیل دیا جانا ہے۔ یہ آئین پاکستان کی آئین ساز اسمبلی تشکیل دے گی۔ میں اس سطح پر کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اس آئین کیا صورت ہوگی لیکن یہ تو میں یقین اور وثوق کے ساتھ بتا سکتا ہوں کہ وہ جمہوری آئین ہوگا۔ اس کے بنیادی اصول وضوابط عین اسلام کے مطابق ہونگے۔ اسلامی تعلیمات جو آج سے ۱۳۰۰ سال پہلے قابل عمل تھیں آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں۔ اسلام اور اس کے تصورات اور اصول پرستی عین جمہوری ہے۔ اس نے ہمیں انسانی برابری کا سبق دیا ہے انصاف اور ہر ایک کی حق رسی بھی اس کا ایک دائمی اصول ہے۔ ہم انہی عظیم الشان روایات اور تعلیمات کے وارث ہیں اور ہمیں اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کے لیے مستقبل کا آئین بنانے کی ذمہ داریوں اور فریضہ کا پوری طرح احساس ہے''۔ (۱)

قائداعظم سے ملاقات:

مارچ ۱۹۴۸ء میں جب قائداعظم بحیثیت گورنر جنرل مشرقی پاکستان کے دورہ پر تشریف لے گئے تو مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے ان تمام جلسوں میں شرکت کی جن میں قائداعظم نے خطاب کیا چونکہ مولانا عثمانی کو عام جلسوں میں قائداعظم کے پاس ہی جگہ دی گئی، اس لئے انہیں تین مرتبہ ایسے موقعوں پر سرسری گفتگو کرنے کا موقع مل گیا مگر مفصل گفتگو دو دفعہ کی خصوصی ملاقاتوں میں ہوئی۔

''ایک دن مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب دستور سازی کے مسئلہ پر قائداعظم سے گفتگو کرنے کے لئے ذاتی طور پر ان کی ڈھاکہ کی قیام گاہ پر پہنچے۔ گورنر جنرل پاکستان نے حسب سابق کھڑے ہو کر ان سے سلام ومصافحہ کیا اور مزاج پرسی کے بعد دریافت کیا کہ فرمائیے! آپ کیا فرمانا چاہتے ہیں۔ اس وقت صرف قائداعظم، مولانا عثمانی اور

۱۔ چراغ، محمد علی، پاکستان، تاریخ، جمہوریت، سیاست، آئین، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۳ء۔ص ۹۹

برآمدہ میں ٹہل رہے تھے۔ قائداعظم کا کوئی مترجم موجود نہ تھا۔ کیونکہ قائداعظم اب اچھی طرح اردو بول سکتے تھے"۔ (۱)

مولانا ظفر احمد عثمانی اپنی روئیدادِ ملاقات کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"میں نے کہا کہ مجھے سب سے پہلے یہ عرض کرنا ہے کہ پاکستان اس لئے نہیں لیا تھا کہ ہندوستان کے لاکھوں مسلمان قتل اور لاکھوں مسلمان بے گھر ہو جائیں۔ ہم نے اس خطرہ کو دہلی میں پہلے ہی آپ پر ظاہر کیا تھا، مگر آپ نے ہم کو یقین دلایا تھا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ جو خطرہ ہم نے ظاہر کیا تھا، وہ پیش آ کر رہا ہے۔ پھر یہ سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ آپ نے اس کا کیا انتظام فرمایا اگر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ ہو گیا ہوتا، تو ہماری اشک شوئی ہو جاتی اور ہم سمجھتے کہ قربانیوں کی تلافی نظام اسلام جاری ہونے سے ہوگئی، جو بہت بڑی نعمت ہے۔ افسوس وہ بھی اب تک نہ ہوا تو ہم قوم کو کیا منہ دکھلائیں کہ جس مقصد کے لئے پاکستان بنا تھا وہ بھی حاصل نہ ہوا اور نقصان بھی حد سے زیادہ ہو گیا"۔ (۲)

"قائداعظم نے فرمایا! جو کچھ آپ نے کہنا ہے وہ فرما چکے ہیں یا کچھ اور بھی کہنا ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے اتنا ہی عرض کرنا تھا۔ قائداعظم نے میرے دونوں سوالوں کا جواب آدھ گھنٹہ میں دیا۔ پہلے سوال کے جواب میں فرمایا کہ مولانا جو خطرہ آپ کو تھا اس کا احساس مجھے بھی تھا مگر میرا یہ خیال تھا کہ پاکستان بننے پر ہندو کچھ ایسی ہی شورش کریں گے جیسی قربانی یا محرم کے موقع پر کبھی کبھی کیا کرتے ہیں سو میری قوم نے ایسے موقع پر ہندو سے شکست نہیں کھائی ہمیشہ غالب ہی رہی ہے ایسا اس دفعہ بھی ہوگا۔ اس کا مجھے وہم بھی نہ تھا کہ ہندو قوم کو باؤلا کتا کاٹ جائے گا اور یہ انسانیت سے نکل کر بربریت پر اتر آئے گی۔ عوام فسادیوں کے ساتھ فوج، پولیس اور سول حکام بھی مسلمانوں کو کچلنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور یہ نالائق لارڈ ماؤنٹ بیٹن انگریز ہو کر برطانیہ کی روایات کو ایسا پس پشت ڈال دے گا پھر خونیں ڈرامہ کا تماشا دیکھتا رہے گا اور ذرا بھی اس کے دل میں انصاف کا جذبہ پیدا نہ ہوگا۔ اس وقت میرے پاس دو صورتوں کے سوا کوئی صورت نہ تھی۔ ایک یہ کہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے بھارت پر حملہ کر دیتا مگر بدقسمتی سے ہمارے حصہ کی فوج ابھی تک پاکستان نہ پہنچی تھی وہ ہندوستان سے باہر دور دراز مقامات پر تھی اور ہمارے حصہ کا اسلحہ بھی ہندوستان کے قبضہ میں تھا"۔ (۳)

"قائداعظم نے مزید فرمایا کہ ہندو کی سکیم یہ تھی کہ پاکستان نوزائیدہ مملکت ہے۔ اس کی طرف مسلمانوں کو کثیر تعداد میں دھکیل دیا جائے تاکہ وہ اس کی آبادکاری پر اس قدر الجھ جائے کہ اپنے پاؤں پر کھڑی نہ سکے مگر اللہ کا فضل و کرم ہے کہ پاکستان ان مصائب سے گزرتا ہوا مضبوط و مستحکم ہی بنتا چلا گیا۔ اب وہ سمجھ گئے ہیں کہ پاکستان مضبوط

۱،۲۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی، ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور۔ جولائی ۱۹۹۲ء، ۱۴۲،

۳۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ایضاً۔ ص ۱۴۳

طرف سے اطمینان ہو جائے اور اسمبلی کو بھی اطمینان نصیب ہو جائے تو انشاء اللہ بہت جلد دستور پاکستان اسلامی اصولوں کے مطابق مرتب ہو جائے گا''۔ (۱)

قائداعظم سے دوسری ملاقات:

قائداعظم جب مشرقی پاکستان کا دورہ کرنے کے لئے ڈھاکہ تشریف لائے تو جمعیت علماء اسلام کے وفد نے قائداعظم سے ملاقات کی جس کے مولانا ظفر احمد عثمانی امیر الوفد تھے۔ مولانا نے وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے قائداعظم سے فرمایا۔ آپ نے حصول پاکستان سے پہلے وعدہ فرمایا تھا کہ دستور پاکستان کتاب وسنت کے مطابق ہوگا۔ یہ وعدہ جلد پورا کیا جائے کیونکہ ہم نے قوم سے یہی وعدہ کیا تھا اور اب لوگ ہم سے اسلامی نظام میں حیات کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ اسلامی نظامِ حیات کہاں ہے؟ قائداعظم نے اس وقت بھی سب کو اطمینان دلایا کہ

''یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ آپ کی حکومت اسلامی حکومت ہے۔ اس کا دستور اسلام کے دستور پر ہوگا اور یہ انشاء اللہ جلد مکمل ہو کر آپ کے سامنے آجائے گا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اسمبلی کے اندر موجود ہیں ان کی رہنمائی میں کام ہو رہا ہے۔ چند ناگہانی مصائب کی وجہ سے دیر ہوگئی اب زیادہ دیر نہ ہوگی''۔ (۲)

دستور پاکستان کا خاکہ:

کراچی میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے یہ فیصلہ کیا کہ پاکستان کا دستور کتاب وسنت کے اصول پر بنانے کے لئے ایک خاکہ مرتب کیا جائے جو ممبران اسمبلی کے سامنے رکھا جا سکے اور اس کی روشنی میں دستور بنوانے کی کوشش کی جا سکے۔ چار علماء اس کام کے لئے تجویز ہوئے۔

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی	(۲) مولانا مفتی محمد شفیع
(۳) مولانا سید مناظر احسن گیلانی	(۴) مولانا ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی

مگر اتفاق سے کوئی بھی اس وقت پاکستان میں موجود نہ تھا سب کے سب ہندوستان میں مقیم تھے، حالانکہ ان میں مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی زندگی سخت خطرہ میں تھی کیونکہ ہندو انہیں سخت دشمن تصور کرتے تھے، کہ انہوں نے علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ مل کر تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ ان حضرات کو پاکستان میں لانے کے لئے جمعیت علماء اسلام نے ایک آدمی ہندوستان میں بھیجا۔ جس نے انہیں تدوین دستور کے لئے کراچی آنے کی دعوت دی۔ مولانا سید سلیمان ندوی تو کسی عذر کے سبب اس وقت نہ آسکے باقی تینوں حضرات کام کی اہمیت کے پیش نظر فوراً پاکستان آگئے اور وسط ۱۹۴۸ء میں یہ حضرات دستوری خاکہ مرتب کرنے میں مشغول ہو گئے اور تقریباً تین ماہ میں ایک مختصر سا خاکہ علامہ شبیر احمد عثمانی کی زیر ہدایت مرتب کر لیا۔ باقی حضرات تو واپس چلے گئے مگر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو دو وجوہات کی بنا پر کراچی روک لیا گیا۔ ایک تو اس لئے کہ ان کا بھارت واپس جانا خطرہ سے خالی نہ تھا دوسرا اس لئے کہ اس کام

۱۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ایضاً۔ ص ۱۴۴

۲۔ عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ایضاً۔ ص ۱۴۴، ۱۴۵

دستوری مطالبہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی نے وسط ۱۹۴۸ء میں اپنی تقاریر میں فرمایا:۔

"پاکستان کا حکومتی نظام اسلامی اصولوں پر قائم کرنے کے لئے جو دستوری طریقہ ہوسکتا ہے اسے ایک مطالبہ کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس مملکت کو مسلمان مملکت بنانے کے لئے پہلا قدم کیا ہونا چاہیے اور اس کے مطابق کیا جدوجہد کی جانی چاہیے۔

مذکورہ بالا دستوری مطالبہ درج ذیل ہے۔

چونکہ پاکستان کے باشندوں کی عظیم اکثریت اسلام کے اصولوں پر یقین رکھتی ہے اور چونکہ پاکستان کی آزادی کے لئے مسلمانوں کی ساری جدوجہد اور قربانیاں صرف اسی خاطر تھیں کہ وہ اُن اصولوں کے مطابق زندگی بسر کریں جن پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

لہذا

اب قیام پاکستان کے بعد ہر پاکستانی مسلمان دستور ساز اسمبلی سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس بات کا اعلان کرے کہ:

۱۔ اقتدار اعلیٰ کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔حکومتِ پاکستان کی کوئی حیثیت اس کے سوانہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشاء کے مطابق اختیارات استعمال کرے۔

۲۔ پاکستان کا بنیادی قانون اسلامی شریعت ہے۔

۳۔ وہ تمام قوانین جو اسلامی شریعت کے خلاف اب تک جاری رہے ہیں، منسوخ کئے جائیں گے اور آئندہ کوئی ایسا قانون نافذ نہ کیا جائے گا جو شریعت کے خلاف ہو۔

۴۔ حکومت پاکستان اپنے اختیارات ان حدود کے اندر استعمال کرے گی جو شریعت نے مقرر کردی ہیں۔" (۱)

قائداعظم کی رحلت:

عوام علماء اور ارکان دستور ساز اسمبلی کے درمیان اسلامی آئین کے ضامن صرف قائداعظم ہی تھے، انہوں نے اگرچہ اپنی ایک ملاقات میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع سے فرمایا تھا کہ

''میں پاکستان کے مقدمہ میں مسلمانوں کا وکیل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مقدمہ میں کامیاب کیا، پاکستان مل گیا اب میرا کام ختم ہوا۔ اب مسلمانوں کی اکثریت و جمہوریت کو اختیار حاصل ہے کہ جس طرح چاہیں نظام قائم کریں اور چونکہ پاکستان میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے تو اس کے سوا کوئی دوسری صورت ہو

۱۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، مولانا۔ تحریک آزادی ہند اور مسلمان۔ حصہ دوم۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، اکتوبر ۱۹۸۹ء، ص ۳۸۹، ۳۹۰

علماء کرام اور عوام کی امیدیں زیادہ تر قائداعظم کی ذات سے وابستہ تھیں، نہ کہ ارکان دستور ساز اسمبلی سے۔ قائداعظم کی وفات کے آثار دیکھ کر قائداعظم کے معالج ڈاکٹروں نے گھبرا کر قائداعظم سے کہا کہ اب پاکستان کو ساحل مراد پر کون پہنچائے گا تو انہوں نے آہستہ سے یہ فرماتے ہوئے کمبل سے منہ ڈھانپ لیا کہ

''اے خدا! تو نے مسلمانوں کو آزادی عطا کی ہے۔ اب تو ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ میری قوم ابھی ابتدائی مراحل طے کر رہی ہے کمزور ہے، تو ہی مدد کرنے والا ہے اور تو ہی اس کا حامی و ناصر ہے''۔ (آخری لمحات) (۲)

اور اس طرح وہ پاکستان کو خدا کے حوالے کرتے ہوئے ۱۱۔ستمبر ۱۹۴۸ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کے انتقال سے علامہ شبیر احمد عثمانی کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور دستور اسلامی کا مستقبل تاریک محسوس ہونے لگا۔

استعفٰی پر آمادگی

علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کار:۔

''ہندو اور انگریزوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اسلام کو سربلند دیکھنے کی آرزو میں عزیز و اقارب کو چھوڑا، گھر کا آرام چھوڑا، مال و متاع، اراضی، باغات کو خیر باد کہا۔ کفن سر سے باندھ کر پاکستان کی حمایت میں صدائے حق بلند کی۔ اپنوں کی مخالفت، غیروں کی دشمنی مول لی۔ قتل کی دھمکیاں سہیں''۔ (۳)

وہ یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ جس مقصد کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا، اس مقصد کو ذاتی اغراض و اقتدار کی نذر کر دیا جائے۔ اس لئے علامہ شبیر احمد عثمانی نے جو اس عزمِ صمیم کے ساتھ دستور ساز اسمبلی میں داخل ہوئے کہ وہ وہاں اپنی استطاعت کی حد تک اسلامی دستور کے لئے پوری قوت کے ساتھ آواز بلند کریں گے، خواہ کوئی ان کی پارٹی کا ساتھ دے یا نہ دے۔ خواہ نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ارباب اقتدار کے خفیہ منصوبوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے مجلس دستور ساز سے استعفٰی دینے پر تیار ہو گئے اور استعفٰی لکھ کر اپنے رفقاء کے حوالے کر دیا مگر بعض مخلصین نے علامہ شبیر احمد عثمانی کو استعفٰی دینے سے روک دیا کہ آپ مجلس دستور ساز کے اندر رہ کر صدائے احتجاج بلند کریں اور اربابِ اقتدار کے عزائم کو بے نقاب کریں۔ آپ کے مستعفی ہو جانے سے تو انہیں کھلی چھٹی مل جائے گی اور یہی وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح راستہ کے یہ کانٹے ہٹا دیئے جائیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی کا عزم صمیم

ارباب اقتدار کے خودغرضانہ طرزِ عمل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے ۹۔اور ۱۰۔فروری ۱۹۴۹ء کو ڈھاکہ میں جمعیت علماء اسلام کی ایک کانفرنس زیر صدارت علامہ شبیر احمد عثمانی منعقد ہوئی اور علامہ موصوف نے اپنے خطبہ صدارت میں ارباب اقتدار کے طرز عمل سے یوں پردہ اٹھایا۔

''حصول پاکستان کے بعد علماء و مشائخ کی ان مساعی عظیمہ کو اربابِ اقتدار نے قطعاً فراموش کر دیا ہے۔ مذہبی

۱،۲۔عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ایضاً۔ص ۱۵۰

۳۔ندوی، علی، ابوالحسن، حیات شیخ الاسلام (شبیر احمد عثمانی) مکتبہ دینیہ، دیوبند انڈیا، س ن۔ص ۶

اس کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا کہ مذہبی عنصر زیادہ چمکنے یا ابھرنے نہ پائے اور جہاں تک ہو سکے، اس کو کسم پرسی کی حالت ہی میں چھوڑ دیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ وقت پڑنے پر علماء کو احمق بنالیا جاتا ہے۔ جب کام نکل گیا، تو ان سے کوئی تعلق نہیں'' ۔ (۱)

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ

''میں بالکل صفائی سے بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ صورتِ حال ہمارے لئے کوئی غیر متوقع چیز نہیں۔ ہم یقیناً پہلے سے جانتے تھے کہ ایسا ہوگا اور پاکستان میں اقتدار اُن لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگا کہ ان سے اس کے سوا کوئی توقع کی ہی نہیں جاسکتی تھی۔ ہم ان کی نسبت بحمداللہ کسی فریب میں مبتلا نہ تھے۔ ہم نے یہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے جداگانہ قومیت اور اصول پاکستان کی مخلصانہ حمایت مذہبی نقطہ نظر سے حق اور صحیح سمجھ کر کی اور آئندہ بھی انشاءاللہ اس کی حفاظت کے معاملہ میں رجال حکومت کی کوئی ناپسندیدہ روش ہماری جدوجہد پر اثر انداز نہیں ہوسکتی، خواہ اربابِ اقتدار ہمارے ساتھ کچھ ہی برتاؤ کریں۔ ہم خالص اللہ کی خوشنودی، اہل اسلام کی برتری اور بہتری کے لئے اپنی اس نئی مملکت کو مضبوط اور محفوظ بنانے میں امکانی کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔ ساتھ ہی ہم اس کوشش سے بھی کبھی دست بردار نہیں ہوسکتے کہ مملکت پاکستان میں اسلام کا وہ دستور آئین اور وہ نظامِ حکومت تشکیل پذیر ہو کہ مسلمان اپنی زندگی قرآن وسنت کے تحت اسلامی تعلیمات کے مطابق گزار سکیں''۔ (۲)

علامہ عثمانی کے واشگاف اعلان سے ایوان اقتدار میں ایک زلزلہ سا آ گیا۔ اس وقت نوابزادہ لیاقت علی خاں وزیراعظم تھے۔ علامہ عثمانی کو جمہور مسلمین میں جو مرکزیت حاصل تھی، اس سے وہ بخوبی واقف تھے۔ اور الیکشن وریفرنڈم کے زمانہ میں وہ اس کا بچشم خود مشاہدہ کر چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے علمائے کرام اور عوام کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر آئین سازی کی مہم کو تیز تر کر دیا۔ ان کی درخواست پر علامہ عثمانی نے قرارداد مقاصد کا مسودہ تیار کیا۔

قرارداد مقاصد

چنانچہ مجلس دستور ساز نے ۱۲۔ مارچ ۱۹۴۹ء کو مندرجہ ذیل قراردادِ مقاصد منظور کر لی:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے۔ اور اس نے جمہور کی مصاحت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے لہٰذا جمہور پاکستان کی نمائندہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد و خودمختار مملکت پاکستان کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

۱۔عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی، ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور۔ جولائی ۱۹۹۲ء۔ ص ۱۵۴

۲۔عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ایضاً۔ ص ۱۵۴، ۱۵۵

میں اصول جمہوریت وحریت ومساوات ورواداری اور عدل حکمرانی کو جس طرح اسلام نے اس کی تشریح کی ہے۔ پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

جس کی رُو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی، اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔

جس کی رُو سے اس امر کا واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عقیدہ رکھ سکیں اور ان پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

جس کی رُو سے وہ علاقے جواب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے پاکستان میں شامل ہو جائیں، ایک وفاق بنائیں۔ جس کے صوبوں کو مقرر کردہ حدود اختیارات تک خودمختاری حاصل ہو۔

جس کی رُو سے بنیادی حقوق کی ضمانت کی جائے اور ان حقوق میں قانون واخلاق کے ماتحت مساوات ومواقع قانون کی نظر میں برابری، عمرانی اقتصادی وسیاسی، دلی اظہار خیال، عقیدہ دین، عبادت اور اجتماع کے حق کی آزادی شامل ہو گی۔

جس کی رُو سے اقلیتوں اور پسماندہ وپست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا۔

جس کی رُو سے نظام عدل کی آزادی کامل طور پر محفوظ ہو۔

جس کی رُو سے وفاق کے علاقوں کی سالمیت، اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا، جن میں اس کے بروبحر اور فضا پر اقتدار کے حقوق شامل ہیں، تحفظ کیا جائیگا۔

تا کہ اہل پاکستان فلاح وخوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی ترقی و بہبود میں کماحقہ اضافہ کر سکیں"۔ (۱)

قرارداد مقاصد کی منظوری علامہ عثمانی کا وہ دوسرا تاریخی کارنامہ تھا جو تاریخ پاکستان میں زریں حروف سے لکھا جائے گا۔ اس کی منظوری کے موقع پر علامہ عثمانی نے ایک تقریر ارشاد فرمائی جس پر انہوں نے نہ صرف پاکستان سے بلکہ تمام عالم اسلام سے خراج تحسین وصول کیا۔ چونکہ قرارداد مقاصد قائد ملت نوابزادہ لیاقت علی خاں کی مخلصانہ مساعی سے ہی منظور ہوئی تھی اس لئے علامہ عثمانی نے ان کی ان تاریخی مساعی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی خدمت میں ہدیہ مبارکباد پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"یاد رکھیئے! دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں کے جس جال میں پھنس چکی ہے اس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھڑ پھڑائے گی اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور سخت ہوتی چلی جائے گی اگر غور کیا جائے تو یہ مبارکباد دراصل میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس پسی اور کچلی ہوئی روحِ انسانیت کی طرف سے ہے جو خالص مادہ

۱۔عبدالرحمٰن خاں منشی، تعمیر پاکستان اور علماء ربانی۔ ایضاً۔ ص ۱۵۶۔۱۵۷

ہے۔اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر دردانگیز ہیں کہ بعض اوقات سنگ دل قاتل بھی انہیں سن کر گھبرا اٹھتے ہیں اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہو کر تھوڑی دیر کے لئے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں مگر علاج ودوا کی جستجو میں اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ مرض کے اصلی سبب ہی کو دوا اور اکسیر سمجھ لیا جاتا ہے۔" (۱)

قراردادمقاصد پر بحث:

قرارداد مقاصد دستور ساز اسمبلی میں بحث کے لئے پیش کی گئی تو چند حلقوں نے اس پر کڑی تنقید کی ان میں ہندو ارکان کا گروپ، علماء کرام اور ترقی پسند حلقے شامل تھے۔وزیر اعظم اور وزراء نے بحث میں بڑی دلچسپی لی اور مخالف ارکان کے اعتراضات کے جواب دلائل سے دیئے۔قرارداد مقاصد میں وزیر اعظم کا ساتھ دینے والوں میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، چوہدری ظفر اللہ خان اور سردار عبدالرب نشتر نمایاں تھے۔

ا۔ ہندوارکان

۷۹۔ارکان پر مبنی دستور ساز اسمبلی میں ۱۶ کا تعلق پاکستان نیشنل کانگرس سے تھا جو سب غیر مسلم تھے۔ہندو ارکان نے دستور کے اسلامی پہلو پر تنقید کی اور مطالبہ کیا کہ پاکستان کو مخصوص مذہب سے وابستہ لوگوں کا ملک بنانے کی بجائے تمام باشندوں کا ملک قرار دیا جائے۔انہوں نے کہا کہ قرارداد مقاصد کی بدولت احساس ہوا ہے کہ انہیں دوسرے درجہ کا شہری بنا دیا جائے گا۔ایک ہندو رکن اسمبلی مسٹر دتہ نے کہا کہ سیاست کو مذہب کے اثر سے آزاد کر کے صحیح روح کی حامل جمہوریت رائج کی جائے۔چٹو پدھایائے نے کہا قرارداد مقاصد میں یہ الفاظ غیر ضروری ہیں جیسا کہ اسلام نے سبق دیا ہے۔

۲۔ علمائے کرام

مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد ابراہیم علی چشتی اور مولانا محمد اکرم نے قرارداد مقاصد میں اقلیتوں کے حقوق کے خصوصی ذکر اور پالیسی ساز اداروں میں ان کی شمولیت کے اختیار کو چیلنج کیا۔علماء نے جمہوریت اور مغربی انداز فکر کو تنقید کا نشانہ بنایا قرارداد پر بحث کے دوران مولانا شبیر احمد عثمانی نے کہا کہ پاکستان میں اسلامی نظام رائج ہوگا تو غیر مسلموں کو اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ وہ پالیسی کی تشکیل میں حصہ لیں سکیں گے۔مولانا کی تقریب سے غیر مسلم ارکان نے خدشہ ظاہر کیا کہ اگر اسلامی دستور بن گیا تو انہیں محرومیوں کا شکار ہونا پڑے گا۔وزیر اعظم نے تقریر کے دوران بھی ان خدشات کو رفع کرنے کی کوشش کی اور بعد از اں جب قرارداد کا مسودہ اسمبلی میں پیش ہوا تو اس میں بھی اعلیٰ ملازمتوں پر غیر مسلموں کے مساوی حق کو تسلیم کیا گیا۔علماء کرام کو قرارداد کا یہ حصہ ناگوار محسوس ہوا اور انہوں نے کڑی تنقید کی۔

۳۔ میاں افتخار الدین

وزیر مہاجرین اور آبادکاری ترقی پسند ذہن رکھتے تھے۔اشتراکی نظریات کے قائل تھے اس لئے انہوں نے اپنے نقطہ نظر سے کہا

ا۔ندوی، علی، ابوالحسن، حیات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مکتبہ دینیہ، دیوبند، انڈیا ص ۵۲

انہوں نے مطالبہ کیا کہ قرارداد میں غریبوں کے تحفظ کا ذکر کیا جائے۔ دولت کی منصفانہ تقسیم کا وعدہ کیا جائے اور غریبوں و امیروں میں دولت کے فرق کو کم کیا جائے تا کہ مستقبل میں طبقاتی کشمکش پیدا نہ ہو۔

ملک غلام محمد اور ہاشم گروز جیسے مغربی طرز فکر کے حامل ارکان اسمبلی نے بھی معاشرتی انصاف اور جدت پسندی کی طرف ارکان اسمبلی کی توجہ دلائی۔ دونوں کسی حد تک سیکولر نظام رائج کرنے کی حمایت کرتے رہے لیکن مولانا شبیر احمد عثمانی اور دیگر علماء کے دلائل کے تحت دستور کی بنیاد اسلامی اصولوں کو ہی تسلیم کیا گیا۔ وزیر خارجہ ظفر اللہ خان نے قرارداد کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اقلیتوں کو اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر تحفظات فراہم کئے جائیں گے۔ اسلام رواداری پر یقین رکھتا ہے اور اسلام میں کوئی جبر نہیں۔

وزیر اعظم لیاقت علی خان کے تاثرات:

قرارداد مقاصد کی منظوری پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان کے عظیم اور ہر دل عزیز وزیر اعظم لیاقت علی خان نے کہا کہ آزادی کے بعد یہ اہم ترین واقعہ ہے۔ اس قرارداد میں ان اصولوں کا اظہار کیا گیا ہے جن پر آئندہ دستور پاکستان استوار ہوتا ہے۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان نے اقلیتوں کو ہر طرح سے یقین دلایا کہ:

"اسلامی جمہوریت کا احاطہ زندگی کے ہر شعبہ حیات پر ہے اس نظام حیات میں اخلاق کو محوری حیثیت حاصل ہے۔ اقتصادی انصاف اسلامی نظام کا روح رواں ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتمالیت کے نظام سے بہتر ہے اس لئے کہ یہ دونوں نظام اپنے مزاج میں شدت رکھتے ہیں۔ ان کے برخلاف اسلام ایک ایسی آئیڈیالوجی پیش کرتا ہے جو دنیا کی ہر قوم، مذہب اور نسل کے لئے یکساں کارآمد ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ ایک بین الاقوامی نظام ہے جو زندگی کہ تمام شعبہ جات میں کسی خاص قوم کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے۔"

قرارداد مقاصد پر بحث کا مقصد صرف یہ تھا کہ دستور ساز اسمبلی کے ارکان کے دلوں میں جو خدشات تھے ان پر بحث کر کے دلائل سے ایک دوسرے کو قائل کیا جائے۔ وزیر اعظم نے بھی اپنی تقریر میں خاص طور پر غیر مسلم ارکان اسمبلی کے خدشات دور کرنے کی کوشش کی۔

تعلیمات اسلامی بورڈ:

قرارداد مقاصد پاس ہو جانے کے بعد اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور کتاب و سنت کے مطابق بنانا لازمی ہو گیا ہے یقیناً اس عظیم الشان کام کے لئے ماہرین کی ضرورت تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی تجویز پر وسط ۱۹۴۹ء میں ارباب حل وعقد نے دستوری سفارشات کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے پانچ علماء کا ایک بورڈ بنانا منظور کیا اور باہمی مشورہ سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا ظفر احمد انصاری اور مفتی جعفر حسین مجتہد اس بورڈ کے رکن چنے گئے۔ اس بورڈ کی صدارت کے لئے ارباب بصیرت کی نظر انتخاب مؤرخ اسلام جامع علوم جدید وقدیم خلیفہ ارشد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ پر پڑی۔ جن کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے ایک مرتبہ تحریر فرمایا تھا کہ:

ا۔ رزاق، ایم۔اے، ڈاکٹر پاکستان کا نظام حکومت اور سیاست، ناشر مکتبہ فریدی، وفاقی اردو کالج، بابائے اردو روڈ، کراچی نمبر ا، ۱۹۸۷ء، ص ۲۱۴

ہی نہیں، رئیس المصنفین ہیں۔ ان کا وجود علم و فضل کا ایک دریا ہے۔ جس سے سینکڑوں نہریں نکلتی ہیں اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں''۔ (۱)

بنیادی اصولوں کی کمیٹی:

''۱۲۔ مارچ ۱۹۴۹ء کو قراردادِ مقاصد منظور ہو جانے کے بعد ملک میں آئین سازی کے کام کو مکمل کرنے کی خاطر ۲۵ اراکین پر مشتمل ماہرین کی کمیٹی بنا دی گئی تھی۔ اس کمیٹی کے تحت ۳ ضمنی کمیٹیاں بھی بنا دی گئی تھیں۔ اور پھر ان تمام کمیٹیوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ مزید اراکین کو بھی حسب ضرورت اپنے ساتھ ملا سکتی ہیں۔ اور ماہرین کی خدمات بھی حاصل کر سکتی ہیں۔ بنیادی طور پر بنیادی اصولوں کی اس کمیٹی کا مقصد آئین کے بارے میں قرارداد مقاصد کی روشنی میں غور و فکر کے بعد رپورٹ پیش کرنا تھا''۔ (۲)

بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ

بنیادی اصولوں کی اس کمیٹی نے اپنی پہلی عبوری رپورٹ ۲۸۔ ستمبر ۱۹۵۰ کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں پیش کی۔ اس عبوری رپورٹ کی سفارشات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

- ☆ مرکزی قانون ساز اسمبلی دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی۔ ایک ایوان بالا اور دوسرا ایوان زیریں ہوگا۔ دونوں میں اراکین کی تعداد الگ ترتیب ۱۲۰ اور ۴۰۰ ہوگی۔ اور پھر ان ممبروں کو برابر تعداد ملک کے دونوں صوبوں یعنی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان سے ہوگی۔
- ☆ ملک میں پارلیمانی نظام حکومت ہوگا۔ پارلیمنٹ کی معیاد پانچ سال ہوگی۔ لیکن وزیراعظم کی سفارش پر اسے کسی وقت بھی برخاست کیا جا سکے گا۔
- ☆ ملک کا سربراہ مسلمان ہوگا اور اسے پارلیمنٹ کے دونوں ایوان پانچ سال کے لئے منتخب کریں گے لیکن صوبائی سربراہوں کو ملک کا سربراہ ہی مقرر کرے گا۔
- ☆ وفاقی، صوبائی اور مشترکہ امور کی تین جداگانہ فہرستیں ہوں گی۔
- ☆ عدلیہ ہر طرح سے برتر اور آزاد ہوگی۔ ہر سطح پر اس کا فیصلہ حتمی اور قطعی ہوگا۔
- ☆ سرکاری زبان صرف اردو ہوگی۔
- ☆ ہر صوبے کا سربراہ پانچ پانچ اراکین کا ایک بورڈ بنا سکے گا اور وہ بورڈ اسلامی حوالے سے رہنمائی کرے گا۔
- ☆ آئین میں ممبران کی ایک تہائی اکثریت سے ترمیم پر غور کیا جا سکے گا۔ دو تہائی اکثریت سے آئین میں تبدیلی ہو سکے گی اور نیا بل قانون بن سکے گا۔

۱۔ معارف (سلیمان نمبر)۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ، بھارت، ص ۲۸

2. Report of the Basic Principles Committee, The Manager of Publications Government of Pakistan Press, Karachi 1952.

علماء نے اس رپورٹ کو سخت ناپسند کیا کیونکہ آئندہ کی وفاقی حکومت کا جو ڈھانچہ پیش کیا گیا وہ ان کے خیال میں قرارداد مقاصد کے مطابق نہ تھا اور اسلامی روح سے عاری تھا اس میں علماء کو ایک باضابطہ وفاقی اسلامی ریاست کے کوئی آثار نظر نہ آئے سفارشات میں اسلامی کردار کی ان کے نزدیک اس کے سوا کوئی حیثیت نہ تھی کہ قرارداد مقاصد کو آئین میں داخل کر لیا گیا تھا اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ بنیادی حقوق متاثر نہ ہوں۔ اس میں قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون بنانے کے متعلق بھی کوئی دفعہ شامل نہ تھی اور نہ اس کی ضمانت دی گئی تھی کہ سربراہ مملکت صرف مسلمان ہوگا۔

دستور ساز اسمبلی نے دستور سازی میں پیشرفت کے لئے ایک ادارہ بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ بھی قائم کیا جو جید علماء پر مشتمل تھا۔ اس میں سید سلیمان ندویؒ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مولانا ظفر احمد انصاریؒ مفتی محمد شفیعؒ اور مفتی جعفر حسین شامل تھے۔ بورڈ کی یہ ذمہ داری تھی کہ قانون سازی میں معاونت کرے اور بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کا جواب دے لیکن بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے اپنی سفارشات مرتب کرنے کے لئے بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ سے کبھی مشاورت ورہنمائی حاصل نہ کی۔ اس لئے یہ رپورٹ اسلامی قانون سازی کے حوالے سے نامکمل تھی۔ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی عبوری سفارشات کو کسی بھی حلقہ سے پذیرائی حاصل نہ ہوئی۔ تمام مذہبی اور سیاسی حلقوں نے اس پر شدید تنقید کی اور اسے مسترد کر دیا۔ ان حالات میں وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علی خان نے کمیٹی کو حتمی رپورٹ پیش کرنے کے لئے کہا۔

According to G.W. Chaudhry,

"Due to publicawareness and desires constituent assembly directly demanded suggestions from the public and further asked to provide these suggestions till 1951. The constituent assembly framed a sub -committe to check these suggestions". (1)

مسٹر جی ڈبلیو چوہدری کے مطابق "عوامی بیداری اور عوامی خواہشات کی وجہ سے دستور ساز اسمبلی نے عوام سے براہ راست تجاویز طلب کیں اور یہ بھی کہا کہ تجاویز ۱۹۵۱ تک دے دی جائیں۔ دستور ساز اسمبلی نے ان تجاویز کی چھان پھٹک کے لئے ایک ذیلی کمیٹی قائم کی۔

بنیادی اصولوں کی عبوری کمیٹی کی سفارشات پر علماء کرام نے سخت تنقید کی اس رپورٹ پر سیاسی رہنماؤں نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اسے ہر طبقہ زندگی نے مسترد کر دیا۔ ماہنامہ چراغ راہ کراچی میں بنیادی اصولوں کی عبوری کمیٹی کی سفارشات پر تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

---

1. Choudhury, G.W, Constitutional Development in Pakistan, Lahore. P # 73

(v) غلطیوں سے پاک قرآن پاک کی طباعت کی ذمہ داری حکومت کو سونپی گئی ہے۔

(vi) اسلامی ماحول کی ذمہ داری حکومت پر عائد کی گئی تا کہ شہری انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کے مطابق گزار سکیں۔

(vii) اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی ہے تا کہ اسلامی قوانین کی تشکیل میں ماہرین کی رائے حاصل کی جا سکے۔

(viii) زکوٰۃ اور مساجد کا نظام بہتر خطوط پر چلانے کے لیئے حکومت کو ذمہ دار قرار دیا گیا۔

(ix) رواداری، انصاف، آزادی اور جمہوری نظام کو تسلیم کیا گیا۔

(x) جوا، شراب اور سود وغیرہ کی ممانعت کر دی گئی۔

۳۔ پارلیمانی دستور:

۱۹۷۳ء کا دستور ایک پارلیمانی آئین کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے۔ اس میں سابقہ پارلیمانی دساتیر کی خامیوں سے بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب وزیر اعظم کے خلاف عدم اعتماد کو زیادہ مشکل بنا دیا گیا ہے۔ تا کہ آئے دن وزارتیں ہی نہ بدلتی رہیں۔

۴۔ دوایوانی مقننہ:

آئین میں دوایوانی مقننہ کا تصور دیا گیا ہے۔ ایوان بالا سینٹ ہے جو ۸۷ ارکان پر مشتمل ہے۔ ہر صوبے کی ۱۹ مساوی سیٹیں ہیں۔ قبائلی اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کو بھی سینٹ میں نمائندگی حاصل ہے۔ ایوان زیریں قومی اسمبلی ہے۔ جس کے کل ارکان ۲۱۷ ہیں ہر صوبے کو آبادی کے تناسب سے نمائندگی ملی ہے۔ مرکز کے زیر انتظام قبائلی علاقوں سے بھی عوام قومی اسمبلی کے لئے اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں۔

۵۔ عدلیہ:

دستور کے مطابق عدلیہ کو آزاد اور بااختیار درجہ دیا گیا ہے تا کہ عوام کو انصاف مل سکے اور اُن کے حقوق محفوظ رہیں۔ عدلیہ باوقار، آزاد اور غیر جانبدار رہے۔

۶۔ بنیادی حقوق:

دستور پاکستان کے تمام شہریوں کو مساوی بنیادوں پر معاشی، معاشرتی، مذہبی، ثقافتی، سیاسی اور دیگر حقوق عطا کرتا ہے اور ان کے تحفظ کی ذمہ داری عدلیہ پر عائد کرتا ہے۔ ہنگامی حالات میں شہریوں کے حقوق معطل کر دیئے جاتے ہیں لیکن اس کیلئے قومی اسمبلی کی اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

۷۔ ریفرنڈم:

دستور کی بحالی کے حکم R.C.O کے تحت صدر خود یا وزیر اعظم کے مشورے سے کسی اہم قومی مسئلہ پر ریفرنڈم منعقد کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

۸۔ تقسیم اختیارات

دستور ۱۹۷۳ء میں تقسیم اختیارات کا مسئلہ بھی متوازن انداز میں حل کیا گیا ہے۔ صوبوں کو مناسب انداز میں صوبائی خودمختاری